فتاویٰ ملک العلما

ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ

مرتب اعزازی

نبیرۂ ملک العلما ڈاکٹر طارق مختار

ترتیب و تحقیق

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

ترتیب و تقدیم

ساحل سہسرامی (علیگ)

بین السوال والجواب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔ سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ شخص ہے جو مامور بانشائے عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت ''اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا'' جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے، جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بناء پر انشاء عقد ہوا؟ اگر یہی صورت ہے تو فضولی نہیں ٹھہرتا بلکہ مامور منجانب اب ہوا۔ فانی بصح هذا الجواب یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے بعد از انشاء عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی، اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہوسکتا ہے لیکن محل نظر ضرور ہے۔ فقط کتبہ علی نعمت الظواری رحمت زید باری

(سوال مطول و مفصل)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ کی منسوب خالد سے ایک سال سے تھی۔ اور ہندہ اور ہندہ کے باپ وغیرہ کو معلوم تھا کہ آج ہندہ کا نکاح ہے۔ لیکن ہندہ کا باپ چار کوس پر تھا۔ ہندہ کے باپ نے اکبر کے نام سے خط لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ پیادہ روی سے مجبور ہوں، سواری ملتی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تاریخ بڑھادی جاتی تا کہ میری بھی شرکت ہوتی۔ مگر جب کہ عورتوں نے تاریخ مقرر کرلی ہے تو انجام ہی ہونا ضرور ہے۔ زید وہاں موجود ہے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کردے۔ لڑکی میری دانستہ بالغہ ہے، اس کی بھی اجازت لے لے اور احمد آرندہ خط کو زبانی ہدایت بھی ایسی کردی۔ زید ہندہ کے باپ کا حرف پہچانتا تھا بلا اجازت اکبر خط پڑھ کر احمد آرندہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لینے ثبوت شہادت، زید نے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم کے قریب ہے) ایک مجمع عام میں بلا نامزد کرنے دو گواہ کے، ہندہ کا نکاح خالد سے کردیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت نہیں لی تھی اور نہ بعد نکاح خود زید یا کسی دوسرے شخص خاص نے ہندہ کو نکاح کی خبر دی۔ مگر جب نکاح ہوگیا تو گھر باہر شور غل مچ گیا کہ نکاح ہوگیا، نکاح ہوگیا۔ جس وقت تواتر سے نکاح کی خبر ہندہ کے گھر پہونچی (ہندہ بھیڑ میں تھی) صریح لفظوں میں اقرار یا انکار نہ کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہوگئی۔ ہندہ خالد سے راضی ہے اور ہندہ کے باپ کو بھی کوئی کلام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح صحیح و نافذ ہوگیا یا تجدید نکاح و تصریح اذن ہندہ کی ضرورت ہے اور بالفرض اسی صورت میں اگر ہندہ کے باپ کا خط نہیں آتا اور زبانی ہدایت بھی نہیں ہوتی تو کیا جواب ہوگا؟

(اعتباہ) مانحن فیہ، میں امورات خمسہ مفصلہ ذیل پر ضرور دلیل شافی ہونی چاہیے:

(۱) اجازت بالکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس صورت میں زید وکیل منجانب پدر ہندہ قرار پائے گا یا نہیں؟ خانیہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ اگر ولی نے بلا اجازت اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح پڑھادیا تو یہ نکاح لڑکی کی رضا پر موقوف ہے۔ اگر بالغہ ہے تو سکوت بھی رضا ہوگا جیسا کہ عند الاستیذان سکوت رضا پر محمول ہے۔ پس اگر زید وکیل پدر ہندہ قرار پاتا ہے تو اس کے نکاح پڑھادینے پر سکوت، رضا پر محمول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بالفرض زید وکیل نہیں بلکہ فضولی قرار دیا

جائے تو بغیر تصریح اذن ہندہ، یہ نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟ اور اجازت فعلی (یعنی خلوت صحیحہ) مثل اجازت قولی (یعنی اقرار باللسان) کے متغیر ہوگی یا نہیں؟

(۲) انعقاد نکاح کے وقت نامزد کرنا دو گواہوں کا (جیسا کہ فی زمانا ہذا مروج ہے) بھی ضرور ہے یا صرف موجود رہنا کافی رہے گا؟

(۳) بعد نکاح منکوحہ کے پاس روبرو شخص خاص (جیسا کہ فی زمانا ہذا رائج ہے) کو جا کر نکاح کی اطلاع کرنا بھی ضرور ہے یا کسی طرح (جیسا کہ ما نحن فیہ میں ہوا ہے) سے اطلاع ہو جانا کافی ہوگا؟

(۴) استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''واذا استاذنها الولی فسكتت او ضحكت فهو اذن وان فعل هذا غير الولی لم يكن رضا حتى يتكلم به۔'' اور ''ما نحن فیہ'' میں یہ نکاح بوجہ ترک استیذان ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''وتزويج العبد والامة بغير اذن مولاهما موقوف فان اجاز الولی جاز وان رده بطل وكذالك لو زوج رجل امرءة بغير رضاها او رجلا بغير رضاه''۔

پس استیذان اور اجازت شرعاً دو شئ ہے یا شئ واحد؟ اگر دو شئ ہے تو جس طرح استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے، اسی طرح اجازت میں بھی تکلم باللسان شرط ہے یا نہیں؟ اور ہر واحد کی بقول مفتیٰ بہ اجمالاً یا جداگانہ کیا تعریف ہے؟

(۵) مجرد سکوت دلیل اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر بالفرض مجرد سکوت دلیل اجازت نہیں ہے تو خلوت صحیحہ دلیل اجازت ہوگی یا نہیں؟ بنقل عبارات فقہیہ معتبرہ علمائے احناف جواب ہونا چاہئے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نکاح مذکور صحیح و نافذ ہوا۔ اب نہ تصریح اذن ہندہ کی ضرورت نہ تجدید نکاح کی حاجت۔ بلکہ بالفرض اگر ہندہ کے باپ کا خط بھی نہ آتا اور زبانی ہدایت بھی نہ ہوتی، جب بھی نکاح نافذ ہی ہوتا۔ اس لئے کہ یہاں یا تو زید بوجہ توکیل اب ہندہ بمنزلہ اب ہے کہ القلم احد اللسانين والكتاب كالخطاب۔ یا اتنا بھی نہیں بلکہ ایک اجنبی فضولی گرچہ بالغہ کے نکاح میں باپ بھی حکماً فضولی ہے اور امر خود عورت ہی کی طرف عاید۔ اسی کی اجازت سے جائز، اس کے رد سے رد ہے۔

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: ''لان رجلا زوج ابنته البالغة من رجل غائب وقبل عن الزوج فضولی فمات ابو المرءة قبل اجازة الغائب لايبطل نكاح الاب بموته لان الاب لو اراد فسخ النكاح لايملك فی قول ابی يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى لانه فضولی فلا يبطل النكاح۔''

صورت اولیٰ میں جب کہ بحکم فعل الوكيل فعل المؤكل زید کا نکاح جو مجمع عام میں اگرچہ بے تعیین شاہدین ہوا (اس لئے کہ نکاح کے لئے حضور و سماع و فہم شاہدین شرط ہے نہ کہ مجمع حاضر سے خاص دو کی تعیین) ہندہ کے باپ کا کیا

ہوا نکاح قرار دیا جائے۔ کما سیاتی نصہ جب تو اس کی خبر پا کر ہندہ بکر کا سکوت ہی اجازت کو بس ہے۔ اگر تمکین وخلوت صحیحہ نہ بھی ہوتی تو صرف سکوت ہی رضا سمجھا جاتا۔

خانیہ میں ہے: ''السکوت جعل رضافی مسائل معدودة منها بکر زوجها دلیلها فعلمت ذالک فسکتت کان سکوتها رضا۔''

اور صورت ثانیہ میں اگرچہ زید بمنزلہ اب ہندہ نہیں، نہ اس کا نکاح حکم نکاح اب ہندہ میں ہے۔ تو یہاں مجرد سکوت کافی نہ ہوتا۔ مگر جب بھی لا اقل فضولی اجنبی تو ہے اور نکاح فضولی منعقد ہے۔ بالغہ کا نکاح کوئی راہ چلتا محض بلا اذن کر دے تو اجازت بالغہ پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت ہے تو جائز، رد کر دے تو رد ہو جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبافان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردت بطل۔''

اب تنقیح طلب دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجازت کے لئے صاف لفظوں میں ہی اقرار ضروری ہے یا اور بھی کسی طرح سے اجازت ہو سکتی ہے؟ تو ان صورتوں میں سے کوئی بات یہاں پائی گئی یا نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ خاص الفاظ سے اجازت کی حاجت نہیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، فتاویٰ عالمگیریہ، تنویر الابصار، درمختار، میں ہے: والـلفظ للاول'' وکما یتحقق رضاها بالقول لقولها رضیت وقبلت او احسنت و اصبت وبارک الله لک ولنا ونحوه مایتحقق رضاها بالدلالة بطلب مهرها ونفقتها و تمکینها علی الوطی وقبول التهنیة وضحک بالسرور من غیر استیذان۔''

شامی میں حلبی اور اسی میں خانیہ سے ہے: ''اجاب صاحب الهدایه فی امرءه زوجت نفسها بالف من رجل عند الشهود فلم یقل الزوج شیألکن اعطاها المهر فی المجلس ان یکون قبولا وانکر صاحب المحیط وقال لا مالم یقل بلسانه قبلت بخلاف البیع لانه ینعقد بالتعاطی والنکاح لخطرة لا حتی توقف علی الشهود بخلاف اجازة نکاح الفضولی بالفعل لاتجوز العقول ثمه۔''

ردالمحتار میں ہے: ''یعنی واشار ان الاجازة یثبت بالدلالة کمایثبت بالتصریح و بالضرورة۔''

عالمگیریہ میں بحر الرائق سے ہے: ''ویثبت الاجازة فی النکاح الفضولی بالقول والفعل۔'' اور ہم دیکھتے ہیں کہ خلوت برضا بھی اجازت ہے۔

فتاویٰ ظہیریہ، بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے: ''ولو خلا بها برضاها هل یکون اجازة لاروایة لهذه المسئلة وعنده ان هذا اجازة۔''

بزازیہ قبیل فصل عاشر میں ہے: ''ولو خلا بها برضاها فالظاهر انه اجازة۔'' اسی میں ہے: ''عندی

انہ اجازۃ و کذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف۔" پس جب خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے اور دلالت بھی رضا۔تو صورت مسئولہ میں اگرچہ عاقد نے خود جا کر اطلاع نہ کی، نہ شرعاً اسے یہ ضرور مگر جب ہندہ کو خبر پہونچی اور اس نے رد نہ کیا، یہاں تک کہ خلوت صحیحہ ہوئی تو اجازت فعلی پائی گئی، جو اقویٰ من القول ہے۔لاجرم نکاح نافذ ہو گیا۔اب تصریح اذن کی اصلاً حاجت نہیں۔واستیذان غیر ولی میں خاص زبان سے کوئی لفظ کہنا شرط ہے، نہ اجازت نکاح غیر ولی میں بلکہ قولی و فعلی دونوں کافی ہیں۔ہاں سکوت محض قولاً و فعلاً، دلالۃً صراحۃً اجازتاً، اصلاً نہ ہو، استیذان یا تزویج غیر ولی کے لئے کافی نہیں۔اور یہی مطلب عبارت ہدایہ کا ہے، جس کی توضیح عنقریب آتی ہے۔یہ سب اس صورت میں ہے کہ سوال میں خلوت سے حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر وہ جماع سے کنایہ ہے یعنی صحبت برضا واقع ہوئی، جب تو فضولی اجازت میں اصلاً کسی طرح کسی کو محل شبہ نہیں۔فان التمکین من الوطی اجازۃ بلا خلاف وقد نص علیہ فی غیر ما کتب۔

استیذان و اجازت میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔استیذان غالباً مزوج یا کسی بالائی شخص کا کام ہے۔اور اجازت بحال بلوغ و عقل و قرب خاص زوجین کا فعل کہ دوسرے سے ناممکن۔اذن و اجازت میں فرق ہے۔اگرچہ ایک دوسرے کی جگہ کلمات علما میں مستعمل۔قبل از نکاح اظہار رضا کو اذن کہتے ہیں اور بعد کو اجازت، قولی ہو یا فعلی۔

ردالمحتار میں ہے: "قلت یظہر مما ذکرنا الفرق بین الاذن والاجازۃ ان الاذن مما سیقع والاجازۃ مما وقع ویظہر منہ ایضا ان الاذن یکون بمعنی الاجازۃ اذا کان لامر وقع بالجملہ۔" صورت مسئولہ میں نکاح مذکور، بے شبہ صحیح و نافذ ہے۔نہ حاجت تجدید، نہ ضرورت تصریح اذن۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب جناب مولوی ابوالمظفر محمد سعیدالدین صاحب مدرس اول مدرسہ عزیزیہ قطعاً باطل ہے۔چند حروف مختصر اس کے متعلق حسب فرمائش گذارش کرتا ہوں۔

قولہ "اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے"

اقول نہیں ہرگز نہیں۔بنا بر مذہب قوی نکاح فضولی میں خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے۔ملاحظہ ہو فصول عمادیہ عبارت بزازیہ سے ہے:" وکذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف اجازۃ۔"

پس جب خلوت صحیحہ ہوئی جو اجازت فعلی اولیٰ من القولی ہے، نکاح فائز ہو گیا پھر دوبارہ اجازت کی حاجت نہیں رہی۔

قولہ "لہٰذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرالیا جائے۔" اقول صاف لفظوں میں اجازت تو اصلاً کسی حالت میں لازم نہیں۔بلکہ قولاً و فعلاً ہر طرح مطلقاً اجازت ہوتی ہے اور استیذان اور تزویج ولی اقرب میں محض سکوت بلا قول و فعل سے بھی۔اور عبارت ہدایہ سے شبہ کا حل اجمالاً گذرا اور تفصیلاً عنقریب آتا ہے۔تو لہٰذا جس بنیاد پر لکھا گیا ہے، وہی غلط ہے۔لہٰذا یہ "لہٰذا" بھی فاسد و خطط ہے۔کوئی ضرورت نہیں کہ اب پھر صاف لفظوں میں ہندہ سے کہلوایا جائے۔

قولہ ''ورنہ ابدالآباد زنا ہوتا رہے گا اور اولاد ولدالحرام قرار پائے گی'' اقول یہ حکم، علیل محض جبروتی و بے دلیل، بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ خادم فقہ وواقف رموز شرع پر پوشیدہ نہیں کہ اذن واجازت سے مقصود صرف اظہار رضا ہے نہ کہ خاص لفظ۔ قلت اور تمکین علیٰ الوطی اول دلیل علے الرضا۔ کما صرح العلامہ الشامی قدس سرہ السامی تو ابدالآباد درکنار ایک دفعہ کی وطی بھی زنا نہ ٹھہرے گی، نہ زوجین کی اولاد کبھی حرامی قرار پائے گی۔ اور ابد الآباد عجب ارشاد۔ معدود برسوں سے زیادہ تو زوجین زندہ بھی نہ رہیں گے مگران کا زنا ابدالآباد جاری رہے گا۔ اور اگر اس سے وبال زنا مراد ہو، جب بھی غلط۔ زنا کفر نہیں، جس کی سزا دائم و نا منقطع ہو۔

قولہ ''جیسا کہ ہدایہ میں ہے:'' واذا ستاذنها الولی الیٰ قوله لانه قائم مقامه الخ''

اقول مولوی صاحب یہاں تک کہ جو لکھا محض اجتہاد تھا اور اپنے خیال پر احکام تھے۔ اب عوام کے نزدیک فتویٰ کی عزت اور اسے بھاری بھرکم بنانے کو عربی عبارت تحریر فرمائی۔ مگر اس سے تو نہ لکھنا ہی اچھا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ استیذان واجازت دونوں کا حکم ایک ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عبارت ہدایہ میں دوبارہ استیذان ولی وغیر ولی کا فرق بتایا ہے کہ ولی کے استیذان میں سکوت وضحک بھی اذن ہے۔ اور غیر ولی میں نہیں بلکہ تکلم درکار ہے۔ اور سوال میں صاف مذکور ہے کہ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ پھر صورت مسؤلہ سے اس عبارت کو کیا تعلق ہوا؟ اور اگر اذن واجازت دونوں کا ایک ہی حکم ہے تو اس عبارت ہدایہ سے زیادہ کھلی ہوئی تصریح خانیہ میں ہے:'' اما غیر الاب والجد لیس بولی فی النکاح من غیر کفو فلم یکن سکوتها رضا ولابد من التعلق۔''

مگر جواب اس کا اولا یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اجنبی فضولی محض ہو اور وہ خود نکاح پڑھاوے۔ درمختار میں ہے:'' بکر استاذنها غیر الاقرب کاجنبی۔''

شامی میں ہے:'' قوله کاجنبی المراد به من لیس له ولایة فتمثل الاب اذا کان کافرا او عبدا او مکاتبا لکن رسول الولی قائم مقامه فیکون سکوتها رضا عند استیذانه کما فی الفتح والوکیل کذالک کما فی البحر عن القنیة'' اور یہاں پر زید وکیل اب ہندہ ہے تو حکم اب میں ہوا۔ پس خلوت اور تمکین تو در کنار نفس سکوت ہی رضا ہوگا۔ العبارۃ قد مضت ثانیاً۔ بالفرض زید حکم اب میں نہ لیا جائے اور اجنبی محض ہی قرار پائے، جب بھی صاف لفظوں میں کہنا کچھ ضروری نہیں، دلالت اذن بھی حکم نطق وتکلم میں ہے۔

درمختار میں ہے:'' فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ بسکوتها بل لابد من القول الثیب البالغة او ماهو فی معناه من فعل یدل علیٰ الرضا بطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطی ودخوله بها برضاها'' ظہیریہ۔

شاید مولوی صاحب کو بعض رسمی کتابوں کے الفاظ ''حتی تتکلم بالقول کالثیب'' سے دھوکا ہوا، اس لئے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار لازم کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ سیاق کلام مظہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ غیر ولی کے

استیذان میں سکوت محض کافی نہیں۔ بلکہ دلالت واضحہ چاہئے۔ جس طرح بھی ہو۔ ممکن کہ سکوت، قلت التفات کی وجہ سے ہو تو رضا پر دال نہ ہوگا۔ اس لئے درمختار میں عبارت تنویر "فان استاذنها غیر الاقرب فلا بل لابد من القول کالثیب" کے درمیان فلاں کے بعد بڑھایا "لاعبرة بسکوتها" ہدایہ میں "حتی لاتتکلم" کے بعد فرمایا: "لان هذا السکوت لقلة التفات الیٰ کلامه فلم یقع دلالة علیٰ الرضا۔" ظاہر ہوا کہ یہاں سکوت، عدم دلالت کی وجہ سے نا معتبر ہوا۔ تو جہاں دلالت ہو، اعتبار لازم ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ شریعت مطہرہ کا یہ قاعدہ نہیں کہ "بہ مرکن بگیر تا بہ تپ راضی شود" بلکہ چند چیزوں سے ممانعت مقصود ہوتی ہے یا چند طریقہ سے اجازت سمجھی جاتی ہے تو اس میں اسہل کو ذکر فرماتی ہے تاکہ اقوی اواشد کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے۔ ابوین کے بارے میں حکم ہوا "ولا تقل لهما اف" جس سے سب وشتم، ضرب وغیرہ سب سے ممانعت بدرجہ اولی سمجھی گئی۔ یوں ہی تکلم باللسان، طلب مہر، طلب نفقہ، خلوت صحیحہ، تمکین علی الوطی میں سب سے آسان صرف زبانی اجازت تھی۔ شرح وقایہ، ہدایہ، خانیہ وغیرہا میں صرف قول ونطق وتکلم پر اکتفا کیا کہ ذی عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ جب اجازت قولی سے نکاح موقوف، نافذ ہو جاتا ہے، اجازت فعلی سے کہ اس سے بدرجہا قوی ہے، بدرجہ اولی نافذ ہوگا۔ اگر قدمائے حنفیین کے وہم وخیال میں بھی یہ بات آتی کہ آخر زمانہ میں بعض مدعیان علم ایسا خیال فرمائیں گے کہ ماں باپ کو اف کہنا تو بے شک گناہ ہے، مارنے، گالی دینے، تحقیر شان، سوء ادب سے نہیں تو جس طرح متاخرین نے تصریح کر دی ہے، وہ بھی صاف فرما دیتے اور عبارت ہدایہ سے دھوکا نہ ہوتا۔

علامہ شامی تحت قول "لابل رضاهما یکون بالدلالة" لکھتے ہیں: "اشارة الی ماأورد الزیلعی علی الکنز وغیرہ من ان رضاهما لایقتصر علیٰ القول۔"

قولہ "اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور کیا رضامندی کے لئے صراحت کی ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تکمیل ضروری ہے"

اقول بے شک ضروری ہے اور ضرور ضروری ہے۔ مگر حکم شرع تو یہی ہے کہ اجازت صرف قول پر موقوف نہیں۔ جو فعل اجازت پر دلالت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ بکر کے متعلق تصریحات گزر چکیں، ثیب اور صبی کے متعلق بھی ملاحظہ ہو۔

خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے: "الولی اذا زوج الثیب فرضیت بقلبها تظهر الرضا بلسانها کان لها ان ترد لان المعتبر فیها الرضا باللسان اذالفعل الذی یدل علیٰ الرضا نحو التمکین علیٰ الوطی وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدیة وکذا فی الغلام۔"

دیکھئے عدم اظہار رضا باللسان پر اختیار متفرع کیا ہے۔ جس سے آپ جیسا وہم ہوتا ہے کہ خاص الفاظ لازم ہیں اور وہیں اسی سطر، اسی حکم کی خاص تعلیل میں رضائے قولی وفعلی کی تعمیم فرما دی، جس سے ہر ذی فہم پر روشن ہو گیا کہ رضا باللسان

مارضا بالقول سے مطلق دلیل رضا مراد ہے۔ قولی ہو یا فعلی۔ ورنہ دلیل مناقض دعویٰ ہوگی۔
امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "انہ (ای التمکین) فوق القول ای لانہ اذا ثبت الرضا بالقول ثبت بالتمکین علی الوطی بالاولیٰ لانہ دل علی الرضا۔" رد المحتار۔

قولہ "اور بلا تصریح کے محض وطی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں"۔

اقول عبارات کتب سے تو کالشمس فی رابعۃ النہار معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں اجازت قولی ہی ضروری نہیں، اجازت فعلی بھی کافی ہے۔ اور تنفیذ نکاح کے لئے مثل قولی ہے۔ متعدد عبارتیں گزر چکیں۔ علامہ زین بن نجیم کی تصریح سنئے۔ شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں: "ویثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول والفعل۔"

قولہ "کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں۔"

بے شک جہل شرعیہ سے شرعاً عذر نہیں اور یہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے۔ اقول جب تو مدعیان علم وافتا نکاحی اولاد کو ولد الحرام بتاتے، بی بی سے صحبت کو ابدالآباد تک زنا فرماتے ہیں۔
اعاذنا اللہ منہ وسائر المسلمین بحرمۃ نبیہ الامین المکیین ﷺ علیہ الیٰ یوم الدین۔

غرض اس جواب کی غلطی میں کلام نہیں۔ مگر تعجب تو جناب مولوی علی نعمت صاحب پر ہے کہ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں اور ان سے کیا غرض متعلق اور اصل مقصود سائل سے کیا تعلق۔

قولہ "بین السوال والجواب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے"۔

اقول یہ تشویش بیجا ہے۔ بین السوال والجواب اصلا اضطراب نہیں۔ مگر شاید آپ نے سرسری نظر سے دیکھا۔ اگر بغور ملاحظہ فرماتے یا سائل سے دریافت فرمالیتے کہ باپ نے زید کو اکیس ہزار پر نکاح کی اجازت دی تھی یا اس نے بطور خود اکیس ہزار پر نکاح کر دیا، آپ کو یہ تشویش نہ ہوتی۔ سوال میں اگر کوئی بات مجمل ہو اور مجیب دریافت کر کے بعد تعیین ایک شق پر جواب دے تو یہ بین السوال والجواب اضطراب نہیں کہلاتا، خصوصاً جب کہ لفظوں میں اس کا صریح ظاہر احتمال موجود ہو۔

قولہ "سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ ہے جو مامور بانشاء عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت "اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا" جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے"۔

اقول یہ وہ اضطراب بین السوال والجواب ہے جس نے مولوی صاحب کے دل کو پریشان کر دیا کہ سوال میں زید کو فضولی لکھا ہے اور جواب میں باپ نے اجازت دیدی ہے، لکھا ہے۔ افسوس کہ سائل کا بیان معترض صاحب کے کلام سے زاید روشن، علم سے قریب ہے۔ جہاں وہ زید کو فضولی بتاتا ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتا ہے "باجازت باپ ہندہ بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ الخ"۔ جس سے معلوم ہوا کہ نکاح بالغہ میں اجازت پدر کے بعد بھی وہ فضولی ہی جانتا ہے اور

بے شک ایسا ہی ہے کہ عاقلہ بالغہ میں باپ خود بھی فضولی ہے۔ اب تو ارشاد ہو کہ جواب میں وہ عبارت مفید اطمینان ہے اور یہ سوال کے اندر داخل ہے، اس لئے بعوض مبلغ الخ میں جار مجرور متعلق اجازت ہے۔ چنانچہ مطول سوال میں اب ہندہ کے باپ کا مقولہ صاف مذکور ہے۔ زید وہاں موجود ہے، بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کردے۔ فضولی کی یہ تعریف صحیح نہیں۔ آپ کی اسی غلطی نے آپ کو پریشان کیا۔ اور بین السوال والجواب اضطراب کھلوایا ورنہ فضولی کی تعریف اگر پیش نظر ہوتی، تو اضطراب نہ سمجھا جاتا۔ بے شک زید فضولی ہے اور بے شبہ ہندہ کے باپ نے اسے اجازت دیدی ہے۔

قولہ ''کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بنا پر اٹھا ہوا'' اقول یہ وہی بات ہے جس کا جواب گذر چکا۔

قولہ ''اگر یہی صورت ہے تو زید فضولی نہیں ٹھہرتا''

اقول یہ مثل محل شقشقہ ہے۔ یقیناً یہی صورت ہے پھر بھی زید فضولی ہے۔ اس لئے کہ توکیل ہندہ کی طرف سے ہوتی تو البتہ وکیل ہوتا ہے۔

قولہ'' فانی یصح ھذا الجواب'' الیٰ قولہ ''یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے از انشا عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی۔''

اقول اس کا سوال اصلاً ذکر نہیں، نہ واقعہ کے مطابق۔ عجب کہ وہ معنی کہ عبارت سوال سے پیدا ہو سکیں، نامقبول ٹھہرا کر اضطراب بین السوال والجواب میں مانا جائے اور جس معنی کی سوال میں بو بھی نہیں، وہ مطلب فرض کیا جائے۔

قولہ ''اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہو سکتا ہے''۔

اقول عبارت صاحب ہدایہ سے اگر مراد وہ عبارت ہے جو جواب میں منقول ہے تو اس کو اس سے کیا تعلق؟ اور اس کی رو سے یہ جواب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور اگر دوسری عبارت جو اس مقام پر ہدایہ میں مذکور ہوئی وہ مراد ہے تو از روئے عبارت ہدایہ کی تحقیق کیا معنی؟ کیا از روئے دیگر کتب صحیح نہیں۔

قولہ ''لیکن محل نظر ضرور ہے۔''

اقول جب از روئے عبارت ہدایہ جواب صحیح ہو سکتا ہے تو پھر محل نظر کیوں ہے؟ اور یہ سب سہی مگر جواب مسئلہ جو سائل کا مقصود ہے کہ نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ کیا ہوا؟ اللھم اصلح امة محمد صلی الله تعالی علیه وسلم۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وافضل الصلوة علی سید المرسلین محمد وآله وصحبه اجمعین الیٰ یوم الدین فقط

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ ابوالحسن.........۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکیاں، قوم سید کا نکاح دو نابالغ لڑکوں قوم پٹھان کے ساتھ بولایت والدین فریقین ہوا۔ لیکن چند ہی روز ہونے کے بعد لڑکیاں بحالت نابالغی ہی اپنے والدین کے گھر میں آگئیں۔ تب سے اب تک چار سال ہوئے، وہ اپنے شوہروں کے گھر نہیں گئیں۔ نہ ان کے شوہروں نے، نہ ان کے والدین نے ان منکوحہ لڑکیوں کو اپنے گھر بلایا۔ اب لڑکیاں بالغ ہیں مگر بوجہ سادات اشرف النسب ہونے کے پٹھان شوہروں کے گھر جانے کو انکار کرتی ہیں۔ پس ان صورتوں میں یہ بالغ لڑکیاں بوجہ غیر کفو ہونے کے اپنے نکاح فسخ کر دینے کے مجاز ومختار نہیں ہیں یا ہیں؟ اور غیر کفو ہونے کی کیا تعریف ہے؟ نیز یہ کہ ان لڑکیوں کے آباؤ واجداد کا پٹھانوں کے ساتھ سابق کا کوئی رشتہ ان کے موجود رشتہ پر نظیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

غیر کفو کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشہ میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی قصور وعیب ہو ،جس کے سبب اس کے خاندان کو عار لاحق ہو یا ایسا محتاج ہو کہ اگر کچھ مہر معجل یا بعض معجل ٹھہرا ہو تو فی الحال اس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا لڑکی قابل جماع ہو تو نفقہ نہ دے سکے۔ پس اگر صغیرہ ہو کہ مرد کی طاقت نہیں رکھتی ہے تو نفقہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس کے لئے نفقہ بھی صرف قدرت علی المہر کافی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: "یعتبر یعنی الکفاءۃ نسباً وحریۃ و اسلاما و دیانۃً ومالاً و حرفۃ۔"

ملتقی الابحر میں ہے: "ویعتبر مالافالعاجزعن المھر المعجل والنفقۃ غیر کفوء۔"

عالمگیریہ میں ہے: "یعتبر القدرۃ علی النفقہ اذا کانت المرءۃ کبیرۃ تصلح الجماع اما اذا کانت صغیرۃ لا تصلح الجماع فلاتعتبر القدرۃ علی النفقۃ لانہ لانفقۃ لھا فی ھذہ الصورۃ ویکتفی با لقدرۃ علی المھر کذا فی الذخیرۃ۔"

پٹھان اگر عالم نہ ہو تو سیدہ کا کفو نہیں۔ مگر جب باپ یا دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر دیں، مطلقاً لازم ہوتا ہے۔ کہ نابالغ کو بعد بلوغ اصلاً اختیار فسخ نہیں ہوتا۔ مگر جب کہ نکاح کرتے وقت باپ دادا نشے میں ہوں یا اس سے پہلے بھی کسی بچی کا نکاح غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر چکے ہوں تو البتہ پھر نکاح ناجائز ہوگا۔

درمختار میں ہے: "لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مھر ھا وزیادۃ مھرہ أوبغیر کفوء ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا اوجدًا لم یعرف منھا سوء الاختیا ر وان عرف لایصح النکا ح اتفاقا و کذا لو کان سکران الخ (در المختار۔ باب الولی ۱/ ۱۹۲)،زوج بنتہٗ من فاسق صح وان تحقق بذلک انہ لسوء الاختیار اشتھر بہ عند الناس فلو زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح الثانی لانہ کان مشھورا

بسوء الاختیار قبله بخلاف العقد الاول۔"

فتاوی خیریہ لنفع البریۃ علامہ خیر الدین رملی میں ہے:"ظاھر کلامھم ان الاب اذا کان معروفاً بسوء الاختیار لم یصح عقدہ باقل من مھر المثل ولا باکثر فی الصغیر بغبن فاحش ولا من غیر الکفوء فیھما سواء کان عدم الکفائۃ بسبب الفسق اولا الخ۔"

بالجملہ صورت مسئولہ میں اگر وہ پٹھان غیر عالم ہے۔ باپ نے نشے کی حالت میں نکاح کردیا یا اسکے قبل بھی کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر چکا تھا تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو وہ نکاح ہو گیا، اسے اصلاً اختیار فسخ کا نہیں۔

خانیہ میں ہے:"اذا بلغ الصغیر او الصغیرۃ وقد زوجھا الاب او الجد لاخیار لھما اھ۔" آباو اجداد کا پٹھانوں کے ساتھ کوئی رشتہ سابق ہونا موجب کفائت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ مرسلہ مولانا و مولوی ثناء اللہ خلف مولانا احمد حسین ۲۱ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہندہ بالغہ نے بلا اجازت اور اطلاع اپنے ولیوں کے، زید کے ساتھ جو اس کے غیر کفو سے ہے، روبرو گواہوں کے اپنا نکاح کیا، یہ نکاح حنفی مذہب میں جائز ہوا یا نہیں؟ اگر اس میں اختلاف ہے تو مفتی بہ قول کونسا ہے؟۔

(۲) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ تھا اور اس نکاح کے ہوتے ہوئے ہندہ پر جبر کر کے اس کا دوسرا نکاح عمرو کے ساتھ اعنی نکاح علی النکاح، گواہوں کے اور نکاح خواں کے رشوت دے کر پڑھاتا ہے، شرعاً جائز ہے یا حرام؟ اور اس کا ارتکاب کرنے والوں اور گواہوں اور نکاح خواں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے جنہوں نے دیدہ ودانستہ ایسا کام کیا؟ اور اس منکوحہ مجبورہ کو شوہر ثانی کے ساتھ ہمبستر ہونے پر مجبور کرنا اور ناکح ثانی (عمرو) کو اس ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلانی کہ حلال ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ عورت منکوحہ کو اللہ و رسول و قرآن کا واسطہ دلانا کہ اس کے طفیل میں اس نکاح سے انکار کردے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے جو معین ومددگار اور جو لوگ کہ کوشاں ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اگرچہ زید بایں معنی ہندہ کا کفو نہ تھا کہ اس کے مذہب یا نسب یا پیشے یا چال چلن میں بہ نسبت ہندہ کے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے ہندہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو، بدنامی ہو اور ہندہ نے اپنے ولی سے اجازت نہ لی اور اس کی رضائے صریح کے بطور جو زید سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، محض باطل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:"امرءۃ زوجت نفسھا من غیر کفو صح النکاح فی ظاھر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لاینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط۔"

تبیین میں ہے:"(من نکحت غیر کفو فرق الولی) لما ذکرنا والنکاح ینعقد صحیحاً فی ظاھر الروایۃ۔"

حاشیہ علامہ شلبی میں ہے: "اما علی الروایة المختارة للفتوی لایصح العقد اصلاً اذا کانت زوجت نفسها منه۔"

درمختار میں ہے:" ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلاً وهو المختار للفتوی لفساد الزمان۔"

عقود الدریہ میں ہے:" سئل فی امرءة یرید التزوج بلا رضاء ابیها وهو غیر کفو کیف الحکم فی ذالك؟ الجواب: اذا نکحته بلارضاء ولیها فرق القاضی بینهما بطلب الولی وهذا ظاهر الروایة عن ائمتنا ولکن المروی عن الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ بطلان النکاح من غیر کفوء وبه اخذ کثیر من مشائخنا قال شمس الائمة الحلوائی وهذا اقرب الی الاحتیاط والاحوط سد باب التزوج من غیر کفوء وقال الامام: الفتویٰ علی قول الحسن فی زماننا۔ قال فی البحر المفتیٰ به روایة الحسن عن الامام عن عدم انعقاد اصلاً اذا کان لها ولی ولم یرض به قبل فلا یفید الرضا بعده اهـ مختصراً۔"

عالمگیریہ اور درمختار اور خزانۃ المفتین اور خلاصہ اور تبیین میں مختار للفتوی اور علامہ شیخ شلبی محشی تبیین نے الروایة المختارة للفتوی ایضاح میں وعلیه الفتویٰ فرمایا اور اگر ان باتوں سے کسی بات میں ایسا نقص نہیں بلکہ محاورہ عوام کے طور پر بایں معنی زید کے کو غیر کفو کہا گیا کہ وہ ہندہ کے خاندان سے نہیں تو صرف اس قدر بات مضر نہیں۔ وہ نکاح صحیح ہوگا۔

نکاح علی النکاح یعنی کسی عورت منکوحہ، غیر مطلقہ کا نکاح اس کے شوہر کی حیات میں کسی سے کر دینا سخت ناجائز وحرام ہے۔ قال الله تعالی "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۤءِ(النساء: ٢٤) "اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں" (کنز الایمان)

جلالین میں ہے: "وحرمت علیکم المحصنات ای ذوات الازواج من النساء ان تنکحو هن قبل مفارقة ازواجهن۔"

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:" لایخطب الرجل علی خطبة اخیه " نکاح کا پیغام نہ دے کوئی مرد اپنے بھائی کے پیام پر" رواه الاربعة واحمد والبیهقی عن ابن عمر وابی هریرة رضی الله تعالی عنهم۔ اقول فکیف بالنکاح علی النکاح۔

ہندہ کا نکاح ثانی عمرو کے ساتھ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:" امرءة زوجها ولیان فهی للاول۔" اور اسی بلا پر انکار تکبر اہل علم کا ہے۔ کیونکہ نکاح کے لئے شرط محل قابل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "ومنها (ای من شروطه) المحل المقابل وهی المرءة التی احلها الشرع بالنکاح کذا فی النهایه۔" اور یہ ظاہر ہے کہ غیر کی منکوحہ قابل نکاح نہیں۔ کما مر

اس میں ہے: "زوجها علی التعاقب جاز الاول دون الثانی۔"

قاضی خاں میں ہے:"ولا یجوز نکاح منکوحة الغیر عند الکل۔" "سبھوں کے نزدیک غیر منکوحہ کا

نکاح جائز نہیں"۔ اور اس عورت کو شوہر ثانی کے ساتھ صحبت کرنے پر جبر کرنا اور عمرو کو ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلانی ناجائز اور حرام، دلالت علی الزنا ہے اور اسے حلال جاننا کفر و مخالفت نص قطعی رب العزۃ جلالہ۔

شرح عقائد میں ہے: "استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي اعاذنا الله منه۔" نکاح سے مکر جانے کو اللہ و رسول و قرآن شریف کا واسطہ دینا اور یہ کہنا کہ اس کے طفیل میں اور صدقے میں اس نکاح سے انکار کردے، سخت ناجائز و گناہ کبیرہ ہے۔ اور اس کا مرتکب، مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور یہی حکم ان کے معین و مددگار کوشاں کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عورت عاقلہ بالغہ نے بلا اذن ولی برضا و خوشی اپنے کفو میں روبرو چند گواہوں کے بعوض مہر معین ایک مرد سے نکاح کرلیا تو شرع شریف میں یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ دوم: ایک عورت نے جو کہ عاقلہ بالغہ ہے، مہر بذریعہ خط زید کو لکھ بھیجا کہ میرا نکاح بالعوض اتنے مہر کے عمرو سے کردے۔ چنانچہ زید نے اس عورت کی توکیل کے موافق عمرو مذکور سے نکاح روبرو چند گواہوں کے کردیا اور اس عورت کو اطلاع دیدی کہ میں نے فلاں بالغ کا نکاح عمرو سے تیری تحریر کے موافق کردیا تو یہ نکاح عند الشرع جائز ہوگا یا نہیں؟ اور عمرو اور عورت کا درمیان دوسو ۲۰۰ مبلغ فیصلہ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے اگر وہ کفو شرعی ہو۔ محاورہ عام میں فقط ہم قوم کو کفو کہتے ہیں۔ اور شرعاً وہ کفو ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن، کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا، اولیاء زن کے لئے عرفاً باعث ننگ و عار ہو۔ اگر ایسا کم ہے تو نکاح اصلاً نہ ہوگا۔ جب تک کہ باوصف علم عدم کفاءت، صریح رضاء ولی سے نہ ہوا ہو۔ پھر اگر کفو بمعنی شرعی ہے تو نکاح مطلقاً ہوگیا اور ولی کو حق اعتراض بھی نہیں، اگر مہر مثل کے ساتھ کیا ہو۔ ورنہ اگر شوہر مہر مثل دینے سے انکار کرے تو عصبہ کسی اسلامی ریاست میں وہاں کے قاضی کے پاس جو ماذون عام منجانب ریاست ہو، جا کر دعوی کرے۔ قاضی شوہر کے سامنے تفریق کردے، نکاح فسخ ہوجائے گا۔ فی الدر: "(ولو نكحت باقل من مهر ها فللولي) العصبة (الاعتراض حتىٰ يتم) مثلها (او يفرق) القاضي بينهما دفعاًللعار۔" والله تعالى اعلم۔

(جواب دوم) اس کا جواب بھی جواب سوال اول سے واضح ہے۔ یہاں اس قدر امر زائد ہے کہ وکیل نے جن گواہوں کے سامنے نکاح کردیا، ان کے سامنے ایسے لفظوں سے عورت مؤکلہ کو بتایا ہے کہ اس کا تعین ہوجائے مثلاً ہندہ بنت زید ابن عمرو یا فقط ہندہ بنت زید یا ہندہ فلانیہ جب کہ شاہدین اس قدر سے اسے پہچان لیں ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

فی رد المحتار عن البحر: "ان كانت غائبة لم يسمعو اكلامها بان عقد ها وكيلها فان كانت الشهود يعرفو نها كفى ذكر اسمها اذا علموا انه اراد ها وان لم يعرفونها لابد ذكر اسمها واسم أبيها وجدها۔" والله تعالىٰ اعلم۔

سید ابو القاسم در بھنگوی.........۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ

علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ مطلقہ کو عدت گذر جانے کے بعد مہر دین میں کچھ زمین دیدیا تھا۔ اب تک وہ زمین ہندہ کے قبضہ میں ہے۔ رجسٹری کے لئے کہتی ہے مگر زید دو وجہ سے انکار کرتا ہے۔

وجہ اول: زید خیال کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رجسٹری کے بعد ہندہ اپنے چچازاد بھائی کو دیدے۔ کیا اس خیال سے زید رجسٹری روک سکتا ہے یا نہیں؟ بصورت شق ثانی کیوں؟

وجہ دوئم: زید خیال کرتا ہے کہ مہر دین کی مدت گذر گئی۔ بوجہ شادی ہونے کے۔ نہ ہم پر وہ دین واجب الادا ہے اور نہ اب ہندہ جبراً زمین کی رجسٹری کرا سکتی ہے۔ کیا شرعاً مہر دین کی تمادی ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو کیوں؟ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ شرعاً ہندہ کی ملکیت سمجھی جائیگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب

زید نے جو زمین اپنی مطلقہ بی بی کو بعوض دین مہر دیدیا اور جس پر وہ قابض و دخیل شرعاً وہ زید کی بی بی ہندہ کی چیز ہے۔ زید کا رجسٹری سے انکار کرنا غلطی اس کی ہے اور جو وجہ اس کے انکار کی خیال کرتا ہے، وہ دونوں مہمل ہے۔ جب وہ چیز ہندہ کی ہوگئی تو اس کو پورا اختیار ہے۔ اپنے چچازاد بھائی کو دیدے یا کسی راہ چلتے کو۔ ہندہ کا اپنی ملک میں پورے تصرف کا اختیار ہے۔ نیز یہ خیال کہ دین کی مدت گذر گئی، خیال خام ہے۔ شرعاً تمادی کوئی چیز نہیں۔ جس کا جو حق ہے وہ ادا کرنے سے ادا ہوتا ہے یا معاف کرنے سے۔ بغیر اس کے اس کا حق باطل نہیں ہوتا۔ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے، جو بذریعہ ہبہ بعوض دین مہر سے حاصل ہوئی ہے، بلاشبہ اس کی ملک ہے۔ ان البیع یتم بالایجاب والقبول والہبۃ تتم بالقبض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی حفیظ اللہ صاحب از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ ۱۱ر صفر ۱۳۲۳ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم بندہ دام مجدہم بعد آداب آنکہ مسئلہ ذیل میں بحوالہ کتب مطلع کیجئے، اللہ اجر دے گا۔

زید حنفی مذہب نے ہندہ حنفی مذہب سے بہ تعیین ایک ہزار روپیہ، دین مہر کے نکاح کیا اور نکاح کے دس پانچ برس بعد اپنی زوجہ کی اطاعت اور فرماں برداری سے خوش ہو کر زید نے بجائے ایک ہزار کے، تین ہزار دین مہر اپنے ذمہ قبول کر کے تین ہزار روپیہ کی جائداد اپنی بنام ہندہ کے لکھوادی اس طرح تعدادِ دین مہر بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اپنی بیوی کی مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے اسی مجلس میں بلا شبہ جائز ہے، جس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں۔ رب العزۃ عزت عظمتہ فرماتا ہے: "وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ (النساء: ٢٤) "اور قرارداد کے بعد اگر تمہارے آپس میں کچھ رضامندی ہو جائے تو اس میں گناہ نہیں" (کنز الایمان) یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کم کردے عورت اپنے مہر مفروضہ سے یا کل کا کل شوہر کو ہبہ کردے یا

بڑھادے شوہر مقدار مہر پر اس کی رضامندی سے۔

شرح وقایہ میں ہے: ''مازید علیٰ المهر بعد العقد یجب کذا فی الاصلاح۔''

کنز الدقائق میں ہے: ''وما فرض بعد العقد او زید لایتنصف۔''

بحر الرائق میں ہے: ''واما ما زید علی المسمیٰ فانما یتنصف لما ذکرنا ان التنصیف یختص بالمفروض فی العقد الاول ودل وضع المسئلة علیٰ جواز الزیادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة بشرط قبولها فی المجلس علیٰ الاصح۔'' یعنی دلالت کرتا ہے یہ مسئلہ جائز ہونے پر زیادتی مہر میں بعد عقد کے۔

تبیین الحقائق میں ہے: ''تحت قول "وصح" ثم المصنف ذکر جواز الحط ولم یذکر جواز الزیادة لان جوازها علم من قوله وما فرض الخ فلهذالم یذکره مقصودا۔''

خزانہ میں ہے: ''امرء ة وهبت مهرها من زوجها ثم ان الزوج اقربین الشهود وان علیه کذا وکذا من المهر یصح اقراره اذا قبلت ویحمل انه زاد فی المهر والزیادة فی المهر بعد المهر جائز لکن لابد من القبول لان الزیادة فی المهر لایصح من غیر قبول المرأة۔''

''مہر چھوڑ دینے کے بعد شوہر نے سامنے گواہوں کے اقرار زیادتی مہر کا ذکر کیا تو اس کا اقرار قبول کیا جائیگا اور اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے مہر میں زیادتی کی اور مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے جائز ہے''۔

درمختار میں ہے: ''ومازید بعد العقد او زید علی المسمیٰ فانها تلزمه بشرط قبولها۔''

ردالمختار میں ہے: ''افاد انها صحیحة ولو بلا شهود او بعد هبة المهر الابراء منه وهی من جنس المهر او من غیر جنسه۔''

عالمگیریہ میں ہے: ''الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلثة کذا فی المحیط۔'' اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی ہمارے ائمہ ثلثہ کے نزدیک درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی عوض علی بیگ ....۱۶ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک شیر خوار بچہ چھوڑا۔ بچہ کا باپ اور دادا دادی اور نانا نانی موجود ہیں۔ بچہ کی پرورش کا شرعاً کون مستحق ہے؟ اور اسباب جہیز متوفیہ کا کون مستحق ہے؟ بچہ کے مال کا کون ولی ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں لڑکا سات برس کی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گا۔

ہدایہ میں ہے: ''فان لم تکن له ام فام الام اولیٰ من الاب وان بعدت لان هذه الولایة تستفاد

من قبل الامہات۔" (الهداية ٢/٤١٤)

عورت کا جہیز مہر وغیرہ جو کچھ متروکہ ہو، بارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم شوہر اور دو دو عورت کے مادر و پدر اور پانچ سہم پسر کو ملیں گے۔ بچہ کے سات برس عمر ہونے تک اس کے دادا دادی کو اپنے پاس رکھنے کے بارے میں مال سے مزاحمت کا اصلاً حق نہیں ہے۔ نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:"والام والجدة احق بالغلام حتیٰ یاکل وحده ویشرب وحده ویلبس وحده ویستنجی وحدهٗ وفی الجامع الصغیر حتیٰ یاکل وحدهٗ ویشرب وحدهٗ ویلبس وحدهٗ والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنین اعتبارا للغالب اه وعلیه الفتویٰ کذا فی الکافی وغیره قال له العینی۔"

نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔ بچہ کا جو مال ہے خواہ اسے متروکۂ مادر سے ملا ہو یا اور کسی طرح، اس کی ولایت دادا کو ہے۔ نانا نانی کو اس میں کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بہار شریف مدرسہ حنفیہ مرسلہ مولوی عبداللہ طالب علم ۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس طرف مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر انتقال کرتا ہے اور جب تک وہ عورت نکاح ثانی نہیں کرتی، تو جو کچھ کہ اس کے شوہر یا سسر یا اس کے ماں باپ وغیرہ نے از قسم زیورات وظرف وغیرہا وقت شادی یا بعد شادی اس عورت کو دیا تھا، اس کے قبضہ قدرت وتصرف میں رہنے دیتے ہیں۔ خواہ سسرال میں وہ رہے یا میکہ میں اور جب اس کا نکاح ثانی ہوتا ہے تو اس کے شوہر اول کے وارث جو کچھ زیورات وظروف کہ انہوں نے وقت شادی یا بعد شادی کے، وقتاً فوقتاً دیا تھا، سب واپس کر لیتے ہیں۔ پس اور جو کچھ کہ اس عورت کو اس کے ماں باپ نے دیا تھا۔ اگر شوہر اول کے وارث کے پاس ہوتا ہے تو وہ سب کو واپس کر دیتے ہیں۔

پس سوال یہ ہے کہ وقت شادی یا بعد شادی کے شوہر یا سسر یا اس عورت کے ماں باپ از قسم زیورات وظروف دیتے ہیں، وہ اس عورت کی ملک سمجھی جائے گی یا ریت کے مطابق بطریق زیب وزینت کے خیال کیا جائے گا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جس قدر مال زیورات وظروف وغیرہا وقت شادی یا بعد شادی، وقتاً فوقتاً اس کے باپ نے جہیز میں دیا ہے، سب اس کی ملک حسب عرف عام ہمارے بلاد کے ہے، جس میں شوہر، اس کے ماں باپ کا استحقاق نہیں۔ اس لئے بعد رخصتی اس کی واپسی کو سخت معیوب وباعث مطعون جانتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "کل احد یعلم ان الجهاز ملک المرءة لاحق لاحد فیه۔"

ہاں جب عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہننے کو بطور عاریت دیا ہو اور وہ عرفاً پہنانے والوں کی ہی ملک میں شمار کیا جاتا ہو، تو حکم اس کا عاریت کا ہے کہ واپس کر دیا جائے۔

درمختار میں ہے: "جهز ابنته ثم ادعیٰ ان ما دفعه بها عارية وقالت هو تمليك او قال الزوج ذلك بعد موتها يرث منه او قال الاب او ورثته بعد موته عارية المعتمد ان القول للزوج اذا كان العرف مستمرا ان الاب يدفع مثله جهازا لا عارية واما ان كان مشتركا كمصر والشام فالقول للاب۔ (الدرالمختار باب المهر ۱/۲۰۳)

رہا زیور وغیرہ کہ والدین زوج، اپنی بہو کے پہننے کو دیتے ہیں، اگر اس میں نصاً یا عرفاً کسی طرح تملیک مقصود نہیں ہوتی تو وہ بدستور ملک والدین پر ہے، جس میں بہو کا کچھ حق نہیں۔ بعد انتقال اپنے لڑکے کے جب عورت آمادہ بنکاح ہوجائے یا جب چاہیں لے سکتے ہیں۔ بالجملہ شریعت مطہرہ نے اس امر کو معلق بہ عرف رکھا ہے۔ موافق عرف تملیک یا عاریت قرار پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے فرزند کی شادی، جس گاؤں میں وہ رہتا تھا، کی۔ اور بموجب حکم کنرم کے تاریخ مقررہ پر برات لے کر اس کے گھر میں گیا اور کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر حسب رواج گاؤں مذکورہ کے برات کے سب آدمی اپنے اپنے گھر میں چلے گئے۔ اور لڑکا سسر کے گھر میں رہا اور لڑکے کا باپ بھی اپنے گھر میں چلا آیا۔ جب صبح ہوئی تو لڑکے کا باپ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو لڑکی کے باپ نے اس کو پیغام بھیجا، جو زیور تم نے اپنی بیٹی کے لئے رکھا ہے، وہ بھیج دو اور آکر نکاح کرلو، اس وقت لڑکے کے باپ نے تین گواہوں کے روبرو یہ اقرار کیا کہ یہ زیور عاریتاً زینت کے واسطے ہیں، اپنی پتوہ کو پہناتا ہوں نہ میں نے اس کا مالک کیا ہے اور نہ ہبہ کیا اور نہ بخشش کیا، فقط عاریتاً دیا ہے۔ جس وقت چاہوں گا، لے لوں گا اور مہر جو نکاح کے وقت مقرر ہوتا ہے وہ زیور سے جدا نہیں۔ اب شرعاً یہ زیور کس کا ہوتا ہے؟ لڑکے کے باپ کا یا لڑکے کا یا پتوہ کا؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

وہ زیور اس کے (لڑکی) باپ کا ہے، نہ لڑکے، نہ اس کی بی بی کا۔

جامع الفصولین ص ۲۶۶ میں ہے: "بعث الیٰ امرءة ابنه شیئا ابا ثم ادعیٰ انها عارية صدق۔"

جب ابوین (کہ غالباً جہیز تملیکاً بھی دیتے ہیں) دیتے وقت کسی کو گواہ کردیں کہ یہ عاریۃً ہے، نہ تملیکاً یا شہر کا رواج ہی ایسا ہو کہ جہیز کے لئے دیا کرتے ہیں یا عرف شہر مشترک ہو اور ابوین دعویٰ عاریت کا کریں تو عاریت ہی سمجھا جائیگا نہ کہ تملیک۔ کما افتیٰ بها العلامة حامد آفندی فی معنی المستفتی و ذكرها العلامه الشامی فی تنقیحه۔ تو یہ زیور دینا کہ سسر اپنے پتوہ سے واپس کرے، درست ہے۔ عامہ کتب ہدایہ، عنایہ، تنویر الابصار، درمختار، کنز الدقائق، بحر الرائق وغیرہ میں ہے: "للمعیر ان یرجع" اور بیٹی والے کو اختیار ہے کہ اپنی چیز جب چاہے واپس کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الطلاق ۶

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ایک شخص نے اپنے سسر کو ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔ جس زمانہ میں اس شخص نے اپنے سسر کو خط لکھا، اس کی بیوی اپنے باپ کے یہاں تھی، وعدت کا زمانہ ہنوز باقی ہے۔

عبارت خط:

''ہم لوگوں کو آج روز پنجشنبہ تاریخ ۱۸ رمضان المبارک سے لے کر دس روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس درمیان میں سواری ہماری رخصت ہوگئی تو خیر۔ ورنہ یہ میری تحریر ناطق ہوگی کہ اگر عزیزی محمد شبلی کی ماں ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۱۰ روز کے اندر گھر نہ آگئیں تو میرا طلاق رجعی ان پر واقع ہو جائے گا اور اگر بیس کے روز ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۸ ر عید الفطر تک گھر رخصت ہو کر نہ آگئیں تو عزیزی محمد شبلی کی ماں مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق بائن کے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ آپ لوگ کا جی چاہے اس طلاق کو بائن کرایئے اور رخصتی نہ کیجئے اور جی چاہے شرط کے درمیان میں رخصت کر دیجئے تو طلاق واقع نہ ہوگی''۔

تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اب تک والدہ محمد شبلی گھر آنہ گئیں تو شک نہیں کہ بحکم تعلیق اول طلاق رجعی وبحکم تعلیق ثانی طلاق بائن واقع ہوگئی۔ فان الصريح يلحق الصريح ولا فرق في الصريح الثاني بين كون الواقع به رجعيا او بائنا كما صرح به العلامة الشامي في حاشية الدر المختار والطلاق المضاف الى الشرط يقع عقبه اتفاقا وههنا علق الطلقتان على شرطين وقد وقعا فطلقت تطليقتين كما صرحوا به في مسائل قال في الهندية ناقلا عن المحيط: "لو قال لها ان كلمت فلانا فانت طالق وقال لها ايضا ان كلمت انسانا فانت طالق فكلم فلانا طلقت تطليقتين۔"

اب اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی یہ صورت ہے کہ عدت کے اندر یا بعد انقضائے عدت، مدة العمر میں، جب دونوں راضی ہوں اور نکاح کر لیں، بدستور حقوق زوجیت قائم ہو جائیں گے۔ الا انه لا يملك الا ما بقي من الطلقات فان الزوج الثاني هو الذي يهدم بالدخول ما دون الثلاث من الطلقة او الطلقتين فيجعلهما كان لم يكونا كما يهدم الثلاث اجماعا۔

درمختار میں ہے: "وينكح مبانة عما دون الثلاث في العدة وبعدها بالاجماع۔"

ہدایہ میں ہے:" اذا كان الطلاق بما دون الثلاث فلا بد له ان يتزوجها في العدة وبعد انقضائها۔" "یعنی جب کوئی شخص تین طلاق سے کم (دو یا ایک) دے تو وہ شخص اس عورت سے عدت کے اندر اور بعد گزرنے عدت کے بھی نکاح کرسکتا ہے۔" والمسئلة مشهورة في الكتب مسطورة۔

عبدہ العاصی ظفرالدین البہاری۔ مہر

بے شک صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی۔ چونکہ وقوع طلاق بائن موجب تجدید نکاح ہے، لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ البتہ بسبب عدم تحقق طلاق مغلظہ، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فقط

بندہ مقبول احمد خاں تاب اللہ علیہ مدرس الحدیث مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور۔ مہر

صورت مسئولہ میں بلاشبہ شرط تحقق ہونے سے طلاق بائن واقع ہوگئی۔ مگر چونکہ حل اصلی باقی ہے لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے زوج اس سے نکاح کرسکتا ہے، کیونکہ حلالہ کی ضرورت طلاق مغلظہ میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ سید دیانت حسین، مدرس الفقہ مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور، پٹنہ۔ مہر

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ سید ازہر علی خلف جناب سید امیر احمد ۲۱ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا۔ اور وہ چند دن اس کی زوجیت میں رہ کر بلا اطلاع اس کے، نکل کر آوارہ ہوگئی۔ اور بحالت آوارگی بقول ہندہ مقدمہ زن وشو میں دائر ہوا۔ زید نے پچاس روپیہ لے کر رضامندی داخل کردی اور زوجہ اور شوہر باہر کچہری کے آئے۔ ہمراہوں نے بقول ہندہ یہ بات کہی کہ تو اپنی زوجہ کو لے جا۔ زید نے کہا کہ میں نے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس کو چھوڑ دیا اور طلاق دے دی۔ چنانچہ اس وقت سے آوارہ پھرتی رہی اور جگہ جگہ آوارہ لوگوں میں رہی۔ اس کو قریب سات آٹھ مہینہ ہوا۔ اب ہندہ بکر سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوئی۔ اس نے خیال کیا کہ زید کوئی دعویٰ کچہری میں ایسا دائر نہ کرے۔ جس میں میں ملزم قرار پاؤں۔ زید کو کچھ روپیہ دے کر لا دعویٰ اسٹامپ پر لکھا گیا۔ اب بکر ہندہ ایک مکان میں ہیں اور حرام کاری میں مبتلا ہیں۔ اور ہندہ کا یہ قول ہے کہ اگر بکر نکاح کرے گا تو میں میکے بیٹھ جاؤں گی۔ طلاق نامہ تحریر ہوئے عرصہ ایک ہفتہ کا ہوا۔ اس صورت میں بکر کا نکاح کیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر واقع میں زید نے ہندہ کو طلاق دے دی اور اس مدت سات آٹھ ماہ میں آوارہ پھرتی رہی، ایام عدت گذر گئے۔ یعنی اگر حاملہ تھی تو وضع حمل ہوگیا اور اگر حائضہ تھی تو تین حیض آ گیا، تو اگرچہ طلاق نامہ تحریر کئے ایک ہی ہفتہ ہوا، بکر سے اس کا نکاح جائز ہے، اگر اور کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ ورنہ انقضائے عدت کے بعد ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت زید نے نکاح ثانی کرنا چاہا تو ولی نے کہا کہ جب تک تم اپنی پہلی زوجہ کو طلاق نہ دو گے، ہم نکاح نہیں کریں گے۔ زید نے کہا کہ میں اسے خفیہ طلاق دے سکتا ہوں تا کہ سوا تمہارے اوروں کو ظاہر نہ ہو۔ یہ کہہ کر زید ولی کو ایک علیحدہ جگہ لے گیا۔ یہاں اس نے بتایا کہ ہم لوگوں میں ایک شخص نکاح ثانی کا وکیل تھا مگر دونوں کو بخوبی معلوم تھا کہ زید و ولی مذکور دونوں اس بات پر متفق ہیں اور زید نے ولی سے بھی کہا کہ آپ بھی یہ طلاق دینا کسی پر ظاہر نہ کیجئے۔ مگر انھوں نے وکیل سے کہہ دیا۔ تھوڑی دیر تھم کر پھر وہیں گیا اور ان دونوں نے زید سے پوچھا کام ہو گیا؟ اس نے کہا، ہاں وہ کام ہو گیا۔ اس وقت اس کی زوجہ اپنے میکے میں تھی۔ بعد ڈیڑھ برس کے معلوم ہوا میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پھر زید اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا اور زید نے انکار کیا کہ میں نے اسے طلاق نہیں دی۔ پھر ان شخصوں نے عورت کو دینا طلاق ثلثہ کا ظاہر کیا۔ اب ان شخصوں کی شہادت سے طلاق ثلثہ واقع ہو گی یا نہ؟ اور دریں حالت شاہدان مذکور، خطا کے مرتکب ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ شاہدان مذکور کی تائید کریں ان کا کیا حکم ہے؟ اور شاہدان مذکور پر کتمان ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی کہاں تک حد ہے؟ اور اس میں کیا شرط ہے؟ اور شاہدان مذکور تاخیر شہادت سے فاسق ہیں یا نہیں؟ اور فاسق ہوئے تو کون سے فاسق؟ اور وہ دو شخص جنھوں نے کہا تھا کہ دریافت کرنے پر اظہار کر دیں گے، کتمان میں شامل رہے یا نہیں؟ زید نے ان دونوں سے جو اشارۃً کہا تھا کہ کام ہو گیا، اس سے اظہار ثابت اور کتمان زائل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور زید اپنی زوجہ مطلقہ کے مکان پر آمد و رفت کرتا تھا۔ اس سے عیش ازواج ثابت ہو گا یا نہیں؟ زوجہ مطلقہ کا وکیل یہ کہتا ہے کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی، جب تک ہم نے کچھ نہیں کہا۔ جب زید کا ارادہ مطلقہ کو گھر لانے کا ہوا، قبل گھر لانے کے وکیل مذکور، طلاق ثلثہ کا اظہار کرنا فسق سے خارج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سوال میں کسی جگہ زید کا اپنی بیوی کو طلاق دینا مذکور نہیں۔ اس کے الفاظ یہ لکھے گئے ہیں "طلاق دے سکتا ہوں، آپ بھی یہ طلاق کسی پر ظاہر نہ کیجئے، وہ کام ہو گیا" اور ظاہر ہے کہ ان میں کوئی لفظ، الفاظ طلاق سے نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نے طلاق دی ہے تو اگر گواہ بھی نہ ہو، جس طرح کی طلاق دی، دیانۃً پڑ گئی۔ اور اگر فی الواقع نہ دی تو وہ تین کیا دس بیس بھی گواہی دیں تو عند اللہ طلاق واقع نہیں۔ رہا قضاء پس اگر دو مرد اور دو عورتیں کہ سب عادل ہوں، گواہی دیں گے، قاضی حکم طلاق دے دے گا، لان القاضی لیس له الا الظاهر والتدین لیس من القضاء۔

درمختار میں ہے: "ونصابها (ای الشهادة) بغیرها من الحقوق سواء کان مالا او غیره کنکاح وطلاق۔"

اس صورت میں وہ بعد انقضائے عدت زوج کے لئے قضاءً حرام سمجھی جائے گی۔ اگرچہ طلاق نہ دی اور اب بے نکاح اور بے حلالہ اس سے نکاح بھی حلال نہ ہوگا۔

رہی تنقیح اس بات کی کہ صورت مسئولہ میں ان کی شہادت پر طلاق کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟

فاقول وباللہ التوفیق: یہ لوگ ہر طرح فساق وفجار گواہ ہیں اور ان کی شہادت سے ہرگز حکم طلاق نہیں دیا جاسکتا کہ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں اور واقعی اس نے طلاق نہ دی، تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر واقعی زید نے طلاق دی بھی ہو، تو ان کو فقط اتنا سن کر کہ وہ کام ہوگیا، شہادت کی اجازت نہیں۔ یہ لفظ محتمل ہے۔ خود انہوں نے طلاق دیتے نہ سنا اور یہ اقرار ایسے ضمائر اور کنایات میں ہوا، جو ہر گونہ احتمال کی گنجائش رکھتے ہوں۔ مثلاً انہوں نے پوچھا کہ وہ کام ہوگیا اور اس سے یہ مراد رکھی ہو کہ جس غرض کے لئے قصد طلاق تھا وہ بلا طلاق حاصل ہوگئی، کام ہوگیا۔ تو معائنہ مخل، و بلا اقرار صریح شہادت محض جزاف وجسارت تھی۔ اس صورت میں اب تک شہادت نہ دینے کے باعث کتمان یا تاخیر کا کوئی الزام نہیں کہ شرع تو ان کو اس شہادت کی کسی وقت اجازت نہیں دیتی۔ الزام تو اس شہادت کا ہے۔ مع ھذا اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور بالفرض مان ہی لیجئے کہ اس نے صریح لفظوں میں ان کے سامنے تین طلاقوں کا اقرار کیا تھا۔ تو جب زید عورت کے پاس اس کی ماں کے یہاں آمدورفت کرتا تھا، مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔ وہ کاتمین شہادت، فساق ومردود الشہادۃ ہوئے۔ کہ شہادت حسبہ میں کسی کے دریافت کی حاجت نہیں۔ خود اس پر ادائگی شہادت واجب ہے۔

درمختار میں ہے: "ویجب الاداء بلا طلب الشہادۃ فی حقوق اللہ تعالیٰ وھی کثیرۃ عد منھا فی الاشباہ اربعۃ عشرو منھا طلاق المرأۃ وعتق الامۃ وتدبیرھا شرعاً وقال ومتی اخر شاھد الحسبۃ شہادتہ بلا عذر فسق فترد۔"

اور جو شخص اس بات میں گواہوں کی تائید کرے، وہ فاسق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔" (المائدۃ: ۲)

اور وکیل کا یہ کہنا کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی الخ محض مہمل اور بیہودہ غیر معتبر کہ یہاں پہلے سے سکوت کیا گیا اور مطلقہ کو گھر لانے کا انتظار کرنا، تاخیر از وقت ہے۔ اور انہوں نے بلاشبہ وقت سے تاخیر کی۔ یونہی اول ان دونوں کا کہنا، دریافت کرنے پر اظہار کردیں گے، ان کو حد فسق سے نہیں نکال سکتا کہ اس میں دریافت تک انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلا دریافت ان کو شہادت ادا کرنی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ناظم صاحب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس دیار میں بے پڑھے لکھے عوام میں رواج ہے کہ لڑائی جھگڑے میں بیوی کو یہ کہہ دیتے ہیں (۱) تو میری ماں ہے (۲) آج سے تو میری ماں ہے (۳) تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ ان جملوں سے وقوع طلاق اور عدم وقوع طلاق میں اس اطراف کے علماء اختلاف رکھتے ہیں

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے طلاق نہیں واقع ہوگی۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ بیوی کو ماں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نیز ابوداؤد کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو یا اختی (بہن) کہہ

کر پکارا تھا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ لیکن وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا۔ اور اس دیار میں طلاق کی نیت سے اس کا رواج نہیں ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے استعمال کے بعد استفتا کرتے ہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ کیا کچھ کفارہ دینا ہوگا؟

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس جملہ کا استعمال صرف طلاق کے لئے اس دیار میں عوام میں رائج ہو گیا ہے، اس لئے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایسا کہنے والے علماء یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو استفتے آتے ہیں ان میں بھی استفتا کا یہ مضمون ہے کہ طلاق کا معاملہ پنچایت میں پیش ہوا۔ اور پنچایت نے شوہر کو کہا کہ طلاق دے دو۔ تو شوہر نے دریافت کیا کہ کس طرح طلاق دوں؟ تو پنچایت نے کہا کہ دو! تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ نیز ایک استفتاء کا مضمون یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو مذکورہ جملہ یعنی تو میری ماں یا تو میری ماں، میں تیرا بیٹا کہہ کر نکال دیا پھر جب اس سے کہا گیا، اپنی بیوی کو لے جاؤ تو اس نے اس واقعہ کا حوالہ دے کر کہا کہ مدت ہوئی کہ ہم اس کو طلاق دے چکے۔ ان واقعات کے علاوہ عام رواج کا ثبوت اس امر سے واضح ہے کہ جب اپنی بیوی کو اس قسم کے الفاظ لڑائی جھگڑے میں کہتا ہے تو اس کے متعلق استفتا ہوتا ہے کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ اس کو فعل لغو سمجھتا یا تعظیم ومحبت کے معنی میں بولتا تو نہ اشتباہ کی وجہ تھی، نہ سوال کی ضرورت ہوتی؟

اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اطراف بہار میں بیوی کو جھگڑے کے وقت ماں کہنے سے وقوع وعدم وقوع طلاق میں جو رائیں اوپر مذکور ہوئیں، ان دونوں میں آپ کے نزدیک حق وصواب کون سی رائے ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کی تحقیق میں رائے اول اولیٰ ہے۔ اور اسی پر میرا فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی نص صریح ہے: "اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۔" (المجادلة: ۲) "وہ جو تم میں اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں۔" (کنز الایمان)

نیز ابوداؤد شریف کی حدیث، اقوال وتصریحات فقہائے کرام اس پر شاہد عدل ہیں۔ پھر اس کے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ دوسری جماعت کی دلیل میرے فہم سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ "تو میری ماں ہے، میں تیرا بیٹا" لغت میں اس کے معنی طلاق نہیں۔ نہ فقہائے کرام نے مصطلح شرعی بنایا۔ پھر اس کے شرعی حکم کا ثبوت کیونکر ہو سکتا ہے؟ سائل فاضل دام بالفضائل نے صرف رائے دریافت کی ہے، اس لئے میرے خیال میں یہ چند سطریں کافی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدن پورہ مرسلہ مولوی قاری عبدالرحمان ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

ہمارے علماء رحمھم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا "اگر میں تجھ کو رکھوں تو اپنی

ماں کو رکھوں'' خالد نے کہا کہ ظہار ہو گیا، تم کو کفارہ چاہئے۔ ولید نے کہا ظہار نہیں ہوا۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الجواب

فی الواقع ظہار نہیں ہوا۔ لانه هو تشبيه المسلم الخ اور وہ یہاں متحقق نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: '' واحترز به عن نحو انت امی فانه باطل۔''

ایضا فتاویٰ سراج المنیر میں یوں ہے: ''لو قال ان فعلت كذا فانت امی فهو باطل۔ فلا يلزم منه شئ وان اراد به التحريم لانه كذب اه۔'' والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد صاحب از ٹیتھو شریف ضلع گیا ۸/ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے تو اگر نکاح کرے تو تو ماں ہے۔ بعد نکاح ظہار ہوا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

نہیں، اور نہ ظہار ہونے کے کوئی معنی ہیں۔ کیونکہ ظہار کے معنی ''تشبيه المسلم زوجته او بعبر عنها بجزء شائع منها بمحرمة عليه تابيدا'' ہے اور یہاں سے اس نے بیوی کے کسی جز ء شائع کو اپنی کسی محرم تابیدی کے ساتھ تشبیہ نہ دی۔ ظہار کے لئے چار چیزیں ہیں۔ مشبہ، مشبہ، مشبہ بہ، ادات تشبیہ ہونا ضرور ہے۔ بغیران کے ظہار نہ ہوگا۔

طحطاوی میں ہے: '' اعلم ان له اركانا اربعة المشبه والمشبه والمشبه به وادات التشبيه۔''

علما تصریح فرماتے ہیں کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ یا اس کا بدل ضرور ہو ورنہ ظہار نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں تحت قول ''وشرعا تشبيه المسلم'' ہے: ''واحترزت عن امی بلا تشبيه فانه باطل۔'' یعنی اگر بلا تشبیہ صرف ''تو میری ماں ہے'' کہا تو قول باطل ہے۔

درمختار میں ہے: ''وان نوى بانت علىّ مثل امی برا او ظهارا طلاقاً صحت نيته والّا لم ينو شيئا او حذف الكاف لغا۔ یہ کنایات ظہار سے ہے۔ اگر کچھ نیت نہ کیا، لغو ہوگا جیسا کہ لغو ہے انت امی یا بنتی یا اختی وغيرها، جس میں تشبیہ نہیں ہے۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲/ رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر بعد نکاح بیقین معلوم شد کہ شوہر زن، عنین محض است۔ پس برائے فسخ نکاح چہ صورت ست؟ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت مسئولہ کہ شوہر عنین محض و بر زن قدرت ندارد، و در ادائے حق واجبش قاصر است۔ بروفرض ست کہ زن خود را طلاق دادہ رہا کند، ورنہ گناہگار خواہد شد۔ قال تعالیٰ: "فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔" (البقرۃ:۲۲۹) واگر از ظلم وخدا ناترسی طلاق ندہد، تدبیرش اینست کہ ہندہ نزد حاکم شرع شریف رفتہ طالب جواب از شوہر خود شود۔ اگر شوہر عنین است، خود را اقرار کند فبہا والا حاکم زنے پارسا ثقہ معتمد ہوشیار را معائنہ کنانیدہ شہادت گیرد کہ دوشیزہ ست۔ بعدہ شوہر را مہلت یکسال کامل قمری (کہ آں سہ صد و پنجاہ و چہارم و ہشت ساعت و چہل دقیقہ علی ما ہو فی الدر المختار ورد المختار من القہستانی می شود) بزیادت ایام مرض ہر دو دہد و در روایتے سال شمسی ہم است۔ لکن ہو ظاہر الروایۃ وصححہ فی الواقعات والو الجیۃ فکان ہو المعتمد لانہ الثابت عن صاحب المذہب۔

اگر دریں مدت شوہر بروقدرت نداشت ووطی نکرد، باز ہندہ دعویٰ کردہ تفریقش خواہد۔ پس اگر از اقرار زید یا بشہادت زنے مسلمہ ثقہ دوشیزگی ہندہ ثابت شد، حاکم اورا در نفس وشوہرش مختار گرداند۔ اگر نفس خود را اختیار کرد، حاکم زید را حکم طلاقش دہد۔ اگر طلاق داد فبہا ورنہ حاکم تفریق کند۔ ازیں تفریق طلاق بائنہ واقع شود۔ بعد انقضائے عدت اورا اختیار است باہر کہ خواہد خود را سپارد و در زوجیتش داخل شود۔ واگر از زنان شہادت عدم بکارتش دادند، قاضی شوہر را حکم حلف دہد۔ اگر سوگند بخورد کہ بکارتش از من زائل شد حق وے باطل گشت۔ واگر نکول کند، باز مہلت یکسال دادہ خواہد شد۔ وہکذا۔ پس اگر اولا یا ثانیا قادر شد فذالک ہو المقصود وگرنہ اگر نفس خود را ایں مجلس اختیار نکرد، دعویٰ از زن دست رفت۔ باز ہیچ گاہ دعویٰ تفریق ازیں مرد نتواں کرد۔

در وقایۃ الروایہ ست: "ان اقر انہ لم یصل الیہا اجل الحاکم سنۃ قمریۃ فی الصحیح ورمضان وایام حیضہا منہا لامدۃ مرضہ ومرضہا۔ فان لم یصل الیہا فرق القاضی بینہما ان طلبتہ (ای التفریق) وان اختلفا وکانت ثیبا او بکرا فنظرت النساء فقلن ثیب حُلِّف فان حلف بطل حقہا وان نکل او قُلْن بکر اجّل ولو اجل ثم اختلفا فالتقسیم ھھنا کمامر۔" شرح الوقایۃ ۲/۱۲۳-۱۲۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبد الکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیاہی عورت اور بیاہا مرد اور بے بیاہی عورت اور بے بیاہا مرد نے زنا کیا، حرام کیا۔ اس کے واسطے کیا سزا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ اور جو لوگ کہ رنڈی بازی کرتے ہیں، ان کے لئے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زانی فاسق و مرتکب کبیرہ، مستحق عذاب شدیدہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ

سبیلا۔" (الاسراء: ۳۲) نہ پاس پھٹکو زنا کے بے شک وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن۔"، زنا کرنے والے وقت زنا کے مومن نہیں رہتے۔ جو سزا اللہ و رسول نے اس کی مقرر فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو اس سے بچائے۔ یہ گناہ تو ایسا ہے کہ اس کی جزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "من زنی زنی به ولو بحیطان داره۔"

سلطنت اسلامیہ میں محصن اور محصنہ کے لئے حکم سنگسار کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: "الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما نکالا من الله۔"

ہدایہ میں ہے: "رجمه القاضی حتی مات۔"، اسے قاضی سنگسار کرے یہاں تک کہ مرجائے۔ اور غیر محصن اور غیر محصنہ کو سو سو بار کوڑے ماریں۔ قال عز من قائل: "فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" الایة۔ (النور: ۲) زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارو۔

ہدایہ میں ہے: "وان لم یکن محصنا و کان حرا فحده مائة جلدة۔" اگر بے بیاہا حر زنا کرے تو اس کی حد سو کوڑے ہیں۔ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کا ہے۔ لان النصوص یشملهما۔

زنا خاص ہے اور حرام عام۔ زنا شرع میں 'ایلاج عضوه الی الحشفة فی الفرج الداخل لامرءة خالیة عن الملکین وشبهتهما وشبهة الاشتباه' کا نام ہے اور یہ موجب حد ہوتا ہے۔ بخلاف حرام کے مثل وطی کرنا اپنی عورت سے حالت حیض میں کہ حرام ہے مگر زنا نہیں۔ یا وطی کرنا اپنے لڑکے یا باپ کی لونڈی سے اس گمان پر کہ حلال ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

کتاب السیر ۷

(سوال دستیاب نہ ہو سکا ۱۲ ساحل)

الجواب

وبه هداية الحق والصواب قبل تفصیل جواب، یہ چند باتیں واجب الحفظ ہیں۔ تا کہ سوالات کے حل میں نہ دقت ہو، نہ آئندہ شبہات کا موقع رہے۔

(۱) ایمان نام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کا ان تمام چیزوں میں جو حضور خداوند عالم سے لائے۔ درمختار باب المرتد میں ہے: "هو تصديق محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مما علم مجيئه ضرورة۔" (۳/۲۸۳)

ہاں اس پر دنیوی احکام جاری کرنے کے لئے زبانی اقرار ضروری ہے۔ اسی میں ہے: "والاقرار شرط لاجراء الاحكام الدنيوية۔"

(۲) اسی کی نقیض کفر ہے۔ اسلام کی ایک بات کی بھی عدم تصدیق کفر ہے۔ الكفر لغة الستر وشرعاً تكذيبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في شيء مما جاء به من الدين ضرورة۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "قوله تكذيبه صلى الله عليه وسلم اى التكذيب عدم التصديق الذى مرّ أى عدم الاذعان والقبول بما علم مجيئه به صلى الله عليه وسلم ضرورة اى علما ضروريا لا يتوقف على نظر واستدلال وليس المراد التصريح بانه كاذب فى كذا۔" (۳/۲۸۴) یعنی ضروریات دین میں کسی ایک چیز کے ساتھ بھی عدم اذعان وتصدیق کا نام کفر ہے۔ صراحۃً حضور کو کاذب کہنا ضرور نہیں۔

(۳) تصدیق اور عدم تصدیق ان دونوں کا تعلق قلب سے ہے اور ہمیں دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں کہ کس نے دل سے کہا اور کس نے نہیں۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جو زبان سے اقرار کلمہ شہادت کرتا ہے، ضروریات دین کو مانتا ہے، مسلمان ہے۔ اگر چہ دل میں اس کے کچھ اور ہو۔ فان المفتى يفتى بالظاهر والله يتولى السرائر۔ بعد میں اگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے، جس سے ضروریات دین سے کسی چیز کا انکار ہوتا ہے، حفاظت وحمایت شریعت کے لئے حکم کفر دیا جائے گا، اگر چہ دل اس کا ایمان سے لبریز ہو۔ منصور حلاج کو سولی کا حکم دینے والے بلاشبہ علماء صالحین اہلسنت وجماعت تھے۔ ان کی وقعت مذہبی اور بزرگی ان کے دلوں پر نقش تھی۔ پھر بھی شریعت کی حفاظت وحمایت کے لئے تکفیر کی اور قتل کا حکم دیا کہ کوئی غیر محض اور ایسا شخص جس کا حال منصور حلاج سا نہ ہو، وہ بھی ایسا کلمہ بولے اور حلاج کو اپنا پیشوا قرار دے۔

مدخل ابن امیر الحاج جلد اول میں ہے: "وافتى من يشار اليه فى وقته من العلماء والصالحين بقتله تحفظا

منهم علىٰ منصب الشريعة ان يتعرض له غير محقق فيدعي شيئا من الامور ويجعل قدوة في ذلك الحلاج رضى الله عنه۔"

شرح شفا ملا علی قاری میں انہیں منصور کے واقعہ حل میں ہے: "قال بعضهم والدليل على صحة باطنه انه كان يقطع يداه ورجلاه وهو يقول حسبي الله الواحد وقد زار قبره بعض اهل الكشف فرأى نورا ساطعا من قبره الى السماء فقال يا رب ما الفرق بين قوله وقول فرعون "انا ربكم الاعلى" فالهم ان فرعون رأى نفسه وغاب عنا والمنصور رآنا وغاب عن نفسه۔"

"یعنی بعض علماء نے فرمایا کہ منصور کے صاحب باطن ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹے جا رہے تھے تو وہ 'حسبي الله الواحد' فرما رہے تھے۔ اور بعض اہل کشف نے ان کی قبر کی زیارت کی تو ان کی قبر سے آسمان تک ایک چمکتا ہوا نور نظر آیا۔ تو انہوں نے بارگاہ ربانی میں عرض کی: اے رب پھر ان کے اور فرعون کے قول انا ربكم الاعلى' میں کیا فرق ہے کہ یہ مقتول ہوئے اور فرعون مردود؟ ندا آئی: "فرعون نے خود کو دیکھا اور ہم سے غائب ہوا اور منصور نے ہمیں دیکھا اور اپنے نفس سے غائب ہوا۔" رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴) اور کفر کی حالت اور نسبت علامہ سعد الدین تفتازانی کی اس عبارت جیسی ہے: "العلم ان كان اذعانا فتصديق والا فتصور يعني ان كان اذعانا لما علم مجيئه من الدين ضرورة فايمان والا فكفر۔"

تو تصدیق کی طرح ایمان کی صرف ایک ہی صورت ہے یعنی ضروریات دین میں سے ہر بات کا اذعان یعنی اعتقاد ثابت جازم مطابق للواقع کا نام ایمان ہے۔ اور والا فتصور کی طرح کفر کی متعدد صورتیں ہیں۔ یعنی جن جن امور کا اذعان ایمان ہے، ان میں کسی ایک ساتھ عدم اذعان کفر ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں کلمات کفریہ کے لئے ایک مستقل باب قائم کر کے بہت تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ جیسا کہ فتاوی ہندیہ وغیرہ دیکھنے والے پر مخفی نہیں۔ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب نے رسالہ فارسی مالابدمنہ میں بھی ایک مستقل بحث اس کی لکھی بلکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں ایک کافی حصہ اس کا تحریر فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو ان کتابوں میں سے اس بحث کو دیکھنا بہت ضرور ہے تاکہ ان کا ایمان سلامت رہے۔ رزقنا الله وسائر المسلمين سلامة الايمان۔

(۵) ہاں بحکم الاسلام يعلو ولا يعلى پہلودار الفاظ میں اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسے کوئی کافر اگر کہے: اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ حالانکہ اشہد جس طرح حال کے لئے ہے استقبال کے لئے آتا ہے۔ تو اگر زمانہ حال کے معنی لیا جائے کہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ضرور ایمان ہیں۔ اور معنی استقبال کے اعتبار سے کہ گواہی دوں گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دوں گا کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرگز ایمان نہیں۔ مگر پہلوئے اسلام کو غلبہ دے کر اس شخص کو مسلمان ہی کہیں گے۔ تاہم ایسے لفظوں سے احتیاط اور احتراز معہود ہے۔ اسی

لئے مسلمان کرتے وقت کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہلواتے ہیں نہ کہ کلمہ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ حالانکہ یہ اس سے مؤکد ہے۔ جس طرح کلمۂ ایمان میں اسلام کو غالب رکھا جاتا ہے اسی طرح کلمہ کفر میں بھی جانب اسلام کو ترجیح دینا چاہیے۔ یعنی کوئی شخص ایسا کلمہ بولتا ہے جس میں متعدد وجوہ ہیں اور اکثر ان میں کفر کی طرف جاتا ہے اور ایک پہلو اسلام کا بھی ہے تو اس کی بات اسی پر محمول کرنا چاہیے۔

فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے: ''اذا کان فی المسئلة وجوہ توجب الکفر ووجه واحد یمنع فعلی المفتی ان یمیل الیٰ ذلك الوجه کذافی الخلاصة وعالمگیری۔'' (۲/۲۸۳)

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ محمل التاویل الفاظ جسے محمل حسن پر محمول کرنا ممکن ہو، ان پر تکفیر جائز نہیں۔ اس لئے کہ تکفیر غایت درجہ کی سزا ہے تو اس کے لئے غایت درجہ کا قصور درکار ہے۔

فتاویٰ بزازیہ، بحرالرائق ومجمع الانہر، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، سل الحسام، تنبیہ الولاۃ میں ہے: ''لا یکفر بالمحتمل لان الکفر نہایة فی العقوبة فیستدعی نہایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نہایة۔''

بحرالرائق وتنویرالابصار وحدیقہ ندیہ وتنبیہ الولاۃ وسل الحسام میں ہے: ''والذی تحرر انه لا یفتیٰ بکفر مسلم امکن حمل کلامه علیٰ محمل حسن۔'' (رد المحتار، کتاب المرتد، ۳/۲۸۹)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مذکورہ طالب حسین خاں، بہیڑی ضلع بریلی ۵ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دارالحرب اور دارالاسلام کی کیا تعریف ہے؟ اور یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

الجواب

دارالاسلام اس جگہ کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو اور وہاں بے دغدغہ اسلامی احکام جاری ہو جائیں۔ دارالحرب ایسی جگہ کو کہتے ہیں کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت کے احکام بالکل ممنوع ہو جائیں۔ مگر یہاں بفضل اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز احکام شرعیہ کی ادائیگی ممنوع نہیں۔ اور اقامت ونماز باجماعت وغیرہ شعائر شریعت بے مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق وغیرہ معاملات مسلمین ہماری شریعت بیضا کی بنا پر فیصل ...تے ہیں کہ ان امور میں حضرات علمائے کرام سے فتویٰ لینا اور اسی پر حکم وعمل کرنا، حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگرچہ ہنود ومجوس ونصاریٰ ہوں۔

فتاویٰ رضویہ میں سراج الوہاج، اس میں حضرت محرر المذہب سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کی زیادات سے ہے: ''انما تصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفة رحمة اللہ علیه بشرائط ثلث۔ احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتھار وان لا یحکم فیھا بحکم الاسلام ثم قال وصورۃ المسئلة ثلثة اوجه اما ان یغلب اھل الحرب علیٰ دار من دورنا وارتد اھل المصر وغلبوا واجروا احکام الکفار او نقض اھل الذمة العھد وتغلبوا علیٰ دارھم

ففي كل من هذه الصور لا تصير دار الحرب الا بثلث شرائط." ہمارے امام اعظم بلکہ علمائے ثلثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس مرسلہ مولوی محمد سجاد محلہ اودھو پورہ شہر بنارس، ۱۸ جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب یا شعبان ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حسب معمول ایک طالب علم زید مدرسہ میں ہم لوگوں کے پاس رات کو آئے۔ نعوذ باللہ کہنے لگے: یہ تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں خدا ہوں۔ میں نے کہا آسمان وزمین وغیرہ خدا کی بنائی ہوئی ہیں، یہی ثبوت ہے۔ اگر تم خدا ہو تو پیدا کر کے دکھاؤ؟ تو اس نے کہا یہ تمہارا کہنا غلط ہے بلکہ ان چیزوں کو میں نے پیدا کیا ہے۔ اگر تمہارے خدا نے پیدا کیا ہے تو اپنے خدا سے کہو کہ دوبارہ پیدا کرے۔ میں نے کہا: ایسا کرنے سے اس کے نظام میں انقلاب ثابت ہوگا اور ہم گنہگار کی دعا ہی کیا؟ زید نے کہا: اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو میرا دعویٰ ثابت ہوگیا۔ میں ہی خدا ہوں اور میں اس وقت ایسی نظیر لاؤں گا جیسا تم اپنے خدا سے کہہ کر لاؤ۔ پھر چند دنوں کے بعد میں نے زید سے پوچھا کہ ایسی بڑی بات تم کیوں کہتے ہو؟ زید نے کہا: ایک آریہ سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی تھی، اس نے اس طرح کہا۔ مدرسہ کے اکثر لڑکوں نے ان باتوں کو سنا اور یہ سمجھ کر کہ زید بے وقوفی کی باتیں اکثر زبان سے نکالتا ہے، خاموش رہے۔ پھر ربیع الثانی ۶۱ھ میں تمام طلباء نے کسی اپنے مطالبہ پر تعلیمی مقاطعہ کیا۔ جس میں یہ زید شریک نہیں ہوا اور طلباء کا ساتھ نہ دیا۔ دوران مقاطعہ میں ایک روز مدرسہ کے ایک فارغ التحصیل اور ایک ہمدرد طلبہ ہم سب طلباء کے ساتھ صدر مدرس کی قیام گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان دو شخصوں کو ہم لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ زید ہم لوگوں کے مقاطعہ میں شریک نہیں تو بہت اظہار افسوس کرنے لگے تو ہم میں سے کسی نے کہا۔ اس کا کیا کہنا؟ وہ تو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ زید کے بے باکانہ الفاظ کی خبر مدرسہ انتظامیہ مجلس کے ناظم کو پہنچی اور مقاطعہ کے سلسلہ میں انتظامیہ کی کمیٹی ہوئی۔ ممبران نے مالی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ امسال زید وغیرہ کی دستار فضیلت کا جلسہ ہونا چاہئے۔ اس پر ناظم مجلس نے کہا کہ زید تو ایسی ایسی باتیں زبان سے نکالتا ہے۔ مجلس میں زید کے مخالف وموافق دونوں ہی تھے۔ اور یہ بات خوب مشہور ہوئی اور اساتذہ مدرسہ کو بھی اس کمیٹی کے بعد زید کے ان کلمات کا علم ہوا۔ پھر چار پانچ یوم کے بعد ایک استاد نے زید سے کہا کہ جو کلمات تم نے کہے ہیں، اس کو لکھو۔ اولاً تو اس نے انکار کیا پھر اس نے کہا کہ مجھ سے اور ایک آریہ سے بحث ہوئی تھی۔ استاد نے کہا بہر حال جو واقعہ ہو لکھو۔ چنانچہ زید نے مندرجہ تحریر لکھی۔

''ایک آریا نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں اس کا جواب نہ دے سکا تو پھر میں نے اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے طلباء سے یہی کہا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ تو طلباء جو جواب دیتے تھے اس کو میں توڑ دیتا۔ اس طرح سے اگر وہ لوگ کہتے کہ آسمان اور زمین کس نے بنایا؟ تو میں کہتا میں نے بنایا۔ تو میں کہتا، کیا جواب

ہے؟ میرے نہ بتانے پر تو میں کہتا میں خدا ہوں، اور یہ اس لئے کہ وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا، جس طرح میں نے توڑا۔"

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے ہم لوگوں سے کلام بالا کہتے وقت یہ ظاہر نہ کیا تھا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور نہ یہ ظاہر کیا کہ میں آریہ کا قول نقل کر رہا ہوں بلکہ چند یوم کے بعد میرے پوچھنے پر وہ یہ کہا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور اس نے یہ ظاہر کرنے کا اقرار چند اہل محلہ کے سامنے بھی کر چکا ہے۔ تو کیا زید پر تجدید ایمان و نکاح لازم ہے یا نہیں؟

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قول کہ "میں خدا ہوں۔ ان چیزوں (آسمان و زمین) کو میں نے پیدا کیا" بالکل خلاف شرع و خلاف اسلام ہے۔ مسلمانوں کی زبان سے نکالنے کی یہ بات نہیں اور نہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھ سکتا ہے اور نہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ مگر جب زید نے دریافت حال پر کہا کہ ایک آریہ سے مجھ سے گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے یہ دلیل بیان کی تھی، وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا۔ تو اس نے اس آریہ مردود کے قول کی نقل کی اور ظاہر ہے کہ نقل کفر کفر نہ باشد، خود قرآن شریف میں بہت سے مقولے لوگوں کے خلاف شرع نقل کیے گئے ہیں۔ تو کیا وہ ارشاد باری تعالیٰ سمجھا جائے گا؟ مثلاً "قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ" (البقرۃ: ۱۱۳) "اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں" (کنز الایمان) اور "لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى" (البقرۃ: ۱۱۱) "ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر جو یہودی یا نصرانی ہو" (کنز الایمان) بلکہ ان سب سے بڑھ کر "اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ" (المائدۃ: ۷۳) "اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے۔" (کنز الایمان) تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین کا تیسرا ہے۔ ہرگز نہیں کہ یہ نقل قول نصاریٰ ہے۔ اسی طرح زید نے نقل قول آریہ کیا۔ جیسا کہ چند دنوں کے بعد جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے ظاہر کیا اور اگر زید کو اس حکایت و نقل قول آریہ کے ادعاء میں صادق القول نہ مانا جائے۔ بلکہ جیسا کہ لوگوں نے اس کے متعلق ظاہر کیا کہ اس کا کیا کہنا، اس نے تو خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ ان اقوال کو بجائے نقل خود زید کا قول قرار دیا جائے، تو اس پر کوئی شرعی حجت و برہان نہیں۔ اس لئے کہ دعویٰ کے ثبوت کے لئے یا اقرار ہو یا بینہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں اقرار معدوم۔ تو خواہ مخواہ اگر ثابت ہوگا تو بینہ سے ہی ثابت ہوگا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں البینة کانها مبنیة والثابت بالشهادة کالثابت بالمشاهدة تو یہاں بینہ ہی منتفی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے (زید نے) ان کے خیال کے مطابق دعویٰ خدائی کیا تھا، ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ بے طلب اس کو ظاہر کرتے۔ اور ہرگز اتنے دنوں تک پوشیدہ نہ کرتے۔ اس لئے کہ شہادت حسبہ کے لئے ضروری ہے کہ بے طلب ظاہر کی جائے، مطالبہ کا انتظار نہ کیا جائے اور اگر ایسا نہ کرے تو خود گواہ فاسق، مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اور فاسق مردود الشہادت کی بات چند روپے کے مالیات میں تو مقبول نہیں، چہ جائے کہ اس قدر اہم مسئلہ اسلام و کفر میں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ واقعات و قرائن خود ان کی تکذیب کر رہے ہیں، مقبول ہو۔ زید ان لوگوں کے خیال میں دعویٰ خدائی کرتا

ہے، وہ لوگ اس کو سنتے ہیں، نہ اس سے توبہ کراتے ہیں، نہ اس کے ولی و پدر کو خبر کرتے ہیں، نہ اساتذہ وطلباء ہی میں یہ بات منتشر ہوتی ہے، نہ مجمع عام، جامع مسجد وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر ہوتا ہے۔ جب نو دس ماہ کے بعد زید طلباء کی وحشت اور سازش اور اسٹرائک میں شریک نہیں ہوتا تو یہ چلتا ہوا نسخہ اس کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ تو جو شخص ان تمام باتوں کو بنظر انصاف، غائر نگاہ سے دیکھے گا، یقین جانے گا کہ سب پادر ہوا باتیں ہیں، جن کو اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے فقط یہ مقصد ہے کہ زید لوگوں کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہو، جیسا کہ اس نے اس تحریک کی مخالفت کرکے طلباء کو ذلیل کیا ہے۔ طلباء اس پر دعویٰ خدائی کا الزام لگا کر اس کو رسوا بنانا اور اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ غرض شرعی طریقہ پر اس سے ایسا اعتقاد اور اس کا قائل ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے تجدید ایمان و نکاح کا حکم شرعی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری غفرلہ

سینئر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم پٹنہ ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۶۱ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سردار رحمت اللہ از محلہ کبیر شہر بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ایک گروہ مسلمانوں کا اہل ہنود سے مل کر اس وقت اس قدر اتحاد واتفاق بڑھا رہا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو قربانی گاؤ کے لئے، جو ایام نحر میں تین دن صاحب نصاب پر واجب ہے، روکتے ہیں اور کہتے ہیں ہندو بھائیوں کی دل آزاری نہ کرنا چاہئے اور انہیں معاندین اہل ہنود نے اس قربانی کے لئے ضلع شاہ آباد، ضلع جونپور و ضلع سہارنپور و ضلع اعظم گڑھ وغیرہ میں جو کچھ سختیاں و بے حرمتیاں غریب مسلمانوں کے ساتھ میں کیں یعنی قرآن پاک کا پرزہ پرزہ پھاڑ کر پھینکنا، مساجد خدا کا ڈھانا، مخدرات اہل اسلام کے پستان کو کاٹ ڈالنا و دیگر شدائد وسختیاں جو کچھ کیں، آج افسوس! ہمارے مسلمان بھائی فراموش کرکے بخاطر اہل ہنود، قربانی گاؤ کے لئے ایام اضحیہ میں بند کرانے کی کوششیں بہر نوع کرتے ہیں۔ اور اہل ہنود بہت خوش ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ ہماری اذان آواز بلند جس سے ان کو نفرت ہے، روکیں۔

فی الحال یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین شریف مکہ اپنے کو کہتے ہیں سلطان المعظم، والی قسطنطنیہ کو خلیفۃ المسلمین مانیں، جو شخص اس بارے میں شریک جلسہ نہ ہوگا یا بروز جلسہ اپنا کاروبار نہ بند کرے گا وہ از روئے فتویٰ مولانا شوکت علی ومولانا ابوالکلام ومولانا عبدالباری ومہاتما گاندھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ جن مسلمانوں نے اپنا کاروبار بند نہیں کیا، ان مسلمانوں کا بیان ہے کہ ہم بعد ہر نماز پنجگانہ کے سلطان المعظم کی ترقی اقبال وقیام سلطنت ومحافظت حرمین شریفین ودیگر مقامات مقدسہ کے والی ونگہبان رہنے کی اپنے خدائے پاک سے بمصداق حکم خدا "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً" (الاعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔" (کنزالایمان) اپنی مساجد میں دعا کرتے ہیں اور بروز جمعہ خطبہ میں سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قیام سلطنت کی دعا کرتے ہیں۔ ہاں اس طریق پر جو بالکل بغاوت

پر مبنی ہے یعنی والی سلطنت برطانیہ کو گالی دینا اور بے ایمان و دغاباز وغیرہ کہنا، جس سے ہماری عرضیوں کا الٹا اثر و نتیجہ پیدا ہوتا ہے، احتراز کرتے ہیں اور بمصداق فرمودۂ باری تعالیٰ "وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ" (الانعام: ۱۰۹) "اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔" (کنز الایمان) اپنی زبان کو سب و شتم سے باز رکھتے ہیں۔ آیا ایسی صورت میں ہم مسلمانان قابل ملامت ہیں یا برسر حق؟ بینوا بالکتاب و توجروا جزیل الثواب۔

الجواب

اتحاد و اتفاق اگرچہ ایک ایسی عمدہ چیز ہے جس کی خوبی سے کوئی عقل والا انکار نہیں کرسکتا۔ مگر اس کے لئے اہل درکار "فان مجالسة الاغیار تجر الیٰ غایة البوار و نهایة الخسار" اہل اسلام کے ساتھ اختلاف عقائد و اعمال کی وجہ سے ہنود کو جس قدر عداوت ہے، اظہر من الشمس ہے۔ ان کے نزدیک کتے سور اتنے ناپاک نہ ہوں گے جتنا مسلمانوں کا ایک ایک شخص ہے۔ چھوت چھات کا مسئلہ اسی اعتقاد پر متفرع ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآن شریف کے بعد کس دلیل و برہان کی ضرورت ہے؟ "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ۔" (الجاثیة: ۶) "پھر اللہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔" (کنز الایمان) قرآن شریف جسے ہر مسلمان اپنی دینی مذہبی کتاب یقین کرتا، اس کے تمام ارشادات کو چشم دید سے بھی صحیح مانتا ہے۔ اس کو دیکھئے غیر مسلموں کیا کیا کچا چٹھا کھولتا اور ہمیں ان کے ساتھ کیسے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ"۔ (آل عمران: ۲۸) "مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اسے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔"

وقال تعالیٰ: "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ (الی قوله) اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا۔" (آل عمران: ۱۱۸-۱۲۰)

مسلمانو! اپنے لوگوں کے سوا غیروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری خرابی میں کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو ہی چکی۔ اور غیظ و غضب، جو ان کے دلوں میں بھرے ہیں وہ (اس سے بھی) بڑھ کر ہیں۔ ہم نے تم کو پتے کی باتیں بتادیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ سنو جی تم کچھ ایسے (سیدھے سادے) لوگ ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے (مطلق) دوستی نہیں رکھتے (الی قول) مسلمانو! اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ صدق العلی العظیم۔

"لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا" کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے۔ مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی و مساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب

روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑوں تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسّی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرا دیں گے اور پھر دوست کے دوست۔ مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا الو سیدھا کرنے، گاؤ کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی "انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ" ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کتار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ باوجود ادعائے اتحاد و اتفاق، اس وقت تک ہنود کے عناد و مخالفت کا وہی رنگ ہے۔ آج ان پر جوش مسلمانوں کے صدقے ہر جگہ کی مساجد، ہنود کے ناپاک قدموں سے پامال ہو رہی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی مسلمان، ہنود کے معابد و منادر میں تو جا سکے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو بشیشر ناتھ کے مندر ہی میں جا کر اتحاد کی حقیقت دیکھ لے۔ وہاں گھستے ہی ایسی عزت افزائی اور خدمت کی جائے گی کہ اگر برسوں نہیں تو مہینوں تک ضرور یاد رہے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہنود اور مسلمانوں کو ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہنا چاہئے۔ ہاں شعائر اسلام کھو کر ذلت کے اتحاد سے اسلام و عزت کے ساتھ "شما بخیر و ما بسلامت" کو ضرور بہتر جانتا ہوں۔

میں ان خداوندان اتحاد سے دریافت کرتا ہوں کہ اس وقت کے اتحاد و اتفاق میں، جس کی ہر جگہ چیخ و پکار ہو رہی ہے، امور مذہبی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر شخص نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذہب کے فرائض، واجبات، سنن موکدہ و غیر موکدہ، مستحبات، مباحات بجا لائے اور خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام سے بچے۔ کوئی کسی طرح کسی پر اعتراض نہ کرے اور دوسرے کے اعمال و افعال شرعیہ میں حارج نہ ہو، اشارۃً کنایۃً کسی طرح مذہبی دست اندازی نہ کرے۔ اور اگر اس اتحاد میں امور مذہبی کو بھی دخل ہے، اس لئے جس بات سے ہنود کی دل آزاری ہوتی ہو، مسلمانوں کو ترک کر دینا چاہئے۔ تو ہنود کی جن جن باتوں سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے مثلاً مندروں میں سنکھ پھونکنا، گھنٹہ بجانا وغیرہ، کیا برادران وطن ان سب کے چھوڑنے پر آمادہ ہیں؟ اگر ہاں تو بسم اللہ! پہلے کانگریسی اور دیگر انجمنوں، پبلک جلسوں میں اس کے متعلق رزولیوشن پاس کر لیں۔ پھر ترک اضحیہ بقر کے لئے مسلمانوں سے کہیں اور اگر نہیں تو یہ اتحاد کی یک طرفہ تالی کیسی؟ ہندوؤں کی خاطر ہم اپنا شعار چھوڑ دیں، جسے ہم اپنے گھروں میں پوشیدہ طور سے

کرتے ہیں اور وہ سنکھ اور گھنٹوں کی مکروہ اور دلخراش آوازوں سے ہماری علانیہ دل آزاری سے بھی باز نہ رہیں۔ علاوہ بریں جب ہنود کی مذہبی کتاب ویدوں سے ذبیحہ بقر کی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں گائے کا ذبح کرنا جائز اور خود ان کے پیشواؤں کے فعل سے ثابت۔ جیسا کہ رسالہ سوط الجبار وغیرہ سے ظاہر تو اپنے مذہب کے احکام اور اپنے پیشواؤں کے افعال سے دل آزاری کیوں؟ ولو فرضنا کہ گایوں کا ذبح ہونا، ہنود کی دل آزاری کا سبب ہے۔ تو کیا صرف انہیں تین دن میں جب کہ غریب مسلمان قربانی کے لئے ذبح کرتے ہیں، دل آزاری ہوتی ہے اور بقیہ سال بھر جو برابر کمسریٹ وغیرہ میں روزانہ تیس چالیس ہزار گائیں کٹا کرتی ہیں، اس سے کانوں پر جوئیں تک نہیں رینگتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سب مذہبی عناد وعداوت کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی اور ان کو قربانی جیسے ثواب عظیم سے روکنے کی حیلہ سازی ہے۔ مسلمانوں کو عقل وہوش سے کام لینا چاہئے۔ ایسے دھو کے بازوں کے دام میں نہ آئیں۔ فرضی، وہمی اعزاز دنیوی کی خاطر دین سے دست برداری نہ دیں۔

خلیفۃ المسلمین کی بحث مسلمانوں کے لئے ایک علمی بحث ہے، جس کا فیصلہ کتب عقائد وشروح حدیث میں مفصل موجود ہے۔ تمام مسلمانوں پر مقامات مقدسہ کی حفاظت، حرمین شریفین کی خدمت کی وجہ سے سلطان معظم کا احترام فرض ہے۔ مگر عامیانہ طریقہ ہڑتال، نہ شریعت کی تعلیم، نہ امیر المومنین کا حکم، نہ علمائے دین کا فتویٰ ہے۔ یہ انہیں لوگوں کے اوہام تراشیدہ ہیں جو جھونپڑوں میں بیٹھ کر سلطنت کا خواب دیکھا کرتے اور ہوم رول، سلف گورنمنٹ، سوراج وغیرہ کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں۔ ان کی تقلید نہ مسلمانوں پر ضروری، نہ ان کے احکام کی عدم تعمیل کی وجہ سے کوئی شخص شرعاً گنہگار ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہندوستان کی ریاستہائے اسلامیہ میں اس قسم کا شور وشر، ہڑبونگ وہڑتال کا نام ونشان تک نہیں۔ نہ تعلیم یافتہ طبقہ بیرسٹراں، وکلاء، عمال کچہری وڈاکخانہ جات، ریلوے وغیرہ نے اس کی طرف دھیان کیا۔ حالانکہ رزرولیوشن کے الفاظ یہ تھے: "اس دن تمام مسلمانان ہند کاروبار بند کریں" بلکہ بعض جگہ نہ صرف روز جمعہ بلکہ شب جمعہ کو بھی تمام کاروبار جاری اور تمام دکانیں کھلی رہیں۔ ریاست رامپور جو مسٹر شوکت علی و مسٹر محمد علی کا مسقط الراس، مولد ووطن ہے، وہاں کا اخبار دبدبہ سکندری مظہر کہ "ریاست رامپور میں ۱۸؍ مارچ روز پنجشنبہ کو شب بھر بازار کھلے رہے اور دوکانداروں نے رات کھل کر دکانوں میں بسر کی، جن کے مال واسباب کی حفاظت ریاست کی پیدل وسوار فوجیں کرتی رہیں اور ۱۹؍ مارچ کو تمام کاروبار بدستور جاری رہے اور شہر کے تمام بازار کھلے رہے۔ جامع مسجد میں سوائے دعاء نصرت وفتوحات شاہان اسلام کے کہ وہ ویسے ہی ہر جمعہ کو کی جاتی ہے، غیر معمولی کوئی امر ظہور پذیر نہ ہوا"۔

سلطان اسلام کے لئے سچے دل سے مساجد وجمعات وجماعات میں دعا کرنا، بیشک پسندیدہ کام ہے۔ علماء کرام نے اپنی کتابوں میں ۱۹ شخص ایسے ذکر کئے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ از انجملہ مسلمان کہ مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دعا مانگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ دعا نہایت جلد قبول ہوتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: ولک بمثل ذلک امین۔ دوسری حدیث میں فرمایا: یہ دعا حاجی اور نمازی، مریض ومظلوم کی دعاؤں سے بھی زیادہ جلد قبول ہوتی ہے۔ تیسری

حدیث میں ارشاد ہوا: اس سے زیادہ جلد قبول ہونے والی کوئی دعا نہیں۔ رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگر اس کے لئے نہ کسی وقت کی تخصیص، نہ کاروبار بند کرنے کی تخصیص، ہر وقت کر سکتے ہیں اور ہر وقت کرنا چاہیے۔ خصوصا بعد صلوات خمسہ۔ شورش، ہنگامہ، فتنہ، فساد سے مسلمانوں کو ہر وقت بچنا چاہیے۔ قال تعالیٰ: "والفتنۃ اشد من القتل" (البقرۃ:۱۹۱) فتنہ کرنا قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے۔ بالجملہ جو لوگ عامیانہ ہڑتال، وحشیانہ افعال کے شریک نہ ہوئے اور انہوں نے مساجد میں باتثال امر "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (الأعراف:۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ" (کنز الایمان) خلیفۃ المسلمین کی فتح و نصرت وبقائے جاہ وعزت کی دعا کی، وہ ہر طرح مستحق تعریف وتوصیف ہیں، نہ الٹا قابل مذمت وملامت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی عزیز الدین ۱۱۸ ایم پورڈاکخانہ سبور ضلع بھاگل پور ۱۵ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) وہابی کسے کہتے ہیں؟ ان کے کیا کیا عقائد ہیں؟ شرعا وہ کافر ہیں یا بے دین: اگر کافر نہیں تو اس کو کافر کہنے والا خود کافر ہے یا نہیں؟ کافر اور بے دین یا بد مذہب کا کیا مطلب ہے؟۔

(۲) وہابیوں سے میل جول رکھنا شرعا کیسا ہے؟

(۳) خالد پیر اہلسنت سے مرید ہے لیکن وہ ایسی بستی میں رہتا ہے جہاں وہابی بکثرت رہتے ہیں۔ اور الگ جگہ کے نہ ہونے سے وہاں کے لوگوں سے زیادہ میل جول رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی خیال ہے کہ اگر ہم ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کریں گے تو میرا دنیاوی گھاٹا ہے اور فی الحقیقت اس کا نقصان ہوتا بھی ہے۔ اگر وہ ایسا کرے تو کیا ایسا شخص وہابی کہلائے گا؟۔

(۴) وہابیوں سے ارتباط از قسم خورونوش، آمد ورفت، شادی بیاہ، جائز ہے یا ناجائز یا حرام؟ ناجائز اور حرام کا کیا مطلب ہے؟

(۵) بکر کہتا ہے کہ زید اگرچہ وہابی ہے تو اس بنا پر ہم کیوں آنا، جانا، کھانا، پینا، ترک کردیں۔ ہم تو وہابی نہیں۔ حشر اگر خراب ہوگا تو زید کا نہ کہ میرا۔ تو کیا بکر کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۶) زید جو عمرو (سنی) کے نزدیک وہابی ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم وہابی نہیں۔ جو عقیدہ عمرو کا ہے، وہی عقیدہ ہمارا ہے۔ اور دلیل میں المھند (نامی کتاب) کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہم وہابی ہوتے تو کتاب مذکور کو نہ مانتے۔ حالانکہ ہم اس کو مانتے اور صحیح جانتے ہیں، جس طرح تم صحیح جانتے اور مانتے ہو۔ لیکن عمرو جس طرح رشید احمد واشرف علی اور اسمٰعیل وغیرہ کی مصنفہ کتابوں کے متعلق پوچھتا ہے کہ تم اسے وہابی سمجھتے ہو اور ان کی کتابوں کو باطل سمجھتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہتا ہے کہ ہم انہیں وہابی یا ان کی کتابوں کو برا نہیں سمجھتے۔ لیکن ہاں اس پر عمل بھی نہیں کرتے۔ نہ معلوم انہوں نے کس مصلحت سے ایسا لکھا؟ تو اس صورت میں زید سنی یا وہابی کس گروہ میں اس کا شمار ہوگا؟

(۷) مولوی محمد علی صاحب ومولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری ان دونوں کے کیسے عقائد ہیں؟ وہابی ہیں یا اہل سنت وجماعت؟ فقط بینوا کما ھو فی الکتاب۔

الجواب

(۱) محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متبع کو وہابی کہتے ہیں۔ کتاب التوحید عربی زبان میں ایک کتاب اس کی تصنیف ہے، جس میں اپنے خیالات وعقائد اس نے درج کئے ہیں۔ اسی کا ترجمہ تقویت الایمان ہے جو مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھی ہے، جولوگ اس کتاب کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے مسائل کو صحیح ودرست جانتے ہیں، وہ سب وہابی ہیں۔ ہندوستان میں وہابیہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک جو اعتقاداً اور عملاً ہر طرح محمد بن عبدالوہاب ومولوی اسمٰعیل دہلوی کے قدم بقدم ہیں، ان کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اعتقاداً تو اسی کے ہم مشرب ہیں اور فرعاً حنفی ہیں، ان کو دیوبندی کہتے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب واسمٰعیل دہلوی کے عقائد کفریہ نہ تھے۔ اگرچہ بعض اقوال شان اسلام سے بہت گرے ہوئے ہیں مگر التزام کفر نہ ہونے کی وجہ سے محققین محتاطین علمائے کرام نے ان دونوں اور ان کے ہم خیالوں کی تکفیر نہ کی، صرف گمراہ اور بدمذہب کہا، جیسا کہ مطالعہ رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ سے واضح ہوگا۔ اسی وہابیہ کی دوسری شاخ دیوبندی ہے۔ اس نے اللہ ورسول جل وعلا شانہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سخت توہین وتنقیص کے کلمات لکھے، چھاپے، جس کی وجہ سے علمائے حرمین شریفین نے دیوبندی کی تکفیر فرمائی۔ مطالعہ ہو رسالہ مبارکہ حسام الحرمین۔ ان دونوں شاخوں کے عقائد وخیالات رسالہ الاستمداد میں بحوالہ کتب وہابیہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ بھیجتا ہوں۔

کافر کا یہ مطلب ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہے۔ اس شخص کو نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہونا چاہئے اور اپنے عقائد وخیالات سے بری ہونا چاہئے۔ اور بدمذہب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دائرۂ اسلام میں ہے مگر اس کے خیالات مطابق عقیدۂ اہل سنت نہیں۔ اسے اپنے خیال سے توبہ کرنا چاہئے۔ واللہ الھادی وھو الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) وہابیوں بلکہ تمام بدمذہبوں سے میل جول رکھنا شرعاً ناجائز ہے۔ قال تعالیٰ: "وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔" (الانعام:۶۸) "اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔" (کنزالایمان)

تفسیرات احمدیہ میں ہے: "دخل فیہ الکافر والمبتدع والفاسق والقعود مع کلھم ممتنع۔" "اس آیت کے حکم میں ہر کافر ومبتدع اور فاسق داخل ہیں۔ ان میں کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔"

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ" (ھود:۱۱۳) "اور ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے گی"

صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا

یفتنونکم۔" "ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جو شخص عقیدۃً، عملاً ہر طرح سنی ہو، صرف یکجا رہنے کی وجہ سے دنیوی تعلقات، میل ملاپ وہابیہ سے رکھتا ہو تو وہ شخص اگرچہ وہابی نہیں ہو جائے گا مگر یہ فعل اس کا شرعاً ضرور قابل ملامت ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دینے والے کے پاس ہنسی خوشی بیٹھ سکتا ہے، میل جول رکھ سکتا ہے، اس کی شادی بیاہ میں شریک ہو سکتا ہے، نہ شریک ہو کر طعن خلق وملامت لائم سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ تو ماں باپ سے کروڑوں کیا اربوں مرتبہ زائد ہے۔ پھر کوئی دیندار، وہابیہ سے میل جول رکھنا کیسے پسند کر سکتا ہے؟ خود وہابیہ کے افعال سے سبق لے سکتے ہیں کہ کوئی سنی ان کے کبرا، ان کے فضلا کے حق میں وہی الفاظ استعمال کرائے جو انہوں نے ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کئے ہیں، پھر دیکھئے ایک جگہ اپنے کا ساتھ، کیسا حق نباہتے ہیں؟ اسی طرح ملتے جلتے ہیں یا منہ پھلا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ کسی وہابی کے سامنے کہہ دیکھئے کہ مولوی اسمٰعیل وقاسم ورشید احمد واشرف علی سا علم تو ہر گدھے، کتے، سور کو ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو سب علم ان لوگوں کو دے نہیں دیا، رہا بعض علم تو ایسا ہر گدھے، کتے، سور، پاگل، لونڈی کو ہے۔ یہ کہہ کر ان کے اخلاق دیکھئے۔ حیف صد حیف کہ وہ لوگ جس قدر اپنے علماء کی عزت کریں، افسوس کہ ہمارے سنی بھائی اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی وقعت وعظمت اپنے دل میں اتنی نہ رکھیں۔

قال تعالیٰ: "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○" (المجادلۃ:۲۲) "تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔" (کنز الایمان) مسلمانوں کے لئے قرآن شریف سے بڑھ کر کس کی ہدایت درکار۔ واللہ الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) نمبر ۴ کا جواب بھی اسی نمبر ۳ سے واضح ہو گیا۔

(۵) بکر کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ گناہ صرف زید کو ہوگا اور اس کا حشر خراب نہ ہوگا۔ اس کو عذاب وہابی ہونے کا ہوگا تو زید کو عذاب خلاف قرآن وحدیث وہابیہ سے ملنے کا گناہ ہوگا کہ اس نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالا، اور نفسانی احکام پر چلا۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہو رسالہ فتاوی الحرمین وکتب ردندوہ۔ واللہ تعالیٰ ھو الموفق وھو اعلم۔

(۶) زید اگر عیار نہیں، تو احمق ہے۔ اور اگر احمق نہیں، تو عیار ہے کہ اپنی عیاری دکھاتا اور عقل ونقل سب کے خلاف بات بناتا ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ ان کتابوں کو حق سمجھتے ہو یا ناحق ؟ اگر حق سمجھتے ہو تو کیوں حق کے مطابق عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور اگر ناحق سمجھتے ہو تو پھر کس طرح اچھا جانتے ہو؟ تو کیا اچھا اور برا، حق اور ناحق کے درمیان کوئی حد فاصل ہے؟ فال تعالیٰ: "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ" (یونس: ۳۲) "حق کے بعد نہیں مگر گمراہی"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) مولوی محمد علی صاحب کی کوئی تحریر یا تقریر وہابیت، کے متعلق مجھ تک نہ پہنچی۔ انہوں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں نصاریٰ کا رد کر کے دین کی حمایت کی۔ اور آج کل بھی قادیانیوں کے رد میں منہمک ہیں۔ ہاں بیچ کا زمانہ ندویت کا تھا۔ مگر العبرۃ بالخواتیم جب خود اصول ندوہ کے خلاف قادیانی کا رد کر کے دین کی حمایت کر رہے ہیں تو انہیں اب ندوی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ مولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری غیر معروف شخص ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہیں؟ کس خیال، کس عقیدہ کے ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی سید شاہ رشید الدین احمد بہار شریف محلہ خانقاہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل مفصلہ میں:

(۱) ترک موالات جس کا مفہوم حمایت دین واسلام وآخری انجام جہاد فی سبیل اللہ ہے، مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے یا نہیں؟

(۲) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ مدینہ طیبہ آج کا مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یا انگریزوں کے؟

(۳) مکہ معظمہ میں شراب علانیہ بیچی جاتی ہے یا نہیں۔ عرفات کے میدان میں تھیٹر کا تماشہ کیا گیا یا نہیں؟

(۴) مکہ معظمہ میں بام کعبہ محترم پر انگریزوں نے گولہ باری کی ہے یا نہیں؟

(۵) کعبہ شریف کا غلاف گولہ باری کی وجہ سے جل گیا یا نہیں؟

(۶) اگر یہ خبریں جیسی کہ ہندوستان میں شہرت رکھتی ہیں اور سارے اخبارات اس کے شاہد ہیں اور حجاج راوی، تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر ترک موالات وتعلقات یا جہاد کرنا انگریزوں سے فرض ہے یا نہیں؟

(۷) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اگر انگریزوں کے زیر اثر اور قبضے میں ہے تو ان مقامات مقدسہ کو کفاروں کی نجاست وپلیدی سے پاک کرنا، مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں؟

(۸) رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول (اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب) اور پھر اس پر اجماع منعقد ہونا، اس وقت موجودہ حالت میں کیا فتویٰ دیتا ہے؟

(۹) اگر بادشاہ وقت کے آگے ضعف وکمزوری کا عذر کر کے ترک موالات وجہاد سے انکار کیا جائے، تو یہ عذر قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اگر بادشاہ وقت خدانخواستہ فرائض سے مثل روزہ، نماز کے مسلمانوں کو کمزور پا کر

روک دے، تو اس وقت ضعف کا عذر کر کے خاموش بیٹھ جانا جائز ہو گا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

(۱) ترک موالات بموجب احکام آیات واحادیث، جملہ اعداء دین ہنود ویہود ونصاریٰ مجوس وغیرھم سب سے ضروری ہے۔ ان میں کسی سے موالات جائز نہیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیہ کریمہ: "وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا" (النساء:۸۹) "یعنی دوست رکھتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہو گئے ہیں، اسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو۔ پس وہ اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ۔ تو جب تک یہ مسلمان نہ ہو جائیں، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ پھر اگر یہ منھ موڑیں تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ"۔ فرماتے ہیں: "دلت الاية علىٰ انه لا يجوز موالاة المشركين والمنافقين والمشتهرين بالزندقة والالحاد وهذا متاكد بعموم قوله تعالىٰ يا يها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء٥ والسبب فيه ان اعز الاشياء واعظمها عند جميع الخلق هو الدين لان ذلك هو الامر الذى به يتقرب الى الله ويتوسل به الىٰ طلب السعادة فى الأخرة واذا كان كذلك كانت العداوة الحاصلة بسببه اعظم انواع العلاوة واذا كان كذلك امتنع طلب المحبة والولاية فى الموضع الذى يكون اعظم موجبات العداوة حاصلا۔"

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین اور منافقین اور جو لوگ کہ الحاد وزندقہ کے ساتھ مشہور ہیں، ان میں سے کسی سے موالات جائز نہیں۔ اور یہ حکم "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ" سے اور موکد ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ سب سے بڑی اور سب سے عزیز ترین چیز جملہ مخلوق کے نزدیک دین ہی ہے، کہ اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے اور آخرت میں نیک بختی کا حصول ہوتا ہے اور جب یہ بات ہے تو جو عداوت اس سبب سے ہو گی، وہ سب دشمنوں سے زیادہ اور بڑی ہو گی۔ تو جس جگہ دشمنی کا سب سے بڑا سبب موجود ہو گا، وہاں محبت اور موالات ناممکن ہے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں "حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (النساء:۸۹) "جب تک کہ اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں" (کنز الایمان) کے تحت لکھتے ہیں: "حتى يومنوا لان الهجرة فى سبيل الله بالاسلام۔" پس مسلمانوں کو جو اس کے احکام کو مانتے ہیں، چاہئے کہ مطابق حکم خداوند عالم، جملہ اعداء دین سے موالات ترک کر دیں اور کسی غیر مومن کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

والتفصيل فى رسالتى المفردة فى هذ الباب والله تعالىٰ اعلم بالصواب

(۲) جزیرۃ العرب میں حرمین محترمین اور اس کا زیادہ حصہ سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قبضہ میں اور کچھ حصہ اس کا

اب انگریزوں کے قبضہ میں آیا ہے اور کچھ اس کا بہت پہلے سے نصاریٰ کے قبضہ میں ہے جیسے عدن وغیرہ۔

کنز العلوم واللغۃ میں ہے: "(عدن) مبناء ذات تجارۃ واسعۃ فی الجنوب الغربی من بلاد العرب یسکنها نحو ۳۵۰۰۰ نسمۃ اشترتها انجلترۃ ۱۸۳۹م وجعلت فیها مخازن فحم للسفن المسافرۃ الی الهند وبها قلعۃ حربیۃ علی بوغاز باب المندب۔"

"عدن ایک وسیع تجارتی بندرگاہ ہے بلاد عرب کے دکھن پچھم کے گوشہ پر، جہاں ۳۵ ہزار آدمی رہتے ہیں۔ اس کو انگریزوں نے ۱۸۳۹ عیسوی میں خریدا ہے اور وہاں ہندوستان آنے والے جہازوں کے لئے کوئلوں کا مخزن ہے اور وہاں باب المندب پر ایک جنگی قلعہ ہے۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) میں نے آج تک یہ کسی سے نہیں سنا، نہ کسی اخبار میں دیکھا۔

(۴) یہ خبر بھی محقق طور پر معلوم نہیں ہوئی ہے۔

(۵) غلاف کعبہ معظمہ کا جل جانا، یہاں بھی مشہور ہے اور اخباروں میں بھی ہے۔ ہاں اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ عام طور پر زبان زد نصاریٰ کی وجہ سے اس کا نقصان ہونا ہے، مگر ولایت کی کونسل میں اس کے متعلق سوال ہوا، تو انگریزوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ترکوں کا کام ہے۔ آگے رہے قیاسات وقرائن، والعلم عند اللہ۔

(۶) ترک موالات کا جواب نمبر ا میں گزرا۔ ترک تعلقات کا ہر وقت انسان کو اختیار ہے۔ یہ اپنے جوش اور غیظ وغضب سے جتنا زیادہ جوشیلا ہوگا، اسی قدر جلد الگ ہو سکتا ہے۔ رہا جہاد اگر سبب حاصل، شرائط موجود، موانعات مفقود ہیں تو ضرور مستعد ہو جایئے۔ ورنہ اس بے کسی اور بے بسی پر جہاد کا خیال تو بالکل اسی کا مضمون ہوگا ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

درمختار میں ہے: "ولا بد لفرضیته من قید اخر وهو الاستطاعة۔"

سراج الوہاج میں ہے: "وشرط لوجوبه القدرة علی السلاح۔"

شامی میں ہے: "ای وعلی القتال وملك الزاد والراحلة كما فی قاضی خان وغیره قهستانی۔"

یہاں بھی ایک بہت ہی جوشیلے صاحب ہیں۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے، مولانا! آپ جہاد کا فتویٰ دیجئے۔ میں نے کہا، آپ رسد اور اسلحہ کا بندوبست کر لیجئے، تب کہئے۔ اب زمانہ گزری کنم والی بندوق اور کند تلواروں کا نہیں ہے مشین گن، ہوائی جہاز، اسّی میل مارنے والی توپ کا انتظام کیجئے اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو جہاد کا خواب کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) اگر قدرت اور استطاعت ہے تو ضرور فرض ہے۔ مگر فرضیت اس کی ترتیب وار باعتبار الاقرب فالاقرب کے ہے۔

درمختار میں ہے: "یفرض علی الاقرب فالاقرب من العدو الی ان تقع الکفایة۔"

شامی میں ہے: "ونظیره الصلاة علی المیت فان من مات فی ناحیة من نواحی البلد فعلی جیرانه

واهل محلته ان يقوموا باسبابه وليس علىٰ من كان بعد من الميت ان يقوم بذلك وان كان الذى بعد من الميت يعلم ان اهل محلته يضيعون حقوقه او يعجزون عنه كان عليه ان يقوم بحقوقه كذا ههنا۔"

والله تعالىٰ اعلم۔

(۸) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد واجب الانقیاد "واخرجوا اليهود والنصارىٰ من جزيرة العرب" موجودہ حالت میں وہی فتویٰ دیتا ہے جو اس وقت میں رب العزت جل جلالہ کا فرمان واجب الاذعان "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً۔" (التوبة:۱۲۳) "مسلمانو! اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تم میں کرارا پن معلوم کریں" فتویٰ دیتا ہے۔

(۹) بعد وجوب وفرضیت اس قسم کے لایعنی اعذار، قابل قبول نہیں اور بغیر تحقق شرط یا وجود مانع اس کا حکم جز دینا، ایسا ہی ہے جیسے کسی فقیر مسکین کو زکوۃ یا حج کی فرضیت جتا کر اس کو ابھارنا یا شیخ فانی کو روزہ پر مجبور کرنا یا نابالغ ومجنون پر نماز فرض جاننا یا کسی عورت کو حیض ونفاس کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دینا۔ والله تعالىٰ اعلم بالصواب

كتبه عبده العاصى محمد ظفر الدين القادرى

عفى عنه بمحمد المصطفىٰ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الوقف ۸

مسئلہ ملک بنگالہ ضلع سلہٹ مرسلہ مولوی عبید اللہ ۲۷ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) ایک ہندو زمیندار کی زمین مملوک پر اس کی اجازت سے بنائی ہوئی مسجد کہ اس نے نہ زمین ہبہ کی، نہ اسے کسی مسلمان نے خریدا، اب وہ مسجد، شرعاً مسجد ہوئی یا نہیں؟

(۲) رعیت کی اجازت سے جمعہ خانہ قائم ہوا ہے بدون اجازت مالک کے۔ تو وقف کے لئے مالک ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اور وقف صحیح ہوا یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں وہ مسجد، شرعاً مسجد نہیں۔ اور اس میں نماز سے ثواب مسجد میں پڑھنے کا ہوگا کیونکہ یہاں ملک ابھی کافر کا باقی ہے۔ وان المسجد للہ فما لم یکن للہ لم یکن مسجدا نیز وقف کے اسباب سے طلب تقرب الی اللہ ہے اور کافر کا کوئی فعل بھی اللہ کے لئے نہیں ہوتا۔

عالمگیریہ میں ہے: ''واما سببه فطلب الزلفیٰ الیٰ الله هکذا فی العنایة۔''

اسی کے بیان شرائط وقف میں ہے: ''ومنها (ای من شرائط الوقف) ان یکون قربة فی ذاته عند المتصرف فلا یصح وقف المسلم او الذمی علیٰ البیعة او الکنیسة او علیٰ فقراء اهل الحرب هکذا فی النهر الفائق۔''

اسی میں ہے: ''ولو وقف الذمی داره علی بیعة او کنیسة او بیت نار فهو باطل کذا فی المحیط۔''

اس لئے اگر اس نے اپنا مکان مسجد میں وقف کر کے نماز کی اجازت دے دی اور اس کی اجازت سے لوگوں نے نماز بھی پڑھی، تب بھی بعد موت اس کے ورثہ کا میراث ہوگا۔

اسی میں ہے: ''ولو جعل فی داره مسجدا للمسلمین وبناه کما هی المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته وهذا قول الکل فی جواهر الاخلاطی۔''

عطایا نبویہ میں اسعاف سے ہے: ''لو جعل داره مسجدا للمسلمین وبناه کما هی المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته واوصیٰ بان یحج عنه یکون الوقف باطلا لکونه لیس مما یتقرب به اهل الذمة للّٰه تعالیٰ۔''

عقود الدریہ میں ہے: ''وقف اهل الذمة لا یجوز الا اذا کان قربة عندنا وعندهم حتی لو جعل

دارہ مسجدا للمسلمین لا یجوز۔"

اس کے مسجد شرعی ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اگر کوئی ہندو ایسا چاہے تو اس سے کہا جائے کہ تو اس شی کا کسی مسلمان کو مالک کردے اور وہ اپنی طرف سے مسجد کے لئے وقف کردے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ لے کیونکہ دین میں کافر سے مدد، شرع مطہر ناپسند کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) صرف رعیت کی اجازت، بلا اجازت مالک لغو ہے۔ اس سے وقف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وقف کی پہلی شرط یہ ہے کہ واقف وقت وقف اس شی کا مالک ہو، پرائی شی کو کوئی وقف نہیں کرسکتا اور نہ اس کے لئے وہ وقف ہو۔ وہ بدستور ملک مالک پر رہتی ہے۔

ہندیہ میں ہے:"و منها (ای من شرائط الوقف) الملك وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالکها و دفع الثمن الیه لایکون وقفا کذا فی البحر الرائق۔"

درمختار میں ہے: "شرطه شرط سائر التبرعات۔"

ردالمحتار میں ہے:"افادان الواقف لا بد ان یکون مالکه وقت الوقف۔"

فتح المعین و درمختار میں ہے: "ومحله المال المتقوم۔"

طحطاوی میں ہے:"(قوله ومحله المال المتقوم) ای یکون المملوك له وقت الوقف۔"

تو بغیر اجازت مالک نہ وہ جمعہ خانہ مسجد ہے اور نہ وہ وقف، وقف۔ بلکہ ایک مکان ہے مثل اور مکانوں کے۔ کیونکہ مسجد کے لئے افراز و تابید کے ساتھ وقف درکار ہے۔ یہاں جب زمین غیر مملوک ہے تو نہ افراز ہوا نہ تابید۔ اس میں نماز ایسی ہی ہے جیسے کرایہ کے مکان میں، جس میں اصلاً ثواب مسجد کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بمقام جام نگر حاکم ہنود، مسلمات عورات کو اپنے گھر میں ڈال لیتا ہے چنانچہ وہ اپنے راہ برادر، اپنے دین اسلام پر، وہ عورتیں متمول ہوکر عمدہ عمدہ مساجد بنواتی ہیں؟ ان میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ بیان فرماویں بعبارت کتب۔ جزاکم اللہ خیرا۔

الجواب

اعوذ باللہ من غضبه وعقابه و شر عباده قال تعالیٰ:"وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا۔" (الاسراء:۳۲) "اور نہ پاس پھٹکو زنا کے کہ وہ بے حیائی اور اللہ کو دشمن اور سخت بری راہ ہے"۔

زنا حرام قطعی، گناہ کبیرہ عظیمہ شدیدہ ہے نہ کہ معاذ اللہ من ذلک یہ خاص صورت۔ پھر زنا کی وجہ جو کچھ اموال زانیات کو ملتا ہے، وہ اس کی ہرگز ہرگز مالک نہیں ہوتیں۔ ان کے ہاتھوں میں حکم غصب رکھتا ہے۔ جس جس سے جتنا جتنا لیا ہے، اس کو واپس دینا واجب۔ اور وہ نہ رہے ہوں، ان کے ورثا کو دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقرا پر تصدق واجب۔ لانہ حصل بوجه خبیث و کل مال هکذا فشانه وجب تصدقه۔

بایں ہمہ حسب مذہب مفتیٰ بہ ان میں نماز جائز اگر اس طرح سے بنائی گئی ہوں کہ خود زمین غاصبانہ طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور نہ اس کی خریداری میں زرحرام پر عقد ونقد جمع ہوا ہو۔ لان الخبث لا یسری فی الابدال من الاشیاء والدراھم والدنانیر۔ حرام پر عقد کے یہ معنی ہیں کہ زرحرام دکھلا کر اس پر عقد کرے، اور نقد یہ کہ پھر زرحرام ہی اس کے معاوضہ میں دے اور اگر مطلقاً بے روپیہ معین کے کوئی چیز خریدی اور وہ زرحرام بھی عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا لانہ مامور باداۂ الی من کان لہ وان لم یبق ھو او وارثہ او لم یعرف فالتصدق وھذا عدول عنھما فلایجوز۔

بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جب کہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے۔ مگر جب کہ عقد حرام پر نہ ہوا، خریدی شی میں نہ آیا۔ یونہی اگر زرحرام دکھا کر کہا کہ اس کے عوض فلاں شی دیدے۔ جب اس نے دی مشتری نے وہ روپیہ ثمن میں نہ دیا بلکہ زرحلال دیا۔ تو اب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت روپیہ پر ہوتی ہیں کہ روپیہ معین کر کے عقد نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ اس روپیہ کے عوض میں زمین یا فلاں شے دیدے یا میں نے اس روپیہ کے عوض میں خریدی۔ اور اگر بالفرض کہیں اجتماع عقد ونقد کا اتفاق ہوا بھی ہوتو، جو نادر محض ہے اور ہم کو اس کا حال معلوم نہیں، تو حکم خبیث نہیں ہوسکتا۔ وقد قال فی الاصل بہ ناخذ مالم یعرف شیئا حراما بعینہ۔ خصوصاً جب کہ معلوم ومعہود ہے کہ ایسے لوگ جو نیک کام کرنا چاہتے ہیں، اپنا خبیث روپیہ نہیں لگاتے بلکہ قرض لے کر کرتے ہیں اور اپنے روپے سے قرض ادا کردیتے ہیں۔ تو جب تک خاص وجہ خبث وبطلان مسجد ثابت نہ ہو ایسی مسجدیں، مساجد ہی ہیں اور ان میں نماز صحیح۔

کتبہ عبد المصطفیٰ محمد ظفرالدین القادری الرضوی عفی عنہ

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شیخ رحمۃ اللہ .... ۲۳ رصفر ۱۳۲۳ھ

ایک زمین متصل مسجد دفن اموات کے لئے وقف ہے، جس میں بہت دنوں سے قانوناً دفن کی ممانعت ہوگئی ہے۔ آیا اس میں مکان سکنی بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اس زمین میں مکان سکنی بنانا حرام ہے۔ کہ یہ جگہ دفن اموات کے لئے وقف ہے تو یہ شرعاً مقبرہ کہا جائے گا۔ اگرچہ انگریزی قانون سے اس میں دفن کی ممانعت ہوگئی ہو کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور اس کا تغیر بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ اقول فکیف بابطال غرضہ۔''

عقود الدریہ میں ہے: ''لا یجوز للناظر تغییر صیغۃ المواقف کما افتیٰ بہ الخیر الرملی والحانوتی وغیرھما۔''

خزانہ میں ہے: ''مقبرۃ قدیمۃ بمحلۃ لم تبق فیھا آثار المقبرۃ لا یباح لاھل المحلۃ الانتفاع بھا۔''

کہ اس سے انتفاع اور مکان سکنٰی بنانے میں قبر مسلم بلکہ مسلم کی بے حرمتی ہے اور وہ شرعاً ممنوع۔ علما فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عزت زندگی اور بعد موت برابر ہے۔ والمیت یتاذیٰ بمایتاذیٰ بہ الحی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا۔" مردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے، جیسے زندہ کی ہڈی توڑ دینا ہے۔ اور جب وہاں مکان سکنٰی بنے گا تو لوگ بیٹھیں گے، چلیں گے، پھریں گے، حالانکہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی منع ہے کہ سقف قبر پر بھی حق میت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے قنیہ سے: "قال علاء التوقانی یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت واما قول الزیلعی فی التبیین" ولو بلیٰ المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ" فمعناہ اذا دفن رجل فی ملک غیرہ لان الملک مطلق والمانع زال وھذا ایضا اذا کان ذلک باذنہ والا ففی الغصب لہ اخراج المیت وتسویۃ الارض۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لیس لعرق ظالم حق" کما اشار الیہ فی الدر المختار ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق ادمی کأن تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعھا والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی والا فالزرع فی المقبرۃ لم یذھب الیہ احد وفی غایۃ القبح ان یقبر فیہ الموتیٰ سنۃ ویزرع سنۃ والتفصیل فی "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ۔" واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار بھائیوں کو ایک جائداد کثیر ترکہ پدری سے پہنچی۔ من جملہ اس جائداد کے چاروں بھائیوں نے تین مواضعات کی حقیقت جوان کے حصہ کی ان مواضعات میں تھی، واسطے مصارف فاتحہ والدین ونیز تنخواہ قرآن خوانوں کے اور عزیزان جو مفلس ہوں، در وقف نامہ وقف کردی۔ اور تخمیناً سو برس تک عمل درآمد فاتحہ وتنخواہ قرآن خوان وعزیزان مفلس رہا۔ ایک زمانے کے بعد ورثاء نے مجملہ جائداد موقوفہ کے ایک موضع کی تقسیم کی نالش، عدالت سرکار انگریزی میں دائر کی کہ اس میں تنخواہ عزیزان وغیرہ کا تعلق ہے، وقف فلاں قانون انگریزی کی رو سے نہیں ہوئی۔ لھذا تقسیم ہونا چاہیے اس حکم کے موافق مدعیان تقسیم کے۔ مجملہ بیست بسوہ کے ساڑھے سات بسوہ حقیقت تقسیم کرالی اور بقیہ کل جائداد مذکورہ بالا کی آمدنی جیسے قدیم سے صرف ہوا کرتی تھی، وہ اب تک صرف ہوتی ہے۔ بموجب شرع شریف جائداد مذکورہ اور غیر مقسمہ وقف ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرعاً وہ کل جائداد جس قدر چاروں بھائیوں نے وقف کی تھی، سب بدستور وقف ہے۔ اس کو تقسیم کرا کر اپنی ملک ٹھہرانا شرعاً جائز نہ تھا۔ شریعت میں وقف اہلی بھی جائز ہے۔ جس میں سے عزیزوں کی تنخواہ بھی مجملہ مصارف خیر مقرر کی جائے۔

درمختار میں مواہب علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی سے ہے: "فی الوقف علی نفسہ وولدہ ونسلہ وعقبہ جعل ریعہ لنفسہ ایام حیاتہ ثم وثم جاز عند الثانی وبہ یفتی۔" انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتاب القضاء ۹

تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳۶ھ)

کھڑکی کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین، احکم الحاکمین الذی جعل سیدنا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین وخاتم النبیین وبعض عبادہ خلیفة فی الارض لیحکم بین الناس بالحق ولا یتبع الھوی فیضلہ عن سبیل اللہ وافضل الصلوة واکمل السلام علی من قال وصدق فی قولہ: "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔" من حکم بین اثنین تحاکما الیہ وارتضیاہ فلم یقض بینھما بالحق فعلیہ لعنة اللہ۔ ثم الصلاة والسلام علی آلہ واصحابہ والذین اتبعو ھم باحسان لا سیما امامنا الاعظم وھمامنا الاقدم ابی حنیفة النعمان الذی دعی الی القضاء فابی وعلینا معھم وبھم الی یوم الدین یا ارحم الراحمین۔

زمانہ کی نیرنگیاں بھی نت نئے شگوفے چھوڑا کرتی ہیں جو بظاہر ایک کے لئے باعث مسرت ہوتی ہیں تو دوسرے کے لئے سبب حسرت۔ یہی واقعات اگر بنگاہ تامل وتحقیق دیکھے جائیں تو کسی کے لئے موجب شرم وندامت ہیں اور کسی کے لئے ذریعۂ عبرت ونصیحت۔ اس قصبہ شہرام ناصر الحکام کا ایک معمولی سا واقعہ ترقی یافتوں کی بدولت کچھ ایسا پھلا پھولا، اس درجہ اس نے نشو ونما پایا کہ دور دور تک مشہور ہوا، ورنہ بات معمولی تھی، معاملہ آسان تھا۔ ایک شخص کو خداوند عالم دیتا ہے۔ وہ اپنے دومنزلہ مکان کے ایک حصہ کو سہ منزلہ بنواتا ہے۔ زنانہ مکان ہونے کی وجہ سے بقیہ تین طرف پردہ کی دیوار کھنچواتا ہے اس صورت میں ہوا کی آمد ورفت نسبۃً کم ہوجاتی ہے، جس کی تلافی کے لئے وہ غرب رویہ ایک کھڑکی لگاتا ہے جس سے اوپر رہنے والوں کے لئے دوسرے مکان میں جو اس کے خاص رشتہ دار کا ہے، آنے جانے کا بھی آسان راستہ نکل آتا ہے۔ اس کھڑکی کا کھلنا تھا کہ ٹولے محلہ کے ترقی یافتہ حضرات کے حسد کی کھڑکی کھل گئی اور آتش حسد کی چنگاریاں اڑنی شروع ہوگئیں۔ حق کو ناحق، ناحق کو حق بنانا جن کا رات دن کا کام ہو، ان کے نزدیک اس تل کو پہاڑ بنالینا کیا دشوار تھا۔ نفسانیت کے جوش نے یہ راہ بتائی کہ ایک مکان کو پھلانگ کر بے پردگی ہونے کا دعویٰ عقل سلیم کے نزدیک مستبعد ہے۔ اس لئے اس شخص کے پڑوس والے خاص رشتہ دار کو ابھارا کہ میاں تم اپنی بے پردگی کا مقدمہ دائر کرو، ہم بھی اس کا مقدمہ کرتے ہیں۔ دونوں مقدمہ کے ہم قالب ہونے کی وجہ سے جو کچھ کارروائی میرے مقدمہ کی ہوگی وہی تمہارے مقدمہ کی بھی ہوگی، تم خم ٹھونک کے کھڑے تو ہوجاؤ ہم سب کچھ دیکھ لیں گے۔ خرچ بہت کم ہوگا اور جو کچھ ہوگا بھی تو ہم خرچ کے لئے تیار ہیں مگر

جب اس بے چارے کو روپیوں کی ضرورت ہوئی تو فرماتے ہیں کہ ہاں آپ کس موضع پر روپیہ لینا چاہتے ہیں یعنی کوئی جائداد مکفول کیجئے تو ہم روپیہ دیں گے۔ آخراس بے چارے نے اس خلاف عہدی سے متاثر ہوکر مقدمہ اٹھالیا اور تصفیہ کی درخواست دے دی۔ اب بے پردگی کا مقدمہ ایک ٹانگ کا مرغا ہوکر چلنے سے معذور ہوا تو عقلمندوں نے دوسری راہ نکالی۔ سوء اتفاق سے اس زمانہ میں بلوہ شاہ آباد ہوگیا۔ پیشہ ور حضرات کو اپنا پیشہ چلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوں میں رسوخ جمانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ بنام امداد مظلومین ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کی صدارت کی پگڑی اپنے زیب سرکی، پھر کیا تھا قوم کی تھیلی ہاتھ میں آگئی۔ جدھر چاہتے قوم کو گھما ڈالتے۔ اپنا معتقد، غیروں سے قوم کو بدظن بنانے کا اس سے بڑھ کر کون سا موقع ملتا۔ امداد مظلومین کے نام سے جلسہ کیا جاتا، جب لوگ آجاتے تو اپنے مخالفین کی متارکت ومخالفت کا عہد وپیان لیا جاتا۔ بعض نیک نیتوں نے جب دیکھا کہ یہ طریقہ امداد مظلومین کے لئے کیا مفید ہوگا یہ تو آپس کا رہا سہا اتفاق بھی ملیامیٹ کردے گا اور شہر بھر میں دو مضبوط پارٹی قائم کردے گا جو اس وقت مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے۔ آخران لوگوں نے عام مسلمانان شہر میں اتفاق پھیلانے، بچھڑے ہوؤں کو ملانے کی کوشش کی۔ خداوند عالم نے ان کی سعی مشکور فرمائی اور ۸ محرم الحرام روز جمعہ مبارکہ کو عام مسلمانان شہر کا جلسہ روضہ کی مسجد میں اس غرض سے ہوا کہ آج سب مسلمان آپس میں مل جائیں اور سب کے سب متفقہ متحدہ کوشش سے امداد مظلومین کی طرف متوجہ ہوں۔ اس جلسہ کی غرض وغایت تو یہ تھی مگر خود غرضوں نے (جن کی عادت ہمیشہ اپنے نفع کو قومی بہبودی پر مقدم سمجھنا ہے بلکہ قوم قوم کرنے سے بھی اپنی ہی مقاصد کی سرسبزی مقصود ہوا کرتی ہے) اس جلسہ کا ماحصل اپنے مقصد کا حصول قراردیا۔ ملتے ہی کھڑکی کا سوال کیا اور ثالثی پر رائے جمائی جس نے صاف کھول دیا کہ امداد مظلومین کا نام تو برائے نام ہے، اصل مقصد جو بلوہ اور مسلمانوں کے لوٹے جانے اور مسجدوں کے شہید کئے جانے سے بھی اعظم ہے یہی ہے ورنہ اس عظیم الشان جلسہ میں جس میں شہر کے عام لوگ جمع تھے اور ایسا جلسہ نہ پہلے ہوا، نہ بعد کو ہوا۔ ان مظلوموں کی امداد کی تجویز اور وجوہ امداد کے متعلق تبادلہ خیالات کرتا تھا، نہ کہ ان سب کو پس پشت ڈال کر اپنے مطلب کے حصول کو مقدم کرنا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غرض جب قانون داں حضرات کو معلوم ہوگیا کہ مقدمہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور کچہری میں چلنے کے قابل نہ رہا تو ان ترکیبوں سے اسے ثالثی پر ڈھالا۔ قسمت کی خوبی ثالث بھی وہ ہاتھ لگے جو ممنون احسان، جن کی حمایت کر کے ایک زمانہ میں عیدگاہ کی امانت دلوا چکے تھے ان کی کیا مجال کہ آیت قرآنیہ کا خلاف کریں اور ”هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ“ (الرحمٰن: ۶۰) ”نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی“ (کنز الایمان) پر عمل کر کے ان کو شادکام نہ بنائیں۔ اگر کاش ثالث صاحب اسی جلسہ میں اس قصہ کو دو لفظوں میں طے فرمادیتے کہ آج کا یہ دن باعث مسرت وخوشی ہے، بگڑے ہوئے بنے، بچھڑے ہوئے ملے ہیں۔ ایک کھڑکی کی وجہ سے آپ دونوں کے دلوں میں رنج رہنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو بند کردیجئے تاکہ کسی قسم کا ملال کسی کو کسی کی طرف سے نہ رہے، بات ختم ہوجاتی۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس دن جو کچھ کہا جاتا، عین مسرت کے ساتھ قبول کرنے میں کسی کو تامل نہ ہوتا مگر ایک مصلحت غامضہ کے سبب اس کو معرض

تعویق میں ڈالا گیا یعنی اس کھڑکی سے متعلق ایک مقدمہ ہائی کورٹ میں دائر تھا۔ اس کے نتیجہ کا انتظار کیا گیا کہ اگر وہ مقدمہ فریق مخالف کے خلاف میں فیصل ہوا تو پھر اس سے تن مردہ میں جان آجانے کا خیال ہے مگر خدا کی شان کہ وہ مقدمہ حق بحقدار فیصل ہوا۔ جب ادھر سے ناکامی ہوئی تو پھر ثالثی یاد پڑی۔ ثالث صاحب نے پہلے تو بہت کچھ انکسار سے کام لیا، اپنے کو اس لائق نہ جانا، معذرت کے خطوط لکھے، ایک اسسٹنٹ طلب کیا مگر فریق اول (مدعی) کو تو ان سے بڑھ کر ثالث مل ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکر ممکن تھا کہ اس کی جانب سے ان خطوط معذرت کی طرف توجہ کی جاتی۔ فریق دوم (مدعا علیہ) تن بتقدیر ورضا بالقضا میں کچھ اس درجہ مشغوف تھا کہ اس نے بھی ان خطوط کی طرف اصلاً خیال نہ کیا مگر جب آثار وقرائن سے خلاف انصاف ہوتا پایا تو ان کو صاف منع کرا دیا۔ اس پر مجوزصاحب نے التفات نہ فرمایا۔ آخر بے ثالثی ثالث صاحب نے فیصلہ کیا اور خوب ہی دل کھول کر فیصلہ لکھا جس میں تسمہ تک باقی نہ رکھا۔ عقل وشرع کو اپنے زورِ قلم کے گھاٹ اتارا اور فیصلہ میں سوائے مقصد واحد مدعی کے کسی بات کا لحاظ نہ کیا۔ فیصلہ میں اگر صرف اپنی رائے کا اظہار کیا جاتا اور بربناء مصلحت جو کچھ حکم دیا جاتا، اس میں کسی دوسرے کو دخل کی ضرورت نہ تھی مگر غضب یہ کہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف فیصلہ کو شریعت حقہ کے مطابق وموافق ہونا ظاہر کیا اور آخر حصہ میں فیصلہ کے، کچھ عربی عبارتیں فتاویٰ کی نقل کر کے اس کو بھاری بھرکم بنانے اور نگاہ عوام میں موافق فقہ حنفی ٹھہرانے کی کوشش کی۔ مجھ سے بعض احباب نے اس فیصلہ پر ایک نظر کرنے کی درخواست کی اور اصل واقعات کو بیان کر کے مسئلہ فقہیہ لکھنے کی خواہش کی۔ اگر اس فیصلہ میں ناحق کو حق ثابت کرنے ،عبارات فقہیہ کے غلط معانی باور کرانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی تو ایک کھڑکی کا معاملہ کوئی ایسا مہتم بالشان نہ تھا کہ میں اپنے عزیز وقت کو اس کی طرف صرف کرتا اور فیصلہ کی غلطیوں کو عالم آشکار کرتا مگر محض حمایت حق نے مجبور کیا کہ فیصلہ ثالثی پر ایک نظر کروں اور اس کے اغلاط شرعیہ وعقلیہ کو حوالہ قلم کر کے اس رسالہ کو بنام "تحفة الاحباب فی فتح الكوة والباب" موسوم کروں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ایک مرتبہ شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمائیں تا کہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے کہ شریعت مطہرہ کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے۔؟ ناظرین ذوی الاحترام پر مخفی نہ رہے کہ مجھے اصل مسئلہ کی وضاحت اور شریعت کی حمایت منظور ہے نہ زید وعمر سے بحث۔ اسی لئے اس تحریر میں کسی جگہ کسی شخص کا نام نہ لکھا جائے گا تا کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اس سے مقصود کسی کی عزت ہے یا کسی کی ذلت اور از آنجا کہ اس تحریر کا پورا مطلب بے فیصلہ سمجھا جانا دشوار ہے، اسی لئے حاشیہ پر (احقر نے اسے رسالہ سے پہلے سیٹ کر دیا ہے اور ☆ سے مقامات بحث واضح کر دیئے ہیں ۱۲ ساحل) فیصلہ ثالثی بھی لفظ بلفظ نقل کر دیا جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وھو حسبی ونعم الوکیل۔

☆ فیصلہ ثالثی ۹۶۷ سید شاہ...... بنام سید شاہ...... مدعا علیہ۔ ۲۷ مئی ۱۹۱۸ء کو روز دوشنبہ تھا، مسل میرے پاس آئی۔ اسی روز بنام مدعی ومدعا علیہ نوٹس دے کر پانچ بجے شام کو اسی دن طلب کیا۔ مدعی ومدعا علیہ دونوں وقت پر آئے۔ دونوں فریق کا بیان سن کر ۲۸ مئی سہ شنبہ کو پانچ بجے شام کا وقت واسطے دیکھنے مقام متنازع فیہ کے دیا اور اس وقت اس جگہ

پہنچے۔ مدعی و مدعا علیہ دونوں کو حاضر پایا۔ بہ موجودگی دونوں فریق کے ملاحظہ کھڑکی و چھت وغیرہ کا کیا اور بوقت ملاحظہ جو کچھ مدعی و مدعا علیہ نے اپنے عذر کو بیان کیا، اس کو سنا۔ ☆ فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسرے کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کے دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے، اس کے پست ہونے کا اور تینوں عذر کا منشا و باعث، خیال بے پردگی زنانہ مکان مدعی ہے۔ اور لحاظ و خیال عورتوں کے پردہ کا علاوہ شرعاً و عقلاً ضروری و شعار شرفا ہونے کے اس شہر کے رسم و رواج میں داخل ہے۔ ☆ ساتھ ان سب عذر کے مدعی کا یہ بھی بیان ہوا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت و ضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں ہے جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو۔ ☆ بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ...... میرے سسرالی رشتہ دار میں ان کے یہاں کی عورتوں کی آمد و رفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔ ☆ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا۔ اور بجواب اس سوال کے کہ عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ایک ہمسایہ کی بے پردگی کب مناسب ہے؟ ☆ مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا بھی زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو۔ اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے مسل سے نکال کر سنایا۔ وہ یہ ہے:

"(نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت و کوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں۔" ☆ مدعی نے کہا کہ ان مردوں سے اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہو سکیں۔ پس میرے یہاں کی عورتوں کے لئے وہ لوگ ویسے ہی ہیں جیسے اور غیر مرد جن سے عورتوں کو ہماری پردہ کرنا ضرور ہے۔ ☆ مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنانہ کی صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھلائی جو...... کے عورتوں کی آمد و رفت کے لئے کھڑکی متنازع فیہ سے زیادہ مناسب بایں وجہ ہے کہ اس میں زینہ بنانے کی بھی حاجت نہیں۔ اس کی چھت کی سطح...... کی چھت کی سطح کے تقریباً برابر ہے اور یہ کہ کھڑکی متنازع فیہ ابھی اس کام کے لئے ناتمام ہے۔ اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے۔ بغیر اس کے کوئی عورت کیا معنی، مرد بھی...... کے مکان سے کھڑکی پر آ نہیں سکتا۔ ☆ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ہے۔ چونکہ میرا خیال یہ تھا کہ دونوں فریق میں تصفیہ برضامندی و صلح باہمی ہو جاتا تو بہتر تھا کہ کسی فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا۔ ☆ میں نے مدعا علیہ سے کہا کہ اس قدیمی راہ کو برقرار رکھئے۔ نئی کھڑکی کو جو ابھی نامرتب ہے، اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے، بند کر دیجئے کہ نزاع جاتی رہے۔ اس کی نسبت مدعا علیہ نے عذر کیا کہ وہ دوسرے مکان سے راہ ہے۔ اس سے ہم کو نفع نہیں۔ ☆ مگر یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو جو...... کی قریبی رشتہ دار ہیں اور گویا سب ایک ہی ہیں، غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ کھڑکی جدید جس چھت پر ہے، اس کے نیچے کے مکان مدعا علیہ میں اسی

کھڑکی کے محاذات میں ایک الماری ہے جس میں کواڑ، چوکھٹ سب کچھ موجود ہے۔ ☆ بنظر رفع نزاع بطور صلح باہمی یہ تجویز کیا گیا کہ بجائے اس کھڑکی کے الماری کھڑکی بنادی جائے۔ جو غرض کھڑکی کی بیان مدعا علیہ سے ظاہر ہے، وہ اس سے ساتھ اس آسانی کے حاصل ہوگی کہ زینہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ مگر اس کو بھی مدعا علیہ نے منظور نہیں کیا اور کوئی معقول وجہ بھی اس کی نامنظوری کی بیان نہ کرسکے۔ ☆ اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازع فیہ ہے، ویسی ہی ایک کھڑکی...... کے گھر سے مدعی کے مکان میں جانے کے لئے ہے اور میری لڑکیاں...... کے یہاں آتی ہیں پس جیسا کہ اندیشہ مدعی کو میری چھت کی کھڑکی سے اپنے یہاں کی عورتوں کی بے پردگی کا ہے، مجھے بھی اندیشہ اس کھڑکی سے ہے۔ مدعی اس کھڑکی کو بند کردیں تو مجھے بھی اپنی کھڑکی جدید بند کرنے میں عذر نہ ہوگا۔ میں نے اس کی نسبت مدعی پر زور دیا کہ وہ کھڑکی اپنی طرف بند کردیں تب مدعی اس شرط پر اس کے بند کرنے پر راضی ہوئے کہ...... تین بھائی ہیں اور تینوں میں یہ مکان مشترک ہے۔ ☆ اگر تینوں صاحب حلفاً بیان کریں کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف واندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہنچتی ہو یا اب تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو گو اس کھڑکی اور اس کھڑکی میں قدیم وجدید، مسلم ومقبول، نامسلم ونامنظور ہونے کا فرق ہے تاہم ہم کو بند کرنے میں عذر نہ ہوگا، ابھی ہم بند کر دیتے ہیں۔ ☆ اس پر...... نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی...... اور...... نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ پر کوئی وجہ وضرورت معقول نئی کھڑکی کے بننے کی اور اس سے بے پردگی زنانہ مکان مدعی کے نہیں ہونے کی صورت مدعا علیہ بیان نہ کرسکے اور مدعی نے اپنے زنانہ مکان کی بے پردگی دکھلایا اور اس کی نسبت آئندہ کے لئے بھی اندیشہ معقول طریق سے بیان کیا اور خود بیان حلفی مدعا علیہ سے اس اندیشہ کو مدعا علیہ کے سامنے ثابت کردیا۔ سوراخ دیوار کے بند کرنے میں مدعا کو عذر نہیں بلکہ ایک طرف سے اس کو بند بھی کردیا ہے۔ دیوار کے بلند کرنے میں کہ جس سے بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی بصورت کھڑے ہونے کسی مرد کے چھت پر متصل دیوار جاتی رہے۔ مدعا علیہ کو دو عذر ہوا: ایک یہ کہ اس دیوار سے متعلق ایک موری ہے جس سے موقع بلند کرنے اور دیوار پر زیادہ بار ڈالنے کا نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ اور طرف کی دیوار بھی بلند کرنی پڑے گی جس سے ہوا کارکاؤ ہوجائے گا۔ ☆ اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ بغور دیکھئے کہ دیوار بلند ہوسکتی ہے یا بلند کرنے میں دیوار کے اندیشہ نقصان دیوار یا موری کا ہے؟۔ انہوں نے بغور دونوں جانب دیوار کے ملاحظہ کرکے کہا کہ کوئی نقصان کسی طرح کا نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسرا عذر مدعا علیہ کا بھی قابل توجہ معلوم نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اولاً ایک جانب کی دیوار ذرا بلند ہونے سے ہر جانب کی دیوار اس کے برابر ہونا، ایسا ضرور امر نہیں ہے جیسی ضرورت بوجہ زوال ضرر ہمسایہ ایک طرف کی دیوار بلند کرنے میں ہے۔ ثانیاً اور طرف کی دیوار بلند کرنے میں بھی ہوا کارکاؤ بوجہ وسیع رہنے صحن کے نہیں ہوسکتا۔ ☆ مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاوسع اپنے بہت کوشش کی کہ صلح ورضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں پر

مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار مجھے خیال صلح کے فکر سے قطع نظر کر کے ہر عذروا لیشو کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس لئے میں نے کتب معتبرہ فقہ حنفیہ کی طرف رجوع کیا جس کے پابند فریقین اور خود ضعیف بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عموماً ہر ایسی کارروائی سے انسان روکا جائے گا جس سے ضرر بین ہمسایہ کو پہنچے اور سوراخ دروازہ سے بے پردگی ہونے کی صورت میں سوراخ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ علیٰ ھذا چھت پر چڑھنے سے بصورت بے پردگی زنان ہمسایہ کے تا حصول صورت پردہ منع کیا جائے گا۔ ان سب امور کی صراحت کتب فقہیہ حنفیہ میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض عبارات اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

درمختار چھاپہ کلکتہ کے ص ۴۹۹ میں مندرجہ عبارت ہے: ''اشتری دارا ودبغ وتاذی جیرانہ ان علیٰ الدوام یمنع وعلی الندرۃ یتحمل۔''

اس کی شرح میں ردالمحتار چھاپہ مصر جلد چہارم کے ص ۳۴۱ میں لکھا ہے: ''قال فی جامع الفصولین: والقیاس فی جنس ھذہ المسائل ان من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع ولو اضر بغیرہ لکن ترک القیاس فی محل یضر لغیرہ ضررا بینا قیل وبہ اخذ کثیر من المشایخ وعلیہ الفتویٰ اھ۔''

فتاویٰ خیریہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۰۲ میں ہے: ''(سئل) فی الجار یرید فتح کوۃ علی جارہ وفی ذلک اطلاع علی عوراتہ وحریمہ اوبناء غرفۃ او حائط علی جدار مشترک بینھما ھل یمنع من ذلک ام لا (اجاب) اما مسئلۃ فتح الکوۃ ففیھا استحسان وقیاس والاستحسان المنع وعلیہ الفتویٰ کما نقلہ فی التتارخانیۃ قبل مسئلۃ الکوۃ بقلیل۔ والحاصل فی ھذہ المسئلۃ واخواتھا ان القیاس کل من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع فی الحکم وان کان یودی الیٰ الحاق الضرر بالغیر لکن ترک القیاس فی مواضع یتعدی ضرر تصرفہ الیٰ غیرہ ضررا بیّنا وقیل بالمنع مطلقاً وبہ اخذ کثیر من مشایخنا وعلیہ الفتویٰ انتھی۔'' ومثلہ فی فصول العمادی وکثیر من الکتب انتھیٰ بقدر الضرورۃ۔

تنقیح فتاویٰ حامدیہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۶۵ میں ہے: ''(سئل) فیما اذا کان کل من جارین سطح بیت فی دارہ مساو سطح الآخر وصار الآن احدھم یصعد الی سطحہ واذا صعد یقع بصرہ فی دار جارہ علی حریمہ ویرید الجار منعہ من الصعود حتی یتخذ سترۃ فھل للجار ذلک (الجواب) نعم انتھیٰ بقدر الحاجۃ۔''

مطابق حکم شرعی ومضمون عبارات مذکورہ کتب معتمدہ حنفیہ وموافق رسم ورواج شرفا شہر کے فیصلہ ہر عذروا ستغاثہ کا حسب تفصیل ذیل ہے:

(۱) عذر کھڑکی: کھڑکی بند کر دی جائے۔ (۲) متعلق سوراخ دیوار کھڑکی: مستحکم طور پر بند کر دیا جائے۔ (۳) متعلق پستی دیوار: وہ دیوار اس قدر بلند کر دی جائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا اس چھت پر کہیں کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہیں ہو۔ (۴) کوٹھری متنازع فیہ کے چھت پر تا حصول صورت پردہ چڑھنے کی ممانعت۔ (۵) آئندہ کے لئے مدعاعلیہ کو خیال رکھنا چاہئے۔ گاہے ایسی کارروائی وعمل مدعاعلیہ نہ کریں جس سے کسی طرح بے پردگی مکان مدعی کی مشہور ہو۔ (نقل

دستخط) تاریخ ۳۰ رمئی ۱۹۱۸ء

(۱) فیصلہ ثالثی ملاحظہ ہوا۔ اس فیصلہ کو شروع سے آخر تک پڑھنے والا آسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ ہوشیار مجوز نے کسی خاص اثر سے متاثر ہو کر محض یک طرفہ فیصلہ دیا ہے۔ اگر یہ فیصلہ ایسے شخص کا نہ ہوتا جو عالم مشہور ہے تو کسی طرح یہ کہنا ناجائز نہ ہوتا کہ ہوشیار مجوز نے ایسا مہمل فیصلہ دیا ہے جو کسی طرح نہ قواعد شرعیہ پر ٹھیک اترتا ہے نہ قواعد عقلیہ پر نہ عرف ورواجات رسمیہ پر۔

(۲) ظاہر ہے کہ ثالث کو فی نفسہ کوئی ولایت شرعیہ نہیں۔ محض فریقین کے رضاء وقبول کی وجہ سے اس کا حکم ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے۔ اسی لئے قبل حکم، فریقین میں ہر شخص کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ ہدایہ جلد سوم ص ۱۴۳ میں ہے:

"ولكل واحد من المحكمين ان يرجع مالم يحكم عليهما لانه مقلد من جهتهما فلا يحكم الا برضاهما جميعا۔"

اور فریقین میں سے جو شخص چاہے ثالثی کو قبل حکم توڑ سکتا ہے۔

درمختار جلد ۴ باب التحکیم ص ۳۶۳ میں ہے: "وينفرد احدهما بنقضه اى التحكيم بعد وقوعه" بعد نقض ورجوع ثالث جو کچھ فیصلہ کرے گا محض باطل ونامقبول ہوگا۔

جامع الرموز ص ۵۹۱ میں ہے: "(ولكل منهما) اى الخصمين (ان يرجع) عن التحكيم (قبل حكمه عليهما فالعزل غير محتاج الى الاتفاق بخلاف التحكيم ولذا لو حكم بعده لم ينفذ"۔

جیسا کہ ذی علم مجوز سے بھی پوشیدہ نہ ہوگا باوجود اس کے جب ۲۸ مئی روز سہ شنبہ کو وقت ملاحظہ رفتار وگفتار، اقوال وافعال سے مدعا علیہ کو شبہ ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب فیصلہ بروئے انصاف ناممکن ہے اور وہی ہوا جو اس نے خیال کیا تھا تو اسی وقت اس نے اپنے بچا کو بھیج کر منع کر دیا کہ آپ تکلیف فیصلہ نہ فرمائیں، یہ مقدمہ کچہری جا کر فیصل ہوگا۔ جس پر ان کے مشیر و وزیر با تدبیر نے بھی کہا کہ مولانا اٹھا یئے پھینکئے، آپ کہاں اس بلا میں پڑتے ہیں؟۔ پھر اس خیال سے کہ شاید ایک آدمی کا بیان کافی نہ ہو بعد مغرب تکمیل عدد کر کے بھیجا مگر مجوز صاحب نے دردسر کا عذر فرمایا، ملاقات نہ کی اور صبح کے وقت بلایا۔ صبح کو جب یہ دونوں پہونچے تو قبل اطلاع ایک لڑکے سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کیا کر رہے ہیں؟۔ معلوم ہوا کہ چند کتابیں ان کے سامنے ہیں، کچھ لکھ رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اطلاع کرائی تو پھر وہی رات والا جواب آیا کہ غایت دردسر کی وجہ سے پریشان ہیں، باہر نہیں آسکتے۔ کہا گیا کہ ذرا پردہ کرا دیا جائے کہ خود ہم دونوں حاضر ہو کر ایک بات کہہ دیں مگر یہ بھی مقبول نہ ہوا۔ مانا کہ ایک دو شخص کی زبانی ممانعت کچہری کے ذریعہ ثالثی کے مقابل با وقعت نہ ہو مگر ایک مسلمان خصوصاً عالم کے لئے اتباع احکام شرعیہ مقدم ہے۔ وہ بھی ایسی صورت میں کہ کچہری سے قبول ثالثی پر جبر نہیں اور شرعاً بعد فسخ تحکیم حکم ناجائز۔

(۳) بجز چند مسائل کے جن میں مسئلہ دائرہ نہیں، بالعموم ثالث مثل قاضی ہے۔

ردالمحتار جلد۴ص ۳۶۲ میں ہے: ''الحکم کالقاضی۔''

اور قاضی یا ثالث کے پاس مسل اسی لئے بھیجی جاتی ہے کہ عرضی دعویٰ وبیان تحریری ودیگر ضروری مفید باتیں اس سے اخذ کرسکے جس بناپر اسے فیصلہ دینا ہوگا۔اسی لئے قاضی کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا ناجائز ہے۔

الاشباہ والنظائرص ۳۱۷ میں ہے: ''الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین''۔

علماء کرام نے مفتی اور قاضی میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ اپنے علم ودیانت کے مطابق فتویٰ دے اور قاضی پرواجب ہے کہ روداد مقدمہ کی بناپر فیصلہ فرمائے۔

بزازیہ پھر درمختار جلد۴ص ۳۱۸ میں ہے: '' المفتی یفتی بالدیانۃ والقاضی یقضی بالظاہر۔''

مگراس فیصلہ ثالثی میں شروع سے آخر تک کسی جگہ بھی مسل سے کام نہ لیا گیا۔ہاں ایک جگہ بیان حلفی مدعاعلیہ نمبر۵ کا تذکرہ اس لئے آیا ہے کہ اس سے مدعاعلیہ کے اقوال میں تعارض ثابت کیا جائے مگروہ بھی بےلوث رہا کہ تناقض کے لئے ہشت وحدات کی ضرورت ہے۔جس کا بیان عنقریب آتا ہے۔

(۴) تحکیم کے الفاظ اگرچہ ظاہراً عام ہوتے ہیں کہ یہ جو کچھ فیصلہ دیں گے،قبول ہے۔مگراہل عقل پر پوشیدہ نہیں کہ ثالث شرعاً شتر بےمہار نہیں کہ قلم اٹھاکر آم املی جوکچھ چاہے لکھ دے۔بلکہ اس کو حجت ودلیل کے موافق فیصلہ دینا چاہئے ورنہ وہ نافذ نہ ہوگا۔

درمختار جلد۴ص ۳۶۳ میں ہے: ''حکما رجلا فحکم بینھما ببینۃ او اقرار او نکول ورضیا بحکمہ صح لو فی غیر حد وقود ودیۃ علی عاقلۃ''۔

بحرالرائق جلد۷ص ۲۸ میں ہے: ''وشرط ان یکون حکمہ بحجۃ من الثلاث لیوافق حکم الشرع والا یقع باطلا وظاہرہ انہ لا یحکم بعلمہ ولم ارہ صریحا''۔

الاشباہ والنظائرص ۳۶۰ میں ہے: ''الحجۃ بینۃ عادلۃ او اقرار او نکول عن یمین او یمین او قسامۃ او علم القاضی بعد تولیتہ او قرینۃ قاطعۃ وقد اوضحناہ فی الشرح من الدعوی الا ان الفتوی علی قول محمد المرجوع الیہ انہ لا اعتبار بعلم القاضی وفی جامع الفصولین وعلیہ الفتوی وعلیہ مشایخنا کما فی البزازیۃ من المسائل المخمسۃ من الدعوی''۔

علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ ارکان قضا چھ ہیں یعنی اگران میں ایک بھی ساقط ہوگا تووہ قضا،قضا نہ سمجھی جائے گی۔

درمختار جلد۴ص ۳۰۹ میں ہے: ''وارکانہ ستۃ علی ما نظمہ ابن الفرس بقولہ ؎

اطراف کل قضیۃ حکمیۃ ست یلوح بعدھا التحقیق

حکم ومحکوم بہ ولہ و محکوم علیہ وحاکم وطریق

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "قوله وطريق، طريق القاضي الى الحكم يختلف بحسب اختلاف المحكوم به والطريق فيما يرجع الى حقوق العباد المحضة عبارة عن الدعوى والحجة وهي اما البينة او الاقرار او اليمين عنه الخ"

اور ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ محض بے حجت ہے تو اسے فیصلہ کہنا اور سمجھنا ایک فرضی بات ہے ورنہ ایک ردی کاغذ ہے جو مدعی کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔

(۵) یہ سب اس صورت میں ہے کہ تحکیم صحیح ہو اور ثالث شرعاً بھی ثالث ٹھہرے، ورنہ یہاں تو سرے سے فیصلہ کنندہ شرعاً ثالث ہی نہیں۔ اس لئے کہ ثالثی کے لئے قبول ثالث ضروری ہے ورنہ اس کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷ میں ہے: "وركنه اللفظ الدال عليه مع قبول الآخر فلو حكما رجلا فلم يقبل لا يجوز حكمه الا بتجديد التحكيم كذا في المحيط"۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۶۲ میں ہے: "(قوله وركنه) اى ركن التحكيم لفظه الدال عليه اى اللفظ الدال على التحكيم كاحكم بيننا او جعلناك حكما او حكمناك في كذا فليس المراد خصوص لفظ التحكيم (قوله مع قبول الاخر) اى المحكم بالفتح فلولم يقبل لا يجوز حكمه الا بتجديد التحكيم بحر عن المحيط"۔

ثالث صاحب کا دستخطی خط جو شیخپورہ ضلع مونگیر سے ۲ شعبان ۱۳۳۶ھ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"آپ لوگوں کے تعمیل امر میں مجھے عذر نہیں ہے لیکن بعد یاد دلانے اس امر کے کہ جامع مسجد میں آپ اور جناب اچھے میاں صاحب نے میری ثالثی کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اولاً میں نے تامل و عذر کیا تھا۔ من بعد اس شرط پر منظور کرنے کے متعلق سکوت کیا تھا کہ کوئی اور ایک صاحب واقف کار جو اندرونی حالات اختلاف و وجوہ نزاع سے آگاہ ہوں، میرے شامل کئے جائیں"۔

اس سے صاف ظاہر کہ ثالث صاحب نے قبول اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ ایک واقف کار شامل کئے جائیں اور ظاہر ہے کہ کوئی واقف کار شامل نہ کیا گیا تو بحکم اذا فات الشرط فات المشروط قبول تحکیم فوت ہوا، جس سے عدم ثبوت تحکیم و ثالثی بھی واضح ہے۔

(۶) بفرض ثبوت تحکیم اگر روداد مقدمہ سے منہ موڑ کر صرف اسی وقت کی باتوں پر فیصلہ کا ارادہ تھا تو نظر بحال زمانہ لوگوں کے بیانات قلمبند کرنا ثالث صاحب کا فرض منصبی تھا تاکہ وقت فیصلہ ان لوگوں کے واقعی بیانات پیش نظر رہتے۔ مگر ایسا نہ ہوا بلکہ مجوز صاحب نے بیانات سن کر صرف اپنی یاد پر بھروسہ کیا اور تین دن کے بعد فیصلہ دیا، جس کا لازمی نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا کہ بہت سی باتیں خیال سے جاتی رہیں، بعض باتیں الٹ پلٹ فیصلہ میں درج ہیں، بعض باتیں مع حواشی و زوائد ہیں۔

فتاویٰ فقیہ النفس قاضی خان جلد ۳ ص ۴۷ میں ہے: "واذا ادعى المدعى شيئا على المدعى عليه يكتب القاضي على بياض صورة الدعوى ثم يقول للمدعى عليه ماذا تقول فان اقر بما ادعاه المدعى اثبت

اقراره فی کتابه ویامر المدعیٰ علیه بایفاء الحق وان انکر یکتب انکاره فی ذلک ثم یامر المدعی باقامة البینة وهذا کان فی عرفهم اما فی عرفنا المدعی یجیء الی کاتب القاضی فیخبره بکیفیة دعواه ویصور عنده صورة الدعوی فیکتب الکاتب ذلک ثم یجیء الی القاضی مع خصمه ویدعی علیه فان اقر خصمه اثبت القاضی اقراره فی الکتاب ویامره بقضاء الحق وان انکر امر المدعی باقامة البینة فان جاء المدعی بشهود فشهدوا عنده علی الترتیب یکتب القاضی شهادة کل شاهد ویکتب اسمه واسم ابیه وجده"۔

"یعنی زمانہ سلف میں قضا کا یہ دستور تھا کہ جب مدعی کسی امر کا مدعا علیہ پر دعویٰ کرتا، قاضی ایک سادہ کاغذ پر اس دعویٰ کو لکھتا پھر مدعا علیہ سے پوچھتا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اگر وہ دعویٰ کا اقرار کرتا، اس کے اقرار کو اپنی کتاب میں لکھ لیتا اور مدعی کو ڈگری دیتا اور مدعا علیہ کو ایفاء حق کا حکم کرتا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا تو قاضی اس کے انکار کو بھی لکھ لیتا پھر مدعی کو گواہ لانے کے لئے کہتا اور ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ ہے کہ مدعی پیشکار کے پاس جاکر اپنا دعویٰ بیان کرتا، پیشکار اسے لکھتا پھر مدعی مع مدعا علیہ قاضی کے پاس آتا اور اس پر دعویٰ کرتا تو اگر مدعا علیہ اقرار کرتا، قاضی اس کے اقرار کو درج کتاب کر کے قضاء حق کا حکم دیتا اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعویٰ کا انکار کرتا تو قاضی مدعی کو حکم دیتا کہ گواہ پیش کرے۔ اگر مدعی گواہوں کو لاتا جو ترتیب وار گواہی دیتے۔ قاضی ہر شخص کی گواہی لکھتا اور ہر گواہ کا نام مع اس کے باپ اور دادا کے لکھتا۔"

تو صورت واقعہ میں جب کہ ذی علم ثالث نے مسل سے کام نہ لیا یا اس کے انگریزی اور ہندی ہونے کے سبب اس کے سمجھ سے قاصر تھے اور ترجمہ کرانے کی زحمت بھی گوارانہ کی اور ان سب تحریرات کو کان لم تکن جانا تو اب اپنے اسلامی قاعدہ پر روداد مقدمہ کو بنانا چاہئے تھا۔ یعنی پہلے مدعی کا دعویٰ دریافت کر کے اس کو قلمبند کرنا تھا بعد ازاں مدعا علیہ سے دریافت کرنا تھا۔ اگر وہ اقرار کرتا اس بنا پر فیصلہ دیتے اور جب اسے انکار تھا تو مدعی سے اصل دعویٰ پر گواہان طلب کرنا تھا اور ان لوگوں کی گواہی مع نام ہر گواہ وابیت وغیرہ لکھنا تھا تاکہ فیصلہ مطابق اصول شریعت مطہرہ ہوتا۔

(۷) مدعی کا دعویٰ دفع ضرر بے پردگی ہے۔ اس ضرر کے تین سبب اس نے بیان کئے۔ ایک جدید کھڑکی، دوسرے کھڑکی کے اوپر سوراخ، تیسرے اس دیوار کا جس میں یہ کھڑکی لگائی گئی ہے، پست ہونا۔ ہمارے ائمہ کرام کے اصل مذہب میں تو یہ دعویٰ سرے سے نامسموع ہے اور استحسان متاخرین پر اس وقت قابل سماعت ہے کہ ضرر من کل الوجوہ جانب مدعا علیہ سے ہو کہ اس کے دفع کی تدبیر مدعی کے ہاتھ میں نہ ہو ورنہ خود اپنا ضرر دفع کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے دوسرے کی گلو گیری باطل ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس قول اخیر پر کہ دعویٰ سننے کے قابل تھا قواعد شرع وعقل کے مطابق مدعا علیہ سے اس کے متعلق دریافت کرنا تھا۔ مدعا علیہ اگر اقرار کرتا کہ واقعی ضرر بے پردگی ہے، جس کا چارہ مدعی کے پاس کوئی نہیں، تو اسے اس سے منع کرنا تھا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا مدعی سے گواہان طلب کرنا تھا۔ مگر اس کے بالکل خلاف مسائل شرعیہ سے ذہول یا تجاہل کی وجہ سے پاؤں کی جگہ سر سے چلنا پڑا کہ اصل کو باعث ومنشا سمجھا اور باعث ومنشا کو اصل قرار دے کر تجویز میں لکھا:

''فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ایک جدید کھڑکی کا، دوسری کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کی دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے اس کے پست ہونے کا، اور تینوں عذر کا منشاو باعث خیال بے پردگی زنانہ مکان مدعی ہے''۔

اس اصل فاسد کی وجہ سے جتنی کارروائیاں ہوئیں اور جس قدر زور آزمائیاں کی گئیں، سب بناء فاسد علی الفاسد ہیں۔

(۸) ''مدعی نے علاوہ ان تین عذروں کے یہ بھی بیان کیا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو''۔ضرورت مند آدمی اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔عربی میں ضرب المثل ہے اهل الغرض مجنون مدعی نے اگر ایسی بے علاقہ فضول بات کہی تو کیا الزام کہ وہ نہ مسائل شرعیہ کا عالم ہے، نہ مطابق شرع دعویٰ کرنے بیٹھا ہے۔اس کا نصب العین حصول مقصد ہے۔جس جس طرح ممکن ہو، ادنیٰ ادنیٰ بات جسے اپنے لئے مفید خیال کرے، پیش کرنے پر جبلۃً مجبور ہے کہ الغریق یتشبث بکل حشیش مگر تعجب اور بسا تعجب ذی علم مجوز سے ہے کہ انھوں نے اس بے تعلق بات کو نہ صرف مفید ہی سمجھا بلکہ فیصلہ کا مدار اسی کو قرار دیا کہ فرماتے ہیں:

''بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ بکو میاں میرے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ان کے یہاں کی عورتوں کے آمدورفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔''

اس جگہ ذی علم مجوز کا کام تھا کہ مدعی کو روکتے اور کہتے کہ یہ عذر سرے سے لغو ہے۔

اولاً اس لئے کہ کسی شخص پر ضرور نہیں کہ صرف بقدر ضرورت وحاجت اپنی ملک سے انتفاع کرے اور دوسروں کی نفسانیت وخود غرضی کو مقدم رکھے اور مدعی کو سمجھانا تھا کہ شرعاً اشیا سے انتفاع کے پانچ مرتبے ہیں۔ضرورت حاجت منفعت زینت فضول۔مثلاً ضرورت وہ ہے کہ بغیر اس کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ قوی ہو۔یہ وہ صورت ہے جس میں مردار تک کھانا جائز رکھا گیا ہے۔حاجت وہ کہ بغیر اس کے ہلاک تو نہ ہوگا مگر معتد بہ مشقت وتکلیف ہوگی۔یہ وہ صورت ہے کہ اس میں روزہ قضا کرنا درست ہے۔منفعت وہ کہ بغیر اس کے نہ ہلاک ہوگا، نہ مشقت مگر تحصیل نفع ہے مثلاً گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت۔زینت کہ محض لذت وتجمل مقصود ہو جیسے باقر خانی، پراٹھا، خصی کا قورمہ کھانا، عمدہ دریوں، نفیس چاندنیوں، بہترین قالینوں، اچھے گاؤ تکیوں، شیشہ وآلات سے مکان کو سجانا وغیرہ۔فضول مال حرام یا مشتبہ سے وسعت کرنا۔

حموی شرح اشباہ صفحہ ۱۰۸ میں ہے:''فی الفتح ههنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول فالضرورة بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك اوقارب وهذا يبيح تناول الحرام والحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما ياكله لم يهلك غير انه يكون فى جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم والمنفعة كالذى يشتهى خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم والزينة كالمشتهى بحلوى والسكر والفضول التوسع باكل الحرام والشبهة''۔

تو جب شرعاً یا عقلاً کسی شخص پر ہرگز ضرور نہیں کہ دوسرے کی خاطر صرف ضرورت یا حاجت پر اکتفا کرے اور اپنی

منفعت وزینت کوترک کرنے پر مجبور کیا جائے۔ احکم الحاکمین عزجلالہ فرماتا ہے: ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ'' (الاعراف: ۳۲) ''تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت اوراس کی پاکیزہ دی ہوئی چیزیں'' (ساحل) تو ایسی بات کو درمیان میں لانا محض فضول ہی فضول تھا۔

ثانیاً خصوصاً جب کہ مدعی کو خود اقرار ہے کہ اس کی مدعا علیہ کو حاجت ہے مگر میرے ضرر کے مقابل کم ہے۔ اگر چہ مرتبۂ ایثار اعلیٰ مرتبہ ہے مگر وہ مقدمہ دائر کر کے نہیں حاصل کیا جاتا۔ اگر اس پر فیصلہ یا فتویٰ دیا جائے تو جملہ اہل نعم کو قدر ضرورت وحاجت کے سوا بقیہ نعمتوں سے دست برداری دینی ہوگی۔ اس لئے کہ اگر چہ ایک شخص کو ادب نماز اور اپنی وضع وہیات کے استحفاظ کو کرتے کے اوپر انگرکھے یا چادر اور ٹوپی پر عمامے کی حاجت ہے، مگر ایک غریب آدمی کا ضرر سردی وبے ستری کے مقابل کم ہے۔ یا کسی کھاتے پیتے شخص کو اگر چہ بارش وغیرہ سے تحفظ کے لئے پختہ مکان کی حاجت ہے مگر اس مسکین کی ضرورت سے کم ہے جس کے چھپر پر پھونس نہیں۔ تو کوئی بیوقوف ضرورت منداس قسم کا دعویٰ دائر کرسکتا ہے اور کیا کوئی عقل سے دور مجوز اس دعویٰ کو سن کر اس متنعم سے انگرکھے اور چادر اور عمامے اور پختہ مکان کی ضرورت کا سوال کر سکتا ہے۔؟ نہیں نہیں، ہر گز نہیں۔

ثالثاً وہ تین باتیں جس کے متعلق مدعی کا بیان ہے کہ اس کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو، دیوار میں کھڑکی لگانا، کھڑکی کے اوپر دیوار میں سوراخ رہنے دینا، دیوار کا پست ہونا ہے۔ انھیں تینوں کے ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کو مدعی نے بیان کیا اور ذی علم مجوز نے تسلیم کیا۔ حالانکہ امر سوم یعنی دیوار پست ہونے کے متعلق یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس دیوار اٹھانے کا سبب خود مدعی نے بیان کیا کہ چونکہ میرے مکان سے مدعا علیہ کا مکان بے پردہ ہوتا تھا، اس بے پردگی کو دفع کرنے کو مدعا علیہ نے یہ دیوار اٹھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ بے پردگی محاذات سے ہوتی ہے اور اس کا دفع اس کے انسداد سے اور محاذات جانبین سے ہے تو اس کا نسداد بھی اگر ہوگا، جانبین سے ہوجائے گا۔ زید وعمرو کے مکانوں میں باہم بے پردگی تھی کہ ایک دوسرے کے محاذی تھے۔ ایک دیوار بنائی گئی جس نے مکان عمرو کو محاذی مکان زید نہ رکھا۔ لیکن مکان زید اب بھی محاذی مکان عمرو ہے۔ یہ ایک ہاتھ کی تالی کیسی؟۔

فصول عمادی سے آتا ہے: ''انه ان كان يقع بصره عليهم في السطح يقع بصرهم عليه ايضا في السطح۔'' تو ظاہر ہوا کہ دعویٰ باقرار مدعی باطل ومدفوع اور الزام محض ہباءً منثورا۔ یوں ہی امر دوم یعنی اس دیوار میں کھڑکی سے اوپر سوراخوں کا ہونا اور اس کی ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کا ادعا اور اس کی وجہ سے بے پردگی کا الزام، اس نے بھی اسی طرح صاف کھول دیا کہ اصل منشاء مقدمہ، محض نفسانیت ہے اور بے پردگی کا دعویٰ محض لفظ جس کے نیچے معنی نہیں۔ اس لئے کہ دیوار کے سوراخوں کی تین شکلیں ہوتی ہیں اول وہ سوراخ کہ اندرونی وبیرونی دونوں جانب سے ایک سطح میں ہو جیسے یہ سب سوراخ ہیں۔ دوم وہ کہ بیرونی جانب اندرونی سے بلند ہو جیسے اکثر شعاع دانوں میں ہوتا ہے۔ سوم بیرونی سطح

اندرونی سے پست ہو جیسے قلعے کے روزن، تو پہلی صورت میں جب کہ سوراخ چھوٹے چھوٹے ہوں نگاہ سیدھی بخط مستقیم جائے گی۔ یعنی جتنی بلندی رائی (دیکھنے والے) کی آنکھ کی ہوگی، خطوط شعاعی بھی اتنی ہی بلند اپنے نہایت مسافت تک جائیں گے۔ اور شکل دوم میں جس قدر خط شعاعی دور جائے گا، سطح بصر سے بلند و بالا ہوتا جائے گا اور شکل سوم میں اس کے برعکس، جس قدر دور ہوگا اسی قدر پست ہوتا ہوا زمین تک پہونچ جائے گا۔ اور دیوار اس کے سوراخوں کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ وہ سب سوراخ مربع ہیں جن کے اضلاع ڈھائی انچ سے زیادہ نہیں اور وہ دیوار کے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے ایک ہی سطح میں ہیں، تو ان سوراخوں سے کسی طرح بے پردگی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان سوراخوں سے مدعی کے مکان کے اوپر کی ہوا جو اس سہ منزلہ کے محاذات میں ہے البتہ دکھائی دے گی۔ اس کے سوا کوئی حصہ مکان کا یا رہنے والا ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا تو اس کو بھی معرض عذر قرار دینا، سوا نفسانیت اور تعدی کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ غرض امر دوم وسوم محض لغو بے معنی ہیں۔ ہاں امر اول ایک ایسا امر ہے کہ بادی النظر میں اعتراض کا منشاء اور بے پردگی کا سبب ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

(۹) ذی علم مجوز کا مدعا علیہ سے کھڑکی کی ضرورت کا سوال بھی اسی مسئلہ فقہیہ سے غفلت کی وجہ سے ہوا۔ اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب حکم دیا کہ جس چیز کی ضرورت ہو، اسی کا کرنا جائز ورنہ ناروا؟۔ یہاں تو مدعا علیہ نے ایک دو وجہ بیان بھی کیں ورنہ اس کے لئے سب وجہوں سے بڑی وجہ یہی کافی ہے کہ ہم نے اپنے خالص ملک میں تصرف کیا ہے۔ دوسرے کو اس کی ضرورت جبراً دریافت کرنے کا کیا اختیار؟۔

الاشباہ والنظائر ص ۴۳۹ میں ہے: "له التصرف فی ملكه وان تاذى جاره فی ظاهر الرواية"

علامہ ابن الشحنہ شرح وہبانیہ میں فرماتے ہیں: "وفی حفظی عن ائمتنا الخمسة ابی حنيفة وابی يوسف ومحمد وزفر والحسن بن زياد انه لا يمنع من التصرف فی ملكه وان اضر بجاره وفی الفتاوىٰ عن استاذنا انه يفتی بقول الامام وهو الذی اميل اليه واعتمده وافتی به تبعا لوالدی شيخ الاسلام اه ذكره الحموی فی شرح الاشباه ص ۴۳۹ والعلامة زين بن نجيم فی البحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ وارتضاه بالقبول وقال ورجح فی الفتح ايضا جواب الرواية وقال انه ظاهر المذهب"

"یعنی مالک کو اپنے ملک میں کامل تصرف کا اختیار ہے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف پہنچے۔ یہی ظاہر الروایہ ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہمارے پانچوں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مالک اپنے ملک میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جائے گا اگرچہ اس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف پہونچے۔ اور فتاوی میں ہمارے استاد سے ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی وہ قول ہے جس کی طرف میں مائل ہوں اور اس پر اعتماد کرتا ہوں اور اپنے والد شیخ الاسلام کی تبعیت میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں"۔

تو جب حسب تصریح علماء مجھے اپنے ملک میں تصرف کا پورا پورا حق ہے اور یہ مسئلہ ہمارے ائمہ ثلثہ کیا ائمہ خمسہ کا متفق علیہا ہے تو اس کے متعلق مجھ سے ضرورت کا سوال کس قدر بے معنی اور عقل و شرع سے بعید ہے؟۔ اگر اس سے کسی کی

بے پردگی ہوتی ہو تو وہ اپنے پردہ کا انتظام کرے۔ علماء کرام نے تو خاص اس کا جزئیہ لکھا ہے پھر اس قدر طوالت کیا معنی رکھتی ہے؟۔

فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۰۵ میں ہے: ''لو فتح صاحب البناء فی علو بنائه بابا او کوة لا یلی صاحب الساحة منعه بل له أن یبنی ما یستر جهته۔''

''یعنی اگر مکان والے نے اپنے مکان کے حصہ بالائی میں دروازہ یا روشن دان کھولا تو اس کے پڑوسی کو جس کی زمین اس کے متصل ہے، اپنی بے پردگی کی وجہ سے منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو یہ پہنچتا ہے کہ کوئی دیوار بنالے جو اس کی جانب کا پردہ کرے۔''

کتب فن میں اس قدر وضاحت کے ساتھ تصریح جزئیہ ہونے پر ثالث صاحب کا مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کرنا اور اس بنا پر اصل قضیہ کا خرد کر دینا کس درجہ فقاہت سے بعید ہے۔

(۱۰) ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ ''اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا'' اس کا منشاء مسل سے منھ موڑنا اور بیانات واظہارات کو قلم بند کرنا ہے۔ مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا کہ ۲۷ مئی کو مدعی نے اپنے دو گواہ پیش کیے۔ گواہ نمبرا نے کہا کہ میں نے اوپر جا کر نہیں دیکھا کہ اس کھڑکی سے بے پردگی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس پر مدعی نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے اس پر کبھی غور کیا کہ اس کھڑکی سے سوائے میری بے پردگی کے کیا فائدہ ہے، کیوں بنوائی گئی ہے؟ گواہ نے کہا کہ ہاں میں نے اس پر غور کیا ہے مگر میرے نزدیک اس کے بنوانے کی غرض آپ کی بے پردگی درست نہیں۔ اس لئے کہ مالک مکان کو بے پردگی مقصود ہوتی تو اسے پچھم طرف دیوار بنوانے اور اس میں کھڑکی لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ سرے سے دیوار ہی نہ بناتا۔ صرف منڈیر رہنے دینے سے یہ مقصد بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتا۔ اس پر مدعی نے کہا کہ اس دیوار بنوانے کی وجہ میں بتاتا ہوں۔ جب مدعا علیہ نے دو منزلہ پر کوٹھری تعمیر کی تو وہ میرے مکان کے سامنے ہونے کی وجہ سے میرے مکان سے بے پردہ تھی۔ یہاں تک کہ میرے مکان سے اس کوٹھری کی چارپائی تک معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے مدعا علیہ کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ دوسرے دن ۲۸ مئی کو وقت معاینہ جس طرح بخت واتفاق سے ایک انجینیر یا کم از کم اوور سیر صاحب موجود تھے۔ جن کے متعلق ذی علم ثالث نے لکھا: ''اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے''۔ اسی طرح حسب اتفاق دوسرے دن وہ گواہ صاحب بھی موجود تھے جن کو مدعی نے کھڑکی کے قریب کھڑا کر کے اپنے یہاں کی بے پردگی دکھائی اور کل کے تقریر کی تفہیم میں یوں لب کشائی کی کہ دیکھئے یہ کوٹھری میرے اس مکان سے بے پردہ ہوتی تھی۔ اس لئے ان کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس پر اس گواہ نے کہا کہ واقعی یہ دونوں مکان اس طرح آمنے سامنے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے مکان سے آپ کا مکان بے پردہ ہوتا ہے اور آپ کے مکان سے ان کا۔ تو جس طرح بقول آپ کے، آپ کے مکان سے اپنے مکان کی بے پردگی دفع کرنے کو مدعا علیہ نے اپنی غربی دیوار اس قدر بلند کر دی ہے جس سے وہ بے پردگی جاتی رہی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اپنے مکان کی ان کے مکان سے بے پردگی دفع کرنے کو اپنی مشرقی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ گواہ نمبر ۲ سے

جب کھڑکی کی ضرورت وفائدہ کا سوال ہوا، اس کے جواب میں کہا کہ سہ منزلہ کی چھت چاروں دیواروں سے گھری ہونے کی وجہ سے وہاں ہوا کی آمد بہت کم ہوگئی تھی۔ اس لئے ہوا آنے کے لئے وہ کھڑکی کھولی گئی ہے تا کہ اس کے ذریعہ آمد ورفت ہوا کی ہو اور وہ مکان رہنے کے قابل ہو۔ ذی علم مجوز کے متعلق یہ خیال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ اظہار و بیان انھیں یاد تھا اور یہ ضرورت ان کے پیش نظر تھی پھر بھی جان بوجھ کر دوسری ضرورت سے انکار کیا بلکہ یہ ساری خرابی مسل ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمانے اور بیانات کو قلم بند نہ کرنے کی ہے۔ ہاں یہ امر ضرور تعجب خیز وحیرت انگیز ہے کہ باوجود یکہ مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور ثالث صاحب نے ان کی گواہیاں سنیں مگر مسل میں اس کا کسی جگہ تذکرہ تک نہیں۔ حالانکہ شرعی حیثیت میں ان لغویات سے، جن سے کئی صفحے سیاہ کئے گئے ہیں، کہیں زیادہ قیمتی وہ بیانات تھے کہ یہ رکن مقدمہ ہیں۔ بخلاف ان مہمل تجاویز و منشورات لایعنی کے کہ ''بجوے نمی ارزند'' سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے۔

(۱۱) ذی علم ثالث کا مدعی کے ایک سوال کے جواب میں مدعا علیہ کا جواب نقل فرمانا کہ ''مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا ابھی زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی ہے، جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو'' پھر مدعی کا اعتراض ذکر کرنا کہ ''اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے، مسل سے نکال کر سنایا وہ یہ ہے: نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت و کوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست واحباب آیا کرتے ہیں'' مقصود اس سے مدعا علیہ کے دونوں باتوں میں تعارض وتناقض ثابت کرنا ہے مگر

اولاً بیان حلفی نمبر ۵ میں خاص ایک حالت کا تذکرہ ہے کہ مدعا علیہ کی لڑکی بوجہ بیماری ہوا صاف لینے کے لئے چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے اور عیادت کرنے والے حضرات اس کی عیادت کو آتے ہیں۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ علالت کی حالت، عام حالتوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں جسے کوئی شریف آدمی کیا گنوار تک ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کر سکتا، علالت کی حالت میں ان سے بدرجہا زائد مجبوراً روا رکھی جاتی ہیں۔ کیا کوئی شریف آدمی اپنے متعلقین کو کسی میدان کے کھلے ہوئے مکان میں رکھنا پسند کر سکتا ہے جہاں نہ پردے کی دیوار ہو، نہ کسی شخص کے آنے کی ممانعت۔ دوست دشمن، موافق مخالف، شریف گنوار، معزز بے عزت، چوہڑا چمار، جو شخص چاہے وہاں جاسکے، کسی کی ممانعت نہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے مدعیان شرافت کو پہاڑوں پر قیام کی حاجت اور علالت کی وجہ سے متعلقین کو ایسے میدان میں رکھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ تو کیا کسی عقلمند کو زیبا ہے کہ اس ضرورت کی حالت سے استناد کرے اور کہے کہ فلاں شخص کے یہاں پردہ کا رواج نہیں، میں نے اس کے متعلقین کو پہاڑ پر رہتے دیکھا ہے، جہاں بے روک ٹوک ہر شخص جا سکتا ہے۔

ثانیاً مدعا علیہ نے یہ کب کہا کہ اس مکان میں مردوں کا آنا کسی حال، کسی وقت میں ممکن ہی نہیں کہ بیان حلفی نمبر ۵ سے متناقض ہو، ''کوئی مرد نہیں آتا اور مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی'' میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ دنیا میں وہ کون سا زنانہ مکان ہے جس میں کبھی کسی عذر وحاجت کے سبب مرد نہیں آتے جاتے۔

ثالثاً مسل سے جس طرح نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سن کر فیصلہ میں اس سے کام لیا ہے۔ کاش عرضی دعویٰ و بیان

تحریری بھی سن لیتے تو معلوم ہوتا کہ مدعی کا دعویٰ کیا ہے؟ اور اس کی کیا کیا دلیلیں ہیں اور مدعا علیہ نے کیا جواب دیا ہے؟ کیا فائدہ اس کھڑکی کا بیان کیا ہے؟ اس وقت اس بات کے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کی۔ اگر انصاف نصب العین ہوتا تو جس قدر بیانات حلفی فریقین کی طرف سے داخل کیے گئے ان سب کو مع عرضی دعویٰ و بیان تحریری کسی ناطرفدار، دیانتدار شخص سے ترجمہ کرا کر سننا تھا پھر مدعی و مدعا علیہ سے اس کی تصدیق کرا کے اس سے فیصلہ پر پہونچنا۔

(۱۲) مدعی کا یہ کہنا کہ "ان مردوں اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہوسکیں۔" محض عذر بارد ہے اور ذی علم ثالث کا اسے برقرار رکھنا تعجب خیز۔

اولا کتنے مرد ہیں جن سے شرعا رشتہ سامنے ہونے کا نہیں ہوتا پھر بھی عورتیں ان کے سامنے ہوا کرتی ہیں۔

ثانیا یہ کس نے کہا کہ جب کوئی شخص مدعا علیہ کی لڑکی کو دیکھنے آئے تو مدعی کی عورتیں اس کے سامنے آئیں۔ مریضہ کو دیکھنے کے لئے جب کوئی آئے گا، اطلاع کرے گا۔ جب مدعا علیہ کی عورتیں پردہ ہوں، مدعی کی عورتیں بھی اتنی دیر تک پردہ میں رہنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس لئے کہ مدعا علیہ کے مکان میں اس کے رشتہ کی کئی عورتیں رہتی ہیں۔ اور ایک یا دو آدمی بھی ایسا نہ نکلے گا کہ وہ سب عورتیں اس کے سامنے ہوتی ہوں۔ تو ضرور ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک نہ ایک عورت کو پردہ کے لئے اطلاع کی جائے۔

ثالثا میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ ضرورتمند اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔ جو رشتہ دار لوگ اس لڑکی کی علالت سے متاثر ہو کر اس کو دیکھنے کے لئے آئیں گے، انھیں لڑکی کی علالت کا خیال دامن گیر ہوگا یا اس وقت انھیں ادھر ادھر تاکنے جھانکنے کا خیال پیش نظر ہوگا؟ خصوصا جانے کی حالت میں تو ان لوگوں کی پیٹھ مدعی کے مکان کی طرف ہوگی اور رخ مریضہ کی کوٹھری کی طرف، جو مکان مدعی اور سیڑھی دونوں سے پورب اتر واقع ہے اور آتے وقت عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ تو ان عیادت کرنے والوں سے بے پردگی کا دعویٰ محض تصنع ہے۔

رابعا مدعا علیہ کے سہ منزلہ مکان یا اس کھڑکی سے اگر بے پردگی ہوسکتی ہے تو مدعی کے چھت کی، نہ مکان کی، اور چھت شریف عورتوں کے رہنے سہنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے: "لا تسکنوھن العلالی" عورتوں کو بالاخانہ پر نہ رکھو۔ اسی لئے علماء کرام نے مکان کی بے پردگی اور چھت کی بے پردگی میں فرق کیا ہے اور مکان کی بے پردگی کا خیال کیا کہ وہ عورتوں کے بود و باش کی جگہ ہوتی ہے۔

فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ میں ہے: "رجل اشتری حجرۃ سطحھا وسطح جارہ یستویان فاخذ جارہ یتخذ سترۃ بین السطحین لا یجبر علیٰ ذلک لان الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔ ولو اراد ان یمنعہ من صعود السطح حتی یتخذ سترۃ قالو ان کان فی صعودہ یقع بصرہ فی دار الجار کان لہ ان یمنع لان فیہ ضررا زائدا وان کان لا یقع بصرہ فی دارہ ولکن یقع بصرہ علیھم اذا کانوا علیٰ السطح لا یمنعہ لانھما استویا فی

الضرر لانه ان کان یقع بصره علیهم فی السطح یقع بصرهم علیه ایضا فی السطح ذکر المسئلة علی هذا الوجه فی فتاویٰ ابی اللیث وعلی قیاس المسئلة التی تقدم ذکرها وهی ما اذا فتح صاحب البناء فی جدار علوه کوة لیس لصاحب الساحة ان یمنعه عنه ینبغی ان یقال فی هذه المسئلة لیس للجار حق المنع عن الصعود وان کان یقع بصره فی دار جاره الا یریٰ ان محمدا رحمه الله لم یجعل لصاحب الساحة حق منع صاحب البناء من فتح الکوة فی علوه مع ان بصره یقع فی الساحة"

''یعنی کسی شخص نے ایک کوٹھری خریدی جس کی سطح اور اس کے پڑوسی (کے مکان) کی سطح برابر ہے۔ پڑوسی نے چاہا کہ وہ دونوں چھتوں کے درمیان میں دیوار بنائے (تاکہ اس کی بے پردگی نہ ہو) تو وہ شخص اس پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اور اگر پڑوسی نے چاہا کہ جب تک یہ پردہ کی دیوار نہ بنا لے اس کو چھت پر چڑھنے سے منع کرے۔ علماء نے فرمایا کہ اگر اس کی نگاہ چڑھنے میں پڑوسی کے مکان میں پڑتی ہے تو اس کو منع کرنے کا حق ہے کیونکہ اس میں سخت ضرر ہے۔ اور اگر اس کی نگاہ گھر میں نہیں پڑتی، لیکن جب وہ لوگ چھت پر ہوں تو اس کی نگاہ ان لوگوں پر پڑتی ہے، تو اس کو نہیں روکے گا۔ اس لئے کہ وہ دونوں ضرر میں برابر ہیں۔ اس لئے کہ اگر اس کی نگاہ چھت پر ان لوگوں پر واقع ہوتی ہے تو ان لوگوں کی نگاہ بھی اس پر واقع ہوگی، جب وہ شخص چھت پر ہوگا۔ اس مسئلہ کو اس تفصیل کے ساتھ فتاویٰ فقیہ ابو اللیث میں بیان کیا ہے اور مسئلہ سابقہ (یعنی جب کہ عمارت والا اپنے بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولے تو صحن والے پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے) پر قیاس کرکے لائق ہے کہ اس مسئلہ میں یوں کہا جائے کہ پڑوسی کو چڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں اگر چہ اس شخص کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں پڑتی ہو۔ کیونکہ امام محمد رضی اللہ عنہ نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ مکان والے کو کھڑکی کھولنے سے منع کرے باوجودیکہ اس کی نگاہ صحن میں پڑے گی۔'' موافق ظاہر الروایہ تو اس کو مطلقاً حق ممانعت ہی نہیں اور جن علماء نے استحساناً اس کو حق بھی دیا ہے، انھوں نے بھی چھت کی بے پردگی کا عام طور پر بود و باش نہ ہونے کی وجہ سے خیال نہیں کیا اور پڑوسی کو اجازت نہ دی کہ چھت پر چڑھنے سے اس شخص کو منع کرے۔ تو صورت واقعہ میں کب قابل لحاظ ہے۔

خامسا یہ سب صورتیں تو اس وقت تھیں اب تو ع وہ سری ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو ساماں کا، مضمون ہے۔ خداوند عالم نے اس مکان کو منہدم فرما کر یہ قصہ ہی پاک کر دیا۔ اب مدعی کا مکان نئے سرے سے بن رہا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت اتفاق وقت سے آجائیں اور مدعی ان کے مشورہ سے ایسے طرز پر مکان بنائے جس سے بے پردگی ناممکن ہو۔ ہاں نفسانیت اور ہٹ کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔

(**تنبیہ**) فصول عمادی کی اس جامع عبارت نے نہ صرف چھت اور مکان کی بے پردگی کا فرق ہی ظاہر کیا بلکہ اس مقدمہ کے اکثر حصہ کا فیصلہ بھی کر دیا۔ اس لئے کہ اس عبارت سے اتنے مسئلے معلوم ہوئے:

(۱) کوئی شخص اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) کسی شخص کے چھت پر چڑھنے سے اگر مکان کی بے پردگی ہوگی تو دیوار بنائے جانے تک اس شخص کو اگر منع بھی کرسکتے ہیں تو چھت پر چڑھنے سے اور اگر دوسرے کی چھت کی بے پردگی ہوتی ہے تو اصلاً حق منع نہیں۔

(۳) بے پردگی دفع کرنے کو دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو۔

(۴) قابل لحاظ پڑوسی، کا سخت نقصان ہے۔ جس کو بعض کتابوں میں ضرر بیّن، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے، نہ معمولی ضرر جس کا دفع اسے آسان ہو۔

(۵) ضرر مشترک قابل لحاظ نہیں ہے۔ اگر زید کے مکان سے عمرو کا مکان بے پردہ ہو اور عمرو کے مکان سے زید کا تو دونوں اپنا اپنا انتظام کرلیں۔

(۶) مسئلہ متقدمہ جس کے قیاس پر اصلاح منع نہ دیا، وہ مسئلہ ہے جسے اسی صفحہ میں اس مسئلہ سے متصل ذکر کیا ہے: "وفی کتاب القسمة اذا وقع لرجل بالقسمة بناء وللآخر ساحة لا بناء فيها ففتح صاحب البناء في جدار علوه كوة وطالبه صاحب الساحة بسدها فليس له هذه المطالبة ولا يجب على صاحب البناء سد الكوة لانه بفتح الكوة تصرف في ملكه من غير ان اتلف على صاحب الساحة شيئا من ملكه او منفعة ملكه الا يرى انه لو رفع جميع جدار علوه كان له ذلك فاذا فتح كوة كان اولى۔"

"یعنی اور نوازل کی کتاب القسمۃ میں ہے کہ جب تقسیم سے ایک شخص کے حصہ میں مکان پڑا اور دوسرے کے حصہ میں صحن آیا۔ مکان والے نے اپنے بالا خانے کی دیوار میں روشندان کھولا اور صحن والے نے اس کے بند کرنے کا مطالبہ کیا تو اس شخص کو اس مطالبہ کا حق نہیں۔ اور مکان والے پر اس روشندان کو بند کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ روشندان کھولنے سے اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا بغیر اس بات کے کہ صحن والے کی ملک یا منفعت میں کچھ نقصان کرے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے بالا خانے کی کل دیوار ہٹا دیتا تو اس کو یہ جائز تھا۔ تو روشندان کھولنا بدرجہ اولیٰ۔ اس عبارت نے کس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ وہ دو شخص کہ ایک وقت میں شریک تھے اور بعد تقسیم جار ملاصق ہیں۔ جب ایک شخص کو بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولنے سے دوسری کی وجہ سے منع کرنا جائز نہیں تو اس مقدمہ میں کہ مدعی نہ مدعا علیہ کا جار ہے، نہ اسے حق جوار، دونوں کے درمیان مدعا علیہ کا سرائی وسیع مکان حائل ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے مدعا کی کھڑکی بند کرانا کس درجہ ظلم صریح ہے۔

(۱۳) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ "مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنانہ کے صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھائی الخ"

اولاً اس کا منشاء وہی حقوق ضرورت و حاجت و منفعت و زینت سے تغافل یا ذہول ہے۔ اگر یہ امر پیش نظر رہتا کہ کسی شخص کو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حق ضرورت و حاجت پر مجبور و مقصور نہ کیا بلکہ منفعت اور زینت کی بھی اجازت دی ہے تو ہرگز اس قسم کی دور از کار باتیں لکھنے کی نوبت نہ آتی۔ مدعی نے جس وقت اس کھڑکی کے

دکھانے کا قصد کیا تھا، ثالث صاحب کو کہنا تھا کہ شاید آپ اپنا اور میرا منصب بھول گئے۔ آپ اس مقدمہ میں مدعی ہیں اور میں ثالث۔ آپ کا کام اپنا دعویٰ پیش کرکے مدلل کرنا ہے اور میرا کام فیصلہ دینا۔ آپ یا ہم مدعا علیہ کے مشیر نہیں کہ ان کو اپنے سسرال آنے جانے کے راستہ کی بابت مشورہ دیں کہ یہ راستہ آسان ہے یا وہ، اور اس میں بنانا اور کچھ خرچ کرنا پڑے گا اور اس میں نہیں، یوں تو بیسیوں رائیں آپ کو میں ایسی بتا سکتا ہوں جس میں آپ کی بے پردگی جاتی رہے اور اس کھڑکی کے بند کرنے کی نوبت نہ آئے مگر اس وقت ہمارا یہ فرض منصبی نہیں۔

ثانیاً نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سے اس قدر فقرہ کہ ''اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں ''جو موافق مدعی تھا، خیال رہا اور اسی کے متصل کی عبارت کہ ''بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے'' جسے فیصلہ میں نقل بھی کیا ہے، یک دم دل سے بھلا دیا۔ ورنہ ذی علم ثالث کے نزدیک اگر وہ لڑکی ہمیشہ کوٹھری اور چھت پر رہتی ہے، جس کلیت اور عموم سے تناقض ثابت کرنا چاہا تو یہ بات ادنیٰ تامل سے بآسانی سمجھ میں آ جانے کی ہے کہ اس سہ منزلہ پر رہنے والی کے لئے پانچ قدم اتر کر اپنے نانہال جانا آسان ہے یا وہاں سے ایک منزل نیچے اترے پھر دس پندرہ قدم چل کر دادی کا مکان کھلوائے۔ اس کے بعد پھر کچھ چل کر دوسری کھڑکی نانہال کی طرف کی کھلوائے، پھر ایک مسافت طے کر کے اسی چھت کے سامنے واپس آئے، یہ تو مغل سرائے ہو کہ شہسرام سے گیا جانا ہوا۔ زیادہ مناسب ہونے کی وجہ کا زیادہ تر تعلق فن انجینیری سے ہے۔ اسے تو شاید کوئی انجینیر صاحب سمجھیں گے یا شائد اتفاق وقت سے آ جانے والے وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت۔ ورنہ ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ جہاں جہت ایسی قریب ہو اور آنے جانے کی بکثرت حاجت پڑتی ہو، وہاں ایک مرتبہ کچھ صرف کر کے چند سیڑھی بنوالینا آسان ہے، جس کے بعد آنے جانے میں صرف چند قدم کی مسافت رہے۔ یا ایک روپیہ کی پیام کا تو خیال کیا جائے اور برابر آمد و رفت میں ایک مسافت طے کی جائے وہ بھی دو دو جگہ قیام کر کے کہ وہ دونوں کھڑکیاں ہمیشہ بند رہتی ہیں، ورنہ وہ مکان بالکل غیر محفوظ ہو جائے۔

(۱۴) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے بزرگان مدعا علیہ الخ'' عجیب منطق اور نئی شریعت ہے۔

اولاً آج تک تو یہ معلوم تھا کہ انت ومالك لابيك۔ اب شاید نئی حدیث نکلی ہے: ''انت ومالك لابنك'' اگر وہ مکان مدعا علیہ کے بیٹے کا ہوتا جب بھی شرعاً بے اس کے اذن کے اسے اس میں تصرف ناجائز ہوتا۔ اور اگر وہ خاطر یا لحاظ سے اذن دے دیتا جب بھی دیانتاً ناجائز ہوتا کہ املاک متمائز ہیں ورنہ توریث باطل ہو، نہ کہ وہ مکان جس میں نہ صرف مدعا علیہ کی والدہ بلکہ اس کے اور بھائی بھی مع متعلقین کے رہتے ہیں۔ اس مکان کو مدعا علیہ کا اپنا مکان بتانا عجب دانشمندی ہے۔

ثانیاً اولاد کے ساتھ والدین کے جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں، ان کے مقابل کسی ایک قطعہ مکان کی کوئی ہستی نہیں۔ مگر جب جدائی ہو جاتی ہے تو ہر شخص اپنی چیز کو خالص اپنی ملک سمجھتا ہے۔ جیسا کہ باپ بیٹوں میں مخالفت کی حالت پیش نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں اگر مدعا علیہ اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تو یہ بات قدرے معقول تھی۔ ذی علم ثالث

کا خیال کہ ''بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کے آمد ورفت کے لئے ہے'' میرے نزدیک بھی صحیح معلوم ہوتا ہے مگر محلہ داری یا معمولی رشتہ داری کی آمد ورفت شاذ و نادر ہوا کرتی ہے اور مدعا علیہ کے سسرالی تعلق کی وجہ سے اس کے علاوہ ایک اور خاص جدید رشتہ قائم ہوگیا، جس نے اس امر کی ضرورت ظاہر کی کہ والدہ مدعا علیہ سے وہی قدیم رشتہ داری کی وجہ قدیم راستہ آمد ورفت کا برقرار ہے اور مدعا علیہ سے جدید تعلق کی وجہ سے آنے جانے کی ضرورت حسب عادت زمانہ بہت زیادہ ہوگئی۔ خصوصا مدعا علیہ کی اولاد کے لئے تو گویا دونوں مکان ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اگر یہ والد کا مکان ہے تو وہ والدہ کا۔ تو ایسی حالت میں آمد ورفت کے لئے قریب تر راستہ اختیار کرنا مناسب ہے یا دوسرے مکان ہوکر اتسب۔ اور نزاع جاتی رہنے کی از روے مصالحت یہ تجویز بتانا کہ کھڑکی بند کر دیجئے اور قدیمی راہ سے آمد ورفت جاری رکھئے، عجب دانائی ہے۔؟ ذی علم ثالث کو خیال کرنا تھا کہ مخالفت کا اصل منشاء تو یہی ہے کہ مدعی اپنی ضد اور نفسانیت سے خواہش کرتا ہے کہ یہ کھڑکی بند ہوجائے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ میں کون سے حکم شرعی سے اس بات پر مجبور کیا جاتا ہوں۔ اگر آپ کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنی شرقی دیوار بلند کر لیجئے، جس طرح میں نے اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار اونچی کرلی ہے۔ جب اس مصالحت میں بھی مدعی اپنی ناجائز ہٹ پر باقی رکھا گیا اور مدعا علیہ خلاف شرع و عقل اپنے ایک جائز حق سے مجبوراً محروم کیا گیا تو یہ محض تحکما مدعی کو ڈگری دینا ہوا یا برضامندی وصلح باہمی تصفیہ کرنا؟

(۱۵) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو (الیٰ قولہ) غیر کا مکان کیوں قرار دیا''۔ از روئے انصاف ارشاد ہو کہ اور کون سی بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے جو ایک اس کے سمجھ میں نہ آنے کے شاکی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر منصفانہ حیثیت سے آپ اپنے اس فیصلہ پر ایک نگاہ فرمائیں گے تو خود اقرار کرلیں گے کہ میں نے نہ دعویٰ سمجھا ہے نہ جواب دعویٰ سمجھا، نہ اظہار سمجھا نہ بیان حلفی سمجھا، نہ اصل منشاء مقدمہ سمجھا نہ مدعی کی ہٹ دھرمیوں کو سمجھا، نہ مدعا علیہ کے معقول عذروں کو سمجھا نہ مسالک فقہاء کو سمجھا، نہ کتب فقہیہ کی عبارتوں کو سمجھا نہ اپنی پیش کردہ عبارتوں کو سمجھا، جب اتنی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو ''این ہم بر سر علم'' ایک یہ بھی نہیں سمجھا کہ مدعا علیہ نے اپنی والدہ کے مکان کو غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ ورنہ وجہ ظاہر ہے کہ والدہ مدعا علیہ، نہ عین مدعا علیہ ہیں نہ جزء مدعا علیہ، تو اگر مدعا علیہ نے غیر کہا تو کیا جرم کیا؟ علاوہ بریں اپنا مکان دو ہی طرح کہا جاسکتا ہے۔ یا وہ مکان اس کا مملوک ہو یا اسے شرعا حق سکونت ومنفعت ہو۔ اور جب وہ مکان مدعا علیہ کی والدہ کا ہے جس میں وہ مع اپنے بیٹوں کے رہتی ہیں۔ تو مدعا علیہ اس کو اپنا مکان کس طرح کہہ سکتا تھا؟ وقد صرح فی الاشباہ ص ۵۳۲: ''ان اجتماع الملکین فی محل واحد محال۔''

(۱۶) ذی علم ثالث کی یہ انوکھی تجویز کہ ''الماری توڑ کر کھڑکی بنائی جائے اور اس کو بطور صلح باہمی کہنا'' نیا نکتہ ہے۔ اولاً صلح وہ عقد ہے جو بتراضی فریقین رفع منازعت کے لئے موضوع ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ ص ۲۱۳ میں ہے: ''اما تفسیرہ شرعا فھو انہ عقد وضع لرفع المنازعۃ بالتراضی کما فی النہایۃ۔''

اور یہاں ذی علم ثالث کی تجویز ہے پھر وہ بطور صلح کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر مدعا علیہ کو ایک مشورہ دینا اور زبان حال سے کہنا ہے کہ میں آپ کا ایسا خیر خواہ ہوں کہ آپ کو ایک جائز حق سے مجبوراً صرف روکتا ہی نہیں ہوں بلکہ آپ کی بنی بنائی الماری بگاڑنے کی بھی راہ بتاتا ہوں اور طرفہ احسان کہ اس کا نام صلح باہمی رکھ کر تمہیں بددل ہونے سے بچاتا ہوں۔

ثانیاً شرائط صلح سے ہے کہ مصالح علیہ یعنی جس چیز پر صلح کی جائے، مال ہو۔ اگر اس کے قبضہ کی ضرورت ہے تو مال معلوم ہونا چاہئے اور اگر قبضہ کی حاجت نہیں تو معلوم و مجہول دونوں ہو سکتا ہے۔ بہر حال مصالح علیہ کا مال ہونا ضرور۔

عالمگیری ۴ ص ۳۱۳ میں ہے: "واما شرائطه فانواع (الى ان قال) ومنها ان يكون المصالح عليه مالا معلوما ان كان يحتاج الىٰ قبضه وان كان لا يحتاج الى قبضه فشرطه ان يكون المصالح عليه مالا سواء كان معلوما او مجهولا هكذا في المحيط"

اور یہاں سرے سے مصالح علیہ ہی مفقود پھر بھی صلح موجود۔

ثالثاً صلح کا خلاصہ، مطلب مدعی کا کچھ لے کر اپنے کل یا جزء دعویٰ سے باز آ جانا ہے اگر کل دعویٰ پر قائم رہے تو صلح کس بات سے ہوئی؟ یہاں دعویٰ رفع بے پردگی تھا۔ اس کے کون سے جزء سے مدعی باز آیا؟ کیا تمام و کمال بے پردگی جائز رکھی یا آدھی، پھر صلح یعنی چہ؟

رابعاً صلح کا حکم مدعی کے لئے مصالح علیہ کا مالک ہو جانا ہے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷۸ میں ہے: "وحكمه في جانب المصالح عليه وقوع الملك فيه للمدعى سواء كان المدعى عليه مقرا او منكرا وفي المصالح عنه وقوع الملك فيه للمدعى عليه ان كان مما يحتمل التمليك كالمال وكان المدعى عليه مقرا به وان كان مما لا يحتمل التمليك كالقصاص وقوع البرائة"۔

الماری کو کھڑکی بنا لینے میں مصالح علیہ میں کون سی ملک مدعی کو ثابت ہوئی؟ اور شئی جب اپنے حکم سے خالی ہو، باطل ہے۔ لہذا اسے صلح کہنا محض لاحاصل ہے۔

خامساً علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ایک قطعہ مکان کا دعویٰ کیا پھر اس میں سے ایک گھر یا کسی ایک حصہ پر صلح واقع ہوئی تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جس چیز پر اس نے قبضہ کیا وہ اس کے حق کا ایک جزء ہے تو باقی میں اپنے دعویٰ پر قائم ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۲۴۵ میں ہے: ولو ادعىٰ دارا فصالح على بيت او قطعة منها لم يصح الصلح لان ما قبضه من عين دعواه في الباقي۔ مکان کے دعویٰ میں اسی مکان کے ایک گھر پر صلح کرنے کو صلح نہیں قرار دیا تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر پھر اس کا صلح نام رکھنا ذی علم ثالث کی کمال فقہ دانی ہے۔

سادساً جس مسئلہ کا جزئیہ کتب فقہ میں مصرح نہ ہو مثلاً تار، بیمہ، منی آرڈر، نوٹ، سیونگ بینک وغیرہ، عالم سے

اس میں غلطی ہو جائے تو چنداں جائے تعجب نہیں۔ حد سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے کہ مدعی علم باوجود روشن تصریحات علماء کے کسی کی حمایت میں ایجاد بندہ سے کام لیتا ہے۔ اس وقت کی غلطی، غلطی نہیں کہی جاتی بلکہ خود اسی کے الفاظ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ کچھ اور ہے۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا نہ تھا کہ کتب فقہیہ میں کہیں مصرح نہ ہو۔

فتاوی عالمگیری جلد ۴ ص ۳۵۱ میں فتاوی ظہیریہ سے اور فتاوی فقیہ النفس قاضیخان جلد سوم ص ۱۹۰ میں ہے:"

واللفظ للخانية "رجل له باب في غرفة او كوة فخاصمه جاره فصالحه على دراهم معلومة يدفعها الجار ليترك الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا لان الجار ظالم في منع صاحب الكوة عن الانتفاع بمال نفسه فانما ياخذ المال فكيف عن الظلم والكف عن الظلم واجب وكذا لو كان الصلح بينهما على ان ياخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسد الكوة والباب كان باطلا لان الجار انما دفع المال ليمتنع صاحب الكوة عن التصرف في ملكه والانتفاع بمال نفسه لا على وجه الازالة والتمليك من الغير وذلك باطل"

کسی شخص کے بالاخانہ میں دروازہ یا روشندان ہے۔ اس کے پڑوسی نے اس سے جھگڑا کیا۔ اس نے کچھ روپیہ دے کر پڑوسی سے صلح کی کہ اس روشندان کو رہنے دے اور بند نہ کرے۔ تو یہ صلح باطل ہے اس لئے کہ وہ پڑوسی ظالم ہے کہ روشندان والے کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے روکتا ہے۔ تو یہ روپیہ اس لئے لیتا ہے تاکہ ظلم سے رکے اور ظلم سے رکنا تو اسے یونہی واجب ہے۔ اسی طرح اگر ان میں صلح اس طرح ہو کہ روشندان والا کچھ روپیہ لے کر اس روشندان یا دروازہ کو بند کر دے جب بھی باطل ہے۔ کیونکہ پڑوسی اس لئے روپیہ دیتا ہے کہ روشندان والا اپنے مال میں تصرف کرنے اور اپنے مال سے نفع اٹھانے سے بغیر ازالہ وتملیک غیر رو کا جائے اور یہ باطل ہے۔ غرض کھڑکی کی صورت میں کسی طرح صلح صحیح نہیں۔ اگر بغیر مال صلح کیا جب باطل اور اگر مدعی مال لے کر کھڑکی کو رہنے دیتا ہے جب باطل اور اگر مدعا علیہ مال لے کر کھڑکی بند کرتا ہے جب باطل۔ تو ذی علم ثالث کا صلح تجویز فرمانا، مدعی مدعا علیہ دونوں کا نقصان کرنا، خلاف شرع راہ دکھانا ہے، جس کے باطل ہونے کی فقہائے کرام تصریح فرما چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ ساڑھے سات سو برس پہلے کیسا جزئیہ تحریر فرمایا جس نے نہ صرف صلح ہی کا خاتمہ کیا بلکہ سرے سے مقدمہ کا بھی فیصلہ کر دیا کہ ایسا شخص ظالم ہے کہ کھڑکی کے مالک کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے منع کرتا ہے۔ وفات امام قاضیخان کی ۵۹۲ ہجری میں ہے۔

سابعاً یہ ساری خرابیاں اس کی ہیں کہ ذی علم مجوز جیسا کہ نمبرے میں گزرا شروع ہی سے الٹی چال چلے ہیں۔ اب جس طرف جاتے ہیں مقاصد شرع وقوانین عقل سے اور دوری ہوتی جاتی ہے۔ ورنہ اگر ٹھیک راہ چلتے اور حق بحقدار پہونچانا مطمح نظر ہوتا تو مدعی سے دریافت کرنا تھا کہ آپ کا مقصد اصلی کیا ہے؟ بے پردگی سے بچنا یا پردہ؟ بے پردگی سے بحث نہیں۔ مدعا علیہ نے جو اپنی دیوار میں کھڑکی لگائی ہے، اس کو بند کرانا۔ بر تقدیر اول رائے صائب اور بے مثل فیصلہ تھا کہ جس طرح مدعا علیہ نے خود آپ کے اقرار کے بموجب اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار بلند کر لی ہے، آپ بھی اپنی بے پردگی

رفع کرنے کو اپنی شرقی دیوار بلند کر لیجیے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ بر تقدیر دوم صاف معلوم ہو جاتا کہ مدعی متعنت ہے، دعویٰ خارج کیا جاتا۔ اس صورت میں ذی علم ثالث کو اس قسم کی دور از کار باتوں کا سامنا نہ ہوتا کہ اس فیصلہ کا دیکھنے والا تعجب سے کہتا ہے: "یہ ثالث صاحب ہیں یا مدعی کے وکیل یا مدعا علیہ کے مشیر"۔ ورنہ جس طرح مدعا علیہ کو مشورہ دیا تھا کہ اس کھڑکی کو بند کر دیجیے، والدہ کے مکان ہو کر جو قدیم راہ ہے اسی کو برقرار رکھیے یا الماری توڑ کر کھڑکی بنا لیجیے اور اس کھڑکی کو بند کر دیجیے۔ اسی طرح دو ایک صورتیں بطور صلح باہمی مدعی کے لئے بھی تجویز کرتے کہ یہ قصہ تو اس مکان کا تھا۔ اب نئے سرے سے مکان بنا رہے ہیں، اس وضع سے بنایئے کہ بے پردگی نہ ہو یا اگر مدعا علیہ نہیں مانتے تو آپ ہی اپنی شرقی دیوار اونچی کر لیجیے، بے پردگی جاتی رہے گی یا یہ بھی نہ سہی تو اپنے قدیم رفیق جن کو رائے دے کر مقدمہ دائر کرایا تھا انھیں کو کہیے کہ وہ اپنی دوستی کی دیوار اونچی کروالیں۔ ان کا بھی پردہ ہو جائے گا اور آپ کی بھی بے پردگی جاتی رہے گی۔ تب معلوم ہو جاتا کہ مدعی صاحب ان رایوں کو مانتے ہیں یا نامنظوری کی کیا وجہ بتاتے ہیں؟۔

(۱۷) ذی علم ثالث کا فرمانا "اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازعہ فیہ ہے الخ" رفع نزاع کی بے مثل صورت اور مقبول عام فیصلہ دینے کی راہ جیسی یہ تھی، شاید دوسری نہ ہو۔ مدعا علیہ کا مطلب یہ ہے کہ بے پردگی کا الزام اگر میر۔۔ کسی فعل سے ہے تو وہ ثابت نہیں اور اگر محض کھڑکی کی وجہ سے اس کا خیال کیا جاتا ہے تو ایک ایسی ہی کھڑکی ان۔۔دونوں مکانوں میں بھی ہے۔ تو یہ دونوں کھڑکیاں بند کر دی جائیں کہ یہ قصہ ہی پاک ہو جائے اور ایک فتنہ کہ آئندہ کسی وقت اٹھنے والا ہو، ابھی سے اس کی جڑ کٹ جائے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ کرنے کی وجہ سے باتیں بہت بدل کر لکھی گئیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا، معقول عذر ہونے کی وجہ سے مدعی کو صاف لفظوں میں انکار کی گنجائش نہ تھی۔ مگر کمال طلاقت لسانی سے کہا کہ اگر۔۔۔ حلفا کہہ دیں کہ مجھے بھی اس کھڑکی سے بے پردگی وتکلیف کا اندیشہ ہے تو میں ابھی بند کر دیتا ہوں جب۔۔۔ نے حلفا اس امر کو بیان کیا تو اب بموجب اقرار کھڑکی بند کرنا چاہیے تھا۔ مگر نفسانیت کا خدا برا کرے کہ اس نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔۔۔ کے انداز اور رخ کو دیکھا کہ وہ لفظ بلفظ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فوراً پلٹے اور کہا کہ۔۔۔ آپ کیا کہتے ہیں اس پر انھوں نے انکار کیا اور چھوٹے بھائی۔۔۔ نے بھی انہیں کا ساتھ دیا کہ نہ مجھے اس کھڑکی سے اس وقت تک تکلیف پہونچی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔ یہ دونوں روشندان جو آپ نے کھولے ہیں ان کو بند کر دیجیے۔ اس سے میری بے پردگی ہوتی ہے۔ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ ہونے کی وجہ سے ذی علم ثالث نے اسے تینوں بھائیوں کے اقرار حلفی پر مشروط کرنا لکھا ہے۔ حالانکہ مدعی نے شرط کرنے میں منجھلے اور چھوٹے کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔

ثانیاً یہ کون سی شریعت کا حکم ہے کہ جب تک تین شخص کی بے پردگی نہ ہو یا تین آدمی بے پردگی کے دعویدار نہ ہوں، عذر نا مسموع ہوگا۔ کیا ایک شخص کی بے پردگی قابل لحاظ نہیں؟ مانا کہ مدعی نے یہی کہا تھا تو ذی علم ثالث کا فرض تھا کہ مدعی کو سمجھاتے کہ یہ مجھے تسلیم ہے کہ یہ دونوں بھائی اس کھڑکی کی وجہ سے بے پردگی کے شاکی نہیں اور آئندہ کے لئے بھی

دستاویز دے رہے ہیں، مگر یہ مدعی نہیں کہ ان کا اقرار کافی ہو۔ مدعی تیسرا شخص ہے، ان کے اقرار کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔ معہذا بے پردگی مختلف ہے۔ ممکن کہ ایک بھائی کے متعلقین کی جن لوگوں سے بے پردگی ہو، دوسری کی نہ ہو یا ایک بھائی روا نہ رکھے دوسرا اسے گوارا کرتا ہو، تو آپ کو ان کے اقرار سے کیا فائدہ تو جب ایک مخصوص خصوصا وہ کہ ان سب سے بڑا اور اہل علم ہے اور اہل علم ہی کو پردہ کا خیال زائد ہوتا ہے، وہ بے پردگی کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو بے شک آپ کو بند کر دینا چاہئے کہ کسی ایک کی بھی بے پردگی شرعا جائز نہیں۔

ثالثا بیان حلفی کے الفاظ بھی جو ذی علم ثالث نے بنائے ہیں ضحکۂ اطفال ہیں ''کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف واندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہونچتی ہو یا اب تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو تو باوجود ان تمام تفرقوں کے ہم کو بند کر دینے میں عذر نہ ہوگا'' یعنی نفس بے پردگی قابل لحاظ نہیں، جس کی وجہ سے مدعی کی کھڑکی بند ہو سکے بلکہ جس قسم کی تکلیف مدعی کو پہونچتی ہے اور آئندہ پہونچنے کا اندیشہ ہے، اسی قسم کی تکلیف پہونچتی ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو تو البتہ یہ کھڑکی بند کی جاسکے گی۔ شائد اسی وجہ سے مدعی کے مکان کے وہ دونوں روشندان جن کے بند کرنے لئے ...نے کہا تھا بند نہیں کئے گئے کہ اس سے اگرچہ تکلیف پہونچتی ہے مگر اس قسم کی تکلیف نہیں پہونچتی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔

رابعا قدیم وجدید، مسلم ومقبول، نامسلم ونامنظور کا تفرقہ ہرگز مدعی نے نہیں دکھایا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ تفرقے پیش کئے بھی ہوتے تو ذی علم ثالث کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے قلم زد کرنا تھا۔ جیسے بہت سی باتیں کہ حسب تحریر ذی علم ثالث اس جلسہ میں ہوئیں اور لغو جان کر ذی علم ثالث نے نہ لکھیں۔

ردالمحتار جلد۴ ص۳۷۶ میں ہے: "قال الخير الرملي واقول لا فرق بين القديم والحديث حيث كانت العلة الضرر البين لوجودها فيهما"۔

اسی ردالمحتار ص۲۳۰ میں جہاں سے تھوڑی سی عبارت ذی علم ثالث نے نقل بھی کی ہے: وانظر ما لو كانت دار قديمة بهذا الوصف هل للجيران الحادثين ان يغيروا القديم عما كان عليه۔ قلت الضرر البين يزال ولو قديما كما افتى به العلامة المهمنداري ومثله في حاشية البحر للخير الرملي من كتاب القضاء كما في كتاب الحيطان من الحامدية۔

غرض اگر یہ ضرر بین ہے تو اس کے مقابل یہ تفرقے محض لغو ہیں اور اگر بین نہیں تو دعویٰ ہی راسا بالاتفاق باطل و مدفوع ہے۔ جس طرح ظاہر الروایۃ ومذہب ائمہ مذہب میں مطلقا نامسموع ہے۔

(۱۸) حاکم اور حکم کو چاہئے کہ فریقین کے ساتھ بالکل یکساں برتاؤ کرے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کسی شخص سے کچھ خلاف ہوگیا۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں یہ قصہ پیش ہوا۔ آپ نے یا علی کے بدلے یا ابا الحسن کہہ کر خطاب کیا، جس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناخوش ہوئے کہ آپ کو نام لے کر پکارنا تھا، آپ نے مجھے کنیت سے کیوں یاد فرمایا؟

مستطرف جلد اول ص ۱۳۷ میں ہے: "ادعیٰ رجل علی علیّ عند عمر رضی الله عنهما و علیّ جالس فالتفت عمر اليه وقال يا ابا الحسن قم فاجلس مع خصمك فقام فجلس مع خصمه فتناظرا وانصرف الرجل ورجع علی الیٰ مجلسه فتبين لعمر التغير في وجه علی فقال يا ابا الحسن مالی اراك متغيرا؟ اكرهت ما كان؟ قال نعم قال وما ذاك قال كنيتني بحضرة خصمي هلا قلت يا علی قم فاجلس مع خصمك فاخذ عمر براس علی رضی الله عنهما فقبله ثم قال بأبي انتم بكم هدانا الله وبكم اخرجنا من الظلمت الی النور۔"

اور یہاں ذی علم ثالث کا یک طرفہ انداز شروع تحریر سے ظاہر۔ خصوصاً اس موقع پر تو حد کردی۔ بالفرض مدعی نے تینوں بھائیوں کے بیان حلفی پر معلق کیا تھا مگر وہ لوگ آپس میں مختلف ہو گئے۔ کسی نے اقرار کیا، کسی نے انکار۔ تو از روئے انصاف اس کو اس طرح لکھنا تھا کہ اس پر تینوں بھائیوں میں اختلاف ہوا... نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی کا کیا مگر ان کے دونوں بھائیوں نے کہا کہ ہمیں اس کا اندیشہ نہیں۔ مگر بجائے اس کے فیصلہ میں اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ "اس پر ببو میاں نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی یحییٰ میاں اور معین میاں نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔" ایک بھائی کے بیان کو کہ خلاف مدعی تھا، ایسے مرے گرے لفظوں سے تعبیر کیا اور ان دونوں کا بیان موافق مدعی ہونے کی وجہ سے بکمال کشادہ پیشانی اور حلفاً کے زیوروں سے مزین کر کے لکھا۔ حالانکہ اگر مدعی نے تینوں سے حلفاً بیان کرنے کو کہا تھا تو... کا بیان بھی حلفاً ہی ہوا ہوگا اور ضرور حلفاً ہوا، جب تو مدعی وثالث نے اسے تسلیم کیا۔ تعجب ہے کہ... اور... نے کس طرح ایسی لغو بات حلفاً بیان کی۔ مگر اس سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ذی علم ثالث نے اس خلاف شرع وعقل بات کو کس کمال کشادہ پیشانی سے قبول کیا اور اس کا کیسا پر جوش استقبال کیا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ جو امر ممکن ہو یعنی اسے وجود وعدم دونوں سے یکساں نسبت ہو تو چاہے وہ کیسا ہی مستبعد ہو مگر کوئی شخص از پیش خویش اس کے عدم وقوع پر جزم نہیں کرسکتا، نہ کہ جو کلام مثلاً زید کی قدرت میں ہو، اس پر عمرو کو اس جزم کی کیا سبیل کہ وہ کبھی اس کام کو نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ زید اگر بقسم بھی کہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا پھر بھی عمرو اگر چہ اس کے صدق کا کیسا ہی معتقد ہو، قسم کھا کر نہیں کہہ سکتا کہ زید اس کام کو کبھی نہیں کرے گا، مجھے اس کا اندیشہ بھی نہیں۔ اور اگر قسم کھالے تو سخت جری اور نگاہ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا۔ تو اس جگہ کہ بے پردگی مدعی کا فعل ہے، نہ مدعی اس کا بقسم عہد کرتا ہے، نہ صاف سیدھے سادے لفظوں میں اس کا وعدہ ہی کرتا ہے، مگر... ہیں کہ بکمال کشادہ پیشانی حلفاً بیان کرتے ہیں کہ آئندہ کو بے پردگی ہونا درکنار، اندیشہ بھی نہیں اور جناب ثالث صاحب بکمال کشادہ پیشانی اسے قبول کرتے ہیں۔

ثانیاً حلف شرعاً وہ عقد ہے جس کے سبب حالف کا ارادہ فعل یا ترک کا قوی ہو جائے۔

درمختار جلد ۳ میں ہے: "اليمين شرعا عبارة عن عقد قوی عزم الحالف علی الفعل او الترك"

اور جب ان دونوں کے بحلف کہنے سے بے پردگی کا فعل توی ہوا نہ ترک۔ اس لئے کہ جس کے فعل و ترک سے اس کا وجود وعدم ہوسکتا ہے، وہ ان دونوں کے قبضہ ہی میں نہیں تو پھر اسے حلف سمجھنا کمال خوش فہمی ہے۔

(۱۹) دیوار اونچی کرنے کے متعلق مدعا علیہ سے عذر دریافت کرنا بھی اسی الٹی چال چلنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مقتضائے عقل وشرع تو یہ ہے کہ جس کی بے پردگی ہو، وہ اپنے لئے دیوار کھینچے۔ کما صرح الفقهاء بل له ان يبني ما يستر جهته۔ یہ نئی فقاہت ہے کہ زید کے مکان سے عمرو کی بے پردگی ہوتی ہو، عمرو تو ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھا ہے اور زید ہی اپنی دیوار اونچی کرے یا اس کے متعلق عذر بیان کرے۔

میرے نزدیک مناسب ہے کہ تمام دنیا یا ہندوستان بھر یا صوبہ بہار یا کمشنری پٹنہ یا ضلع آرہ میں نہ ہوسکے تو کم از کم اس قصبہ میں عام نوٹس دے دیا جائے کہ جس جس شخص کو خداوند عالم نے ذی مقدور بنایا ہے اور اس کا مکان دو منزلہ سہ منزلہ ہو اس کو چاہئے کہ اوپر کی چھت میں صرف منڈیر پر اکتفا نہ کرے۔ اس کو ہر چہار جانب ورنہ جس جانب کسی شخص کا مکان بھی معلوم ہوتا ہو، وہ اتنی اونچی دیوار بنائے کہ چھت پر چڑھنے سے کسی شخص کا مکان نہ معلوم ہوسکے ورنہ اس کی وجہ دکھا دے اور جو کچھ عذرات ہوں، پیش کرے۔ اور دیوار کمزور ہونے کا عذر قابل قبول نہیں جب تک واقف کار قواعد تعمیر عمارت کا سارٹیفکیٹ نہ پیش کرے۔ ہاں اگر وہ دونوں جانب سے ملاحظہ کر کے لکھ دے کہ اس میں نقصان ہے تو البتہ قابل قبول ہوگا۔ اور ایک جانب کی دیوار بلند کرنے سے اور جانب کی دیوار کی بلندی کا مسئلہ اہل دول یا انھیں واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت سے دریافت کرنا تھا۔ اور چھ ہاتھ چوڑے صحن کو وسیع صحن بتانا خلیفہ مامون رشید کے سامنے اعرابی کا گڑھے کے پانی کو آب جنت سمجھ کر پیش کرنا یاد دلاتا ہے۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

(۲۰) ''مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تا وسع اپنی بہت کوشش کی کہ صلح ورضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں الخ'' شاید ایسا ہی ہو ورنہ فیصلہ کا ملاحظہ تو بتا رہا ہے کہ اس عبارت کو یوں ہونا چاہئے تھا۔ ''مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تا وسع اپنے اس بات کی کوشش کی کہ مدعی کو پوری ڈگری دی جائے، اس کے دعوی میں ذرہ بھر کمی نہ ہونے پائے اور پھر براہ ابلہ فریبی صلح ومصالحت کا سبز باغ دکھا کر مدعا علیہ کو بھی خوش رکھا جائے'' ع۔ ہم لعل بدست آید وہم یار نہ رنجد۔

مگر اس طرح کون اپنی عقل کو پس پشت ڈالے ہوئے ہے کہ اپنے مفید اور مضر میں تمیز نہ کر سکے، اس لئے مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار بحق مدعی فیصلہ دے کر اس کو بھاری بھرکم بنانے کے لئے عبارات کتب فقہیہ کی ضرورت پڑی۔ غرض اس فیصلہ پر فقہ حنفی کی چار کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں اول محض بے علاقہ، دوم ناقص، سوم غیر مفید، چہارم مضر۔ اسی وجہ سے ہوشیار مجوز نے ان عبارتوں کا اردو ترجمہ نہیں کیا ورنہ اصل حقیقت عالم آشکار ہو جاتی۔ پہلی عبارت درمختار چھاپہ کلکتہ ص ۴۹۹ کی ہے۔

"اشترى دارا وديغ وتاذى جيرانه على الدوام بمنع وعلى الندرة يتحمل"

یہ عبارت محض بے علاقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مکان خریدا اور اس میں چمڑا پکانے کا کام کیا، جس

سے پڑوسیوں کو اذیت ہوتی ہے۔ تو اگر یہ ہمیشہ ہوتا ہے منع کیا جائے گا اور اگر شاذ و نادر ہے، تو تکلیف برداشت کی جائے گی۔

اولاً چنڑا پکانے کی اذیت ایسی ہے کہ اس کو روکنے کی ترکیب پڑوسیوں کے اختیار سے باہر ہے۔ سوا اس کے کہ اس کو منع کر دیا جائے اور کوئی صورت اس کے ضرر سے بچنے کی نہیں۔ اس لئے کہ ہوا کی آمد و رفت ہو اور دماغ صحیح میں بدبو نہ آئے، یہ عادۃً ناممکن ہے۔ اور ہوا ہر طرف سے بند کر کے رہنا بھی سخت دشوار بلکہ محال عادی ہے۔ اور یہاں مدعی اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اپنی بے پردگی کو روک سکتا ہے۔ علماء نے ضرر فاحش، ضرر بین کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور اگر دیوار کھینچ کر تکلیف سے بچ سکتا ہے تو اس صورت میں مالک مکان کو منع نہیں کریں گے۔

بحرالرائق جلد ۷ ص ۳۶ میں ہے: "وذکر الرازی فی کتاب الاستحسان ان الدار اذا کانت محاورة للدور فاراد صاحبها ان یبنی فیها تنورا للخبز الدائم کما یکون فی الدکاکین او رحی للطحین او مدقات للقصارین لم یجز لان ذلك یضر بجیرانه ضررا فاحشا لا یمکن التحرز عنه فانه یاتی منه الدخان الکثیر الشدید ورحی الطحن ودق القصارین یوهن البناء بخلاف الحمام لانه لا یضر الا بالنداوة و یمکن التحرز عنه بان یبنی حائطا بینه وبین جاره"۔

دیکھئے حمام بنانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کی تری سے پڑوسی کا نقصان ہے۔ اس لئے کہ اپنے اور پڑوسی کے درمیان دیوار کھینچ کر اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ تو اسی طرح صورت واقعہ میں اگر چہ مدعی کو اپنی بے پردگی کا اندیشہ ہے مگر اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ پھر کیوں مدعا علیہ کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا۔

ثانیاً اگر دونوں صورتیں یکساں بھی ہوتیں جب بھی یہ عبارت مفید نہیں۔ اس لئے کہ اس میں تصریح ہے کہ اذیت دائمہ ہے تو منع کیا جائے گا اور نادرہ ہے تو برداشت کی جائے گی۔ اور صورت واقعہ میں حسب بیان مدعا علیہ وہ کھڑکی صرف عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ہے اور حسب بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ اس کوٹھری اور اس کی چھت پر مدعا علیہ کی لڑکی رہتی ہے۔ وہاں مردوں کا آنا بضرورت عیادت تھا۔ یہ عیادت دوامی نہیں کہ اس سے منع کیا جائے گا بلکہ شاذ و نادر ہے۔ اس لئے اس کو تحمل و برداشت کرنا ہوگا۔

دوسری عبارت ردالمحتار جلد چہارم ص ۳۲۰ کی ہے: "قال فی جامع الفصولین القیاس فی جنس هذه المسائل ان من تصرف فی خالص ملکه لا یمنع ولو اضر بغیره الخ"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جامع الفصولین میں لکھا ہے کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، وہ روکا نہ جائے گا، اگر چہ اس سے غیر کو تکلیف پہونچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ چھوڑ دیا گیا ہے، جب غیر کو بین ضرر پہونچے۔ کہا گیا کہ اسی کو اکثر مشائخ نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اولاً یہ ناقص ٹکڑا بے محل نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر پورے طور سے روشنی نہیں پڑتی کہ اصل مسئلہ کیا اور هذه

المسائل کا مشار الیہ کیا ہے۔ اگر پوری عبارت نقل کی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ مسئلے کیسے ہیں اور کس رتبے کے ہیں۔

عبارت کی ابتدا یوں ہے:" وفی اجارات النوازل رجل اراد ان یتخذ خراسا فی بیته ویضر ذلك بدار جاره ضررا بینا بان کان یعلم ان دوران الرحی اوریح دورانه یوهن بناء الجار یمنع عن ذلك هکذا اجاب ابو القاسم رحمه الله لانه وان کان مما یتصرف فی خالص ملکه لکن یضر بجاره ضررا بینا و کثیر من مشایخ بلخ ومشایخ بخارا وافقوه فی هذا الجواب فالحاصل ان فی هذه المسائل وفی اجناسها الخ"

ملاحظہ ہو فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ یعنی اجارات نوازل میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بڑی چکی کہ گدھوں یا خچروں سے پھرائی جاتی ہے، بنائے اور اس سے پڑوسی کا سخت نقصان ہے کہ اس کے گھومنے کے صدمے یا اس کے ہوا کے تپانچے سے پڑوسی کا مکان کمزور ہوتا ہے۔ تو امام ابوالقاسم نے فتویٰ دیا کہ اس شخص کو اس سے منع کریں گے۔ کیونکہ وہ اگرچہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے مگر اس سے پڑوسی کا بین ضرر ہے اور اکثر مشائخ بلخ و بخارا نے جواب میں ان کی موافقت کی۔ تو خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی ملک میں تصرف کرے، منع نہ کیا جائے گا۔ کہاں اس بڑی چکی کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف کہ اس کے صدمہ سے دیوار کمزور ہو جائے اور جار کے پاس اس کا کوئی چارہ نہیں اور کہاں یہ صورت واقعہ۔

ثانیاً پڑوسی کا محض نقصان قابل لحاظ نہیں بلکہ جب اسے سخت ضرر پہونچے جس کو بعض کتابوں میں ضرر بین، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے۔ ہاں ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ آخر ضرر بین کی حد کیا ہے؟ میرے نزدیک یہی ضرر، ضرر بین ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ علماء کرام نے اس تصفیہ کو بھی اٹھا نہیں رکھا ہے۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۶ میں فتح القدیر امام ابن الہمام سے نقل کیا: والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بدا له مطلقا لانه متصرف فی خالص ملکه لکن ترك القیاس فی موضع یتعدیٰ ضرره الی غیره ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو ما یکون سببا للهدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة واختاروا الفتویٰ علیه فاما التوسع الیٰ منع کل ضرر ما فیسد باب انتفاع الانسان بملکه کما ذکرنا قریبا اه ملخصا۔

"خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ مالک کو حق ہے کہ مطلقاً جو کچھ چاہے کر سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خالص ملک میں متصرف ہے۔ مگر یہ قیاس اس جگہ متروک ہے۔ کہ اس کی وجہ سے غیر کو سخت تکلیف پہونچے اور ضرر بین سے یہی مراد ہے کہ وہ مکان کے گرنے کا سبب ہو یا اس کی وجہ سے مکان قابل رہنے کے نہ رہے۔ یعنی حوائج اصلیہ بالکل رک جائیں مثلاً روشنی بالکل بند ہو جائے۔ اور لوگوں نے فتویٰ کے لئے اسی کو پسند کیا ورنہ ہر ضرر کی وجہ سے منع کرنا تو انسان کو اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ ہی بند کر دیتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

اسی ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے، جس کی عبارت اوپر نقل ہوئی کہ ضرر فاحش وہ ہے جس سے بچنے کی کوئی

سبیل اس کے اختیار میں نہ ہو اور اگر دیوار کھینچ کر اس ضرر سے بچ سکتا ہے تو وہ ضرر، ضرر فاحش نہیں۔

رابعاً رب العزة جل جلالہ نے جسے نظر فقہی عطا فرمائی ہے، اس اختلاف میں فریقین کی قوت کو انداز کر سکتا ہے۔ عبارت فصول عمادی شاہد ہے کہ یہ مذہب نہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے، نہ امام ابی یوسف سے منقول، نہ امام محمد سے مروی، نہ دیگر ائمہ مذہب سے بلکہ امام ابوالقاسم رحمہ اللہ کی رائے ہے جو امام یوسف کے شاگرد کے شاگرد ہیں، جسے اکثر علماء بلخ اور مشائخ بخارا نے پسند فرمایا رضی اللہ عنہم۔ اور مطلق تصرف کا حکم اور پڑوسی کے نقصان کے خیال سے مالک کو اپنی خالص ملک میں تصرف کرنے سے روکنے کی ممانعت ہمارے ائمہ خمسہ، امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا مذہب ہے كما مر عن الحموي والبحر۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ ہی پر عمل ہے اور فتویٰ ہمیشہ قول امام پر واجب ہے، اگر چہ صاحبین مخالف ہوں نہ کہ امام اعظم و صاحبین و بقیہ خمسہ سب متفق ہوں تو ان کا خلاف کیونکر روا ہو سکتا ہے۔؟ استحسان متاخرین، نظریہ تبدل حالات زمانہ نہیں کہ دفع ضرر، شریعت کے مسائل قدیمہ سے ہے۔ امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن کو معلوم نہ تھا کہ لا ضرر ولا ضرار في الاسلام؟ قطعاً معلوم تھا مگر ضرر مالک کو کہ حجر عن التصرف في ملكه والحاقه بذلك بالبهائم ہے، ضرر اجنبی پر مقدم رکھا۔ تو جمیع ائمہ مذہب کے خلاف بعض متاخرین کا استحسان کیونکر معمول بہ ہو سکتا ہے۔

بحر الرائق کتاب الزکوۃ باب الصرف میں ہے: "اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليها۔"

در مختار میں ہے: "يفتى بقول الامام على الاطلاق ثم بقول الثاني ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والحسن۔"

فتاویٰ خیریہ میں ہے: "المقرر عندنا انه لا يفتى ولا يعمل الا بقول الامام الاعظم۔"

شرح عقود میں ہے: "رايت في بعض كتب المتاخرين نقلا عن ايضاح الاستدلال على ابطال الاستبدال لقاضي القضاة شمس الدين الحريري احد شراح الهداية ان صدر الدين سليمن قال ان هذه الفتاوى هي اختيارات المشايخ فلا تعارض كتب المذهب قال وكذا كان بقول غيره من مشايخنا وبه اقول۔"

رد المحتار جلد ۴ باب الھبۃ میں ہے: "حيث علمت انه ظاهر الرواية وانه نص عليه محمد ورووه عن ابي حنيفة ظهر انه الذي عليه العمل۔"

صاحب در مختار نے اس مسئلہ کو کتاب القسمۃ میں اس طرح لکھا: "له التصرف في ملكه وان تضرر جاره في ظاهر الرواية الكل من الاشباه وفي المجتبىٰ وبه يفتىٰ وفي السراجية الفتوىٰ على المنع قال المصنف فقد اختلف الافتاء وينبغي ان يعول على ظاهر الرواية اه"

علماء نے تصریح فرمائی کہ جو کچھ ظاہر الروایہ سے خارج ہے، ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ وہ اگر روایت نوادر بھی

ہو تو مرجوع عنہ ہے اور قول مرجوح پر افتا وقضا جہل وخرق اجماع ہے۔ نہ کہ مرجوع عنہ کہ وہ قول ہی نہ رہا، نہ کہ جو سرے سے قول ہی نہ ہو، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کرنے کا حکم فرمایا۔

ردالمختار میں ہے: ”ما خالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لاصحابنا۔“

بحر الرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاہر الروایۃ فہو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ۔“

تصحیح قدوری و درمختار میں ہے: ”الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع۔“

تنویر وشرح علائی میں ہے: ”ویاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زیاد وہو الاصح منیۃ وسراجیۃ وعبارۃ النہر ثم بقول الحسن فتنبہ وصحح فی الحاوی اعتبار قوۃ المدرک والاول اضبط نہر ولا یخیر الا اذا کان مجتہدا بل المقلد متی خالف مذہبہ لا ینفذ حکمہ وینقض ہو المختار للفتویٰ کما بسطہ المصنف فی فتاواہ وغیرہ وقدمناہ اول الکتاب وسیجیء۔“

ردالمختار میں ہے: ”القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذا حکم بغیرہ لم یصح۔“

یہ ترتیب اس وقت ہے جب ایک سے کچھ منقول نہ ہو تو دوسرے کی بات لی جائے گی اور اگر دوسرے سے بھی کچھ مروی نہ ہو تو تیسرے کی، وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور جب کسی امر پر ائمہ ثلاثہ متفق ہوں تو پھر عدول کی گنجائش ہی نہیں۔

محیط امام سرخسی پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”لا بد من معرفۃ فصلین احدہما انہ اذا اتفق اصحابنا فی شیء ابو حنیفۃ وابو یوسف ومحمد رضی اللہ تعالی عنہم لا ینبغی للقاضی ان یخالفہم برائہ الخ۔“

فتاویٰ فقیہ النفس امام قاضی خان میں ہے: ”المفتی فی زماننا من اصحابنا اذا استفتیٰ فی مسئلۃ او سئل عن واقعۃ ان کانت المسئلۃ مرویۃ عن اصحابنا فی الروایات الظاہرۃ بلا خلاف بینہم فانہ یمیل الیہم ویفتی بقولہم ولا یخالفہم برائہ وان کان مجتہدا متقنا لان الظاہر ان یکون الحق مع اصحابنا ولا یعدوہم واجتہادہ لا یبلغ اجتہادہم ولا ینظر الیٰ من خالفہم ولا یقبل حجتہ لانہم عرفوا الادلۃ ومیزوا بین ما صح وثبت وبین ضدہ الخ۔“

جب مجتہد کے لئے اپنے ائمہ کے قول سے پھرنے کی اجازت نہیں تو مقلد کی کیا مجال؟۔ اس کے بارے میں تو ملتقط و درمختار وردالمختار میں مصرح ہے:

”وان لم یکن مجتہدا فعلیہ تقلیدہم واتباع رائہم فاذا قضی بخلافہ لا ینفذ حکمہ۔“ ”یعنی اگر مجتہد نہ ہو تو اس کو ائمہ مذہب کی تقلید اور ان کے رائے کی پیروی ضروری ہے تو اگر اس کے خلاف فیصلہ دے گا نافذ نہ ہوگا۔“

غرض مقلد کو قول امام پر فیصلہ دینا، بحر وغیرہ میں مصرح ہے اور اس کی تحقیق جلیل کے لئے فتاویٰ رضویہ میں مستقل رسالہ ہے ”اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام“ تو اسی پر فیصلہ کرنا واجب ورنہ نافذ نہ ہوگا۔

خاصاً خلاف ظاہر الروایہ ہونے کی وجہ سے اس کا مرجوح ہونا ثابت ہوگیا۔ اب نہ رہی مگر اس پر فتویٰ دیے جانے کی وجہ سے اس کی تقویت۔ مگر عبارت درمختار سے معلوم ہو چکا کہ مفتیٰ بہ دونوں قول ہیں۔ اگر بعض علماء نے اس پر

فتویٰ دیا ہے تو بعض علماء نے اُس پر بھی فتویٰ دیا ہے۔

درمختار کتاب القضاء مسائل شتیٰ ج ۴ ص ۳۷۵ میں ہے: "ولا یمنع الشخص من تصرفه فی ملکه الا اذا کان الضرر بجاره ضررا بینا فیمنع من ذلک وعلیه الفتوی بزازیه واختاره فی العمادیة وافتیٰ به قارئ الهدایة حتی یمنع الجار من فتح الطاقة وهذا جواب المشایخ استحسانا وجواب ظاهر الروایة عدم المنع مطلقا وبه افتیٰ طائفة کالامام ظهیر الدین وابن الشحنة ووالده ورجحه فی الفتح وفی قسمة المجتبیٰ وبه یفتیٰ واعتمده المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاهر الروایة اه"

تو مفتیٰ بہ ہونے کی وجہ سے تقویت دونوں میں مشترک ہے۔ اور ترجیح قول امام کو ہے، ترجیح قول ائمہ کو ہے، ترجیح ظاہر الروایہ کو ہے، ترجیح اس روایت کو ہے جو مطابق درایت ہو خصوصاً ایسی حالت میں کہ ذی علم ثالث کی منقولہ عبارت میں اس قول کو اکثر مشائخ کا اختیار کرنا، اس کا مفتیٰ بہ ہونا بلفظ قیل منقول ہے جو ضعف کا مشعر ہے اور ترجیح مقابل کے لئے مشہور۔

ردالمحتار جلد اول میں ہے: "قالوا وقیل کلاهما مشعران بالضعف۔"

اسی میں ہے: "الحکایة بقیل ترجیح للمقابل۔"

پھر باوجود ان تمام باتوں کے ظاہر الروایہ کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ پس ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر ائمہ ثلٰثہ کے مذہب کو چھوڑ کر مشائخ متاخرین کے قول پر فیصلہ دینا شان فقاہت وانصاف سے بعید ہے۔

تیسری عبارت فتاویٰ خیریہ جلد ۲ ص ۲۰۲ کی ہے: "(سئل) فی الجار یرید فتح کوة علی جاره وفی ذلک اطلاع علی عوراته وحریمه او بناء غرفة او حائط علی جدار مشترک بینهما هل یمنع عن ذلک ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الکوة ففیها استحسان وقیاس الخ۔"

"یعنی کسی نے علامہ خیر الدین رملی سے پوچھا کہ ایک پڑوسی روشندان کھولنے کا ارادہ کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسی کی بے پردگی ہوتی ہے یا مشترک دیوار پر دیوار یا حجرہ کا بنانا چاہتا ہے۔ اس سے منع کیا جائے گا یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ روشندان کھولنے میں دو قول ہیں ایک استحسان دوسرا قیاس۔ استحسان منع ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔"

جیسا کہ نقل کیا اس کو فتاویٰ تتارخانیہ میں اور مضمرات شرح قدوری میں تہذیب سے۔ اور تتارخانیہ میں روشندان کے مسئلہ سے کچھ پہلے لکھا کہ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، اس سے روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے غیر کو ضرر پہنچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ متروک ہے کہ اس کے تصرف کا ضرر بیّن غیر کو پہونچے۔ اور ممانعت کا قول کیا گیا ہے مطلقاً اور اسی کو اکثر مشائخ نے لیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ضرر بیّن ہو جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سب معانی یہاں متحقق نہیں۔ شاید ذی علم ثالث کو وقیل بالمنع مطلقاً سے دھوکا ہوا اور اس کو قول ثالث سمجھ کر بالکل موافق مدعا پایا مگر درحقیقت یہ قول ثالث نہیں کہ مطلقاً منع کیا جائے گا، چاہے ضرر بیّن ہو یا نہ ہو۔ بلکہ یہ لفظ مطلقاً عبارت خیریہ میں قلم ناسخ سے زائد ہو گیا ہے اور قیل، ترک کا معطوف ہے۔

علامہ شامی ردالمختار جلد۴ ص ۳۷۵ میں عبارت جامع الفصولین نقل کر کے فرماتے ہیں: ”قلت قوله وقيل بالمنع عطف تفسير على قوله ترك القياس فليس قولا ثالثا نعم وقع في الخيرية وقيل بالمنع مطلقا الخ ومقتضاه انه قول ثالث بالمنع سواء كان الضرر بينا او لا، لكن عزا في الخيرية ذلك الى التتارخانيه والعمادية وليس ذلك في العمادية كما رايت فالظاهر ان لفظ مطلقا يسبق قلم۔“

چوتھی عبارت عقود الدریہ تنقیح فتاوی حامدیہ جلد ثانی ص ۲۶۵ کی ہے: ”(سئل) فيما اذا كان لكل من جارين سطح بيت في داره مساو سطح الاخر وصار الآن احدهما يصعد الى سطحه الخ۔

”یعنی سوال ہوا کہ دو پڑوسی ہیں جن کی گھر کی چھت دوسرے کی چھت کے مساوی ہے۔ ان میں ایک شخص اپنی چھت پر چڑھتا ہے اور جب وہ اپنی چھت پر چڑھتا ہے تو اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کے عورتوں پر پڑتی ہے اور پڑوسی کہتا ہے کہ پردہ کی دیوار بنانے تک آپ چھت پر نہ چڑھیں۔ تو کیا پڑوسی کو اس کا حق ہے؟۔ جواب دیا کہ ہاں! اسے اس کا حق ہے۔“

یہ مسئلہ تو وہی ہے جس کا مفصل بیان نمبر ۱۲ میں گزرا مگر ذی علم ثالث کو اصلا مفید نہیں۔ اس لئے کہ صورت واقعہ سے محض بے علاقہ۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کی عورتوں پر پڑے اور صورت واقعہ میں ایسا ہرگز نہیں۔ یہاں نگاہ صرف چھت کی فضا تک پہونچتی ہے۔ اگر کوئی شخص مدعی کی چھت پر ہو تو جو شخص مدعا علیہ کی چھت پر ہو اس سے اس کی نگاہ چار ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ تو اس عبارت سے صورت واقعہ پر استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ یہ عبارت ذی علم ثالث کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کی دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو اور یہی مطابق روایت ودرایت ہے۔ حدیث میں ہے: ”الغنم بالغرم“ مثل مشہور ہے ”جس کا ٹپکے گا، وہ چھائے گا“۔ بخلاف ذی علم ثالث کے کہ انھوں نے مدعا علیہ کو حکم دیا کہ پردہ کی دیوار اس قدر بلند بنائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا چھت پر کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہ ہو۔ غرض ان چار عبارتوں میں اول بے علاقہ، دوم ناقص، سوم بالکل غیر مفید، چہارم مضر ہے۔

(۲۱) نمبرات سابقہ سے یہ بات روشن طرح پر معلوم ہوئی کہ فیصلہ محض یک طرفہ کیا گیا ہے، جو نہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہے نہ عقل کے موافق۔ اور عبارتیں محض بھرتی کی ہیں تا کہ نگاہ عوام میں فیصلہ مدلل معلوم ہو۔ ان عبارتوں سے جن نمبروں کا جواب اخذ کیا گیا ہے وہ ہرگز ان سے مستفاد نہیں، نہ یہ جوابات مطابق شرع ہیں۔ بلکہ ان نمبروں کے جوابات یہ ہیں:

نمبر اول: کھڑکی بند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنے پردہ کی دیوار کھینچے۔

بحرالرائق جلد ۷ ص ۳۶ و فتح القدیر امام ابن ہمام جلد ۳ ص ۲۸۵ میں ہے: ”لو فتح صاحب البناء في علو بنائه بابا او كوة لا يلي صاحب الساحة منعه بل له ان يبني ما يستر جهته۔“

نمبر دوم: سوراخ کے متعلق نمبر ۸ میں مفصل بیان ہوا کہ ان سوراخوں سے ہرگز بے پردگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس

کے ذریعہ نگاہ سیدھی سہ منزلہ کی بلندی پر جائے گی، جس سے مدعی کا کچھ نقصان نہیں۔ پھر بھی مدعا علیہ نے اسے بند ہی کر دیا ہے تو بند کیے ہوئے کو پھر سے بند کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

نمبر سوم: مدعا علیہ نے اپنی ضرورت کے لائق دیوار تیار کرائی، اس کی ضرورت اسی قدر سے دفع ہوگئی۔ اب اگر مدعی کو پردہ کی ضرورت ہے، وہ اپنی دیوار بلند کرائے۔ مدعا علیہ کو دیوار بلند کرنے کا حکم دینا محض ظلم ہے۔

فصول عمادی جلد ۲ ص ۱۲۱ میں ہے: "الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔"

نمبر چہارم: اگر متنازع فیہ کوٹھری کی چھت پر چڑھنے سے مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے اور مدعی کی گھر میں نگاہ پہونچتی ہے اور مدعی خواستگار ہے کہ جب تک میں پردہ کی دیوار نہ کھینچ لوں اس پر نہ چڑھا جائے تو مدعی کی اس بات کا خیال کرنا چاہئے۔ اور مدعی کو چاہئے کہ جلد دیوار کا انتظام کرے ورنہ جیسا کہ ذی علم ثالث نے گول رکھا ہے کہ تا حصول صورت پردہ اور مدعی کو پردہ کی دیوار بنانے کا حکم نہیں ۔ یا ۔ یہ ہمیشہ کے لئے مالک کو اپنی ایک مملوک چیز سے نفع اٹھانے سے محض مدعی کی خاطر بے وجہ روکنا ہے۔ نمبر ۱۶ میں عبارت خانیہ گزری کہ اگر کچھ دے کر مالک کو اپنی ملک سے نفع اٹھانے سے روکے، جب بھی باطل ہے تو یہ صورت اولیٰ بالبطلان ہوگی۔

نمبر پنجم: ہمیشہ کے لئے مدعی و مدعا علیہ دونوں کو خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی حرکت یا کوئی کاروائی ایسی نہ کریں جس سے دوسرے کو تکلیف و ضرر پہنچے۔

(۲۲) بحمد اللہ جملہ ابحاث متعلقہ فیصلہ و جواب نمبرات سے فراغ پایا۔ اتنے مختصر الفاظ فیصلہ کے متعلق یاد ہیں کہ ☆ بوجہ عدم قبول تحکیم و مشروط بشرط کرنے اور عدم وجود شرط تحکیم، ثابت نہیں ☆ بفرض وجود و ثبوت قبل فیصلہ مدعا علیہ کے نقض و فسخ کی وجہ، تحکیم کالعدم ہوگئی حَکم کو حُکم دینا روا نہیں۔ ☆ بر تقدیر عدم فسخ فیصلہ ہذا بے حجت شرعیہ (بینہ و یمین و نکول) ہونے کی وجہ سے فیصلہ شرعی نہیں بلکہ ایک ردی کاغذ ہے کہ مدعی کے حوالہ کر دیا گیا بلکہ اگر یہ وجوہ نقص نہ بھی ہوتے تو از انجا کہ ثالث مقلد نے اپنے جمہور خصہ امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف، ظاہر الروایہ کے خلاف، درایت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اس لئے محض باطل و غیر نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ، فیصلہ شرعی نہ ہوگا۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفر لہ
صدر مدرس مدرسہ عالیہ، شمس الہدیٰ

☆☆☆☆☆

کتاب الاضحیۃ ۱۰

مسئلہ مرسلہ از اٹاوہ از جانب محمد روح اللہ ۱۱ رصفر ۱۳۲۴ھ

مسئلہ اولیٰ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بندوق سے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر شکار مارا اور پھر بعد گرنے شکار کے، اس کے ذبح کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے پہنچنے تک شکار مر گیا۔ اب اس کا کھانا درست ہے اور وہ حلال ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثانیہ: اس ملک میں اکثر ہندو کھٹک بکری کا گوشت فروخت کرتے ہیں اور مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے، وہی ذبح کرتا ہے۔ وہاں سے کھٹک اپنی دکان پر لے جا کر گوشت فروخت کرتے ہیں اور ان کی دوکان پر کوئی مسلمان نگراں نہیں رہتا۔ ان سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثالثہ: زید باوجود قدرت اس بات کے کہ زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بلا عذر اپنے پلنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ یہ نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) حلال نہیں کہ بندوق کا حکم تیر کے مثل نہیں۔ یہاں آلہ وہ چاہیے کہ اپنے دھار سے قتل کرے اور گولی چھرہ میں دھار نہیں ہوتی۔ بندوق کاٹ نہیں کرتی بلکہ قوت کرتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لا یخفی ان الجرح بالرصاص انما هو بالاحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذ لیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجم۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) صورت مستفسرہ میں اس گوشت کا خریدنا، کھانا اور کھلانا سب ناجائز ہے۔ حیوان جب تک زندہ تھا، حرام تھا کہ اس کا یا اس کے کسی جز کا کھانا یا کھلانا سب حرام تھا۔

حدیث میں ہے: "مایقطع من البهیمة وهی حیة فهو میتة۔"

پھر ذبح شرعی سے حلال ہوگا۔ اور وہ بربنائے قول کھٹک ثابت نہیں کہ یہ امر دیانت متعلق حلت وحرمت کے ہے اور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

درمختار میں ہے: "خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانة۔"

ہاں اگر مذبح سے اس کے دوکان تک کوئی مسلمان ساتھ آیا اور دوکان پر بھی کوئی مسلمان موجود رہا، غرض اگر مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اب اس مسلمان کی خبر کی بنا پر کہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا، اس کا خریدنا اور کھانا اور کھلانا سب جائز ہے کہ اب وہ خبر مسلم ہے نہ کہ خبر کافر۔ اور خبر، مسلم کی دیانت ومعاملات ہر جگہ معتبر ہے بشرطیکہ

عادل ثقہ ہو۔ ورنہ قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا۔ فی التنویر: "شرط العدالة فی الدیانات وتجری فی الفاسق المستور۔" واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اس پر مستقر ہوجائے یعنی اس کا دبنا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کرے، اس سے زائد نہ دبے، اس چیز پر نماز جائز ہے۔ خواہ وہ چارپائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاری کا کھٹولہ یا کوئی شی اور۔ تو اگر چارپائی اس قدر سخت ہو، اس پر نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

غنیہ میں ہے: " ضابطه ان لا یستفل بالتسفیل فحینئذ جاز سجوده علیه۔"

ردالمحتار میں ہے: "تفسیره ان الساجد لو بالغ لا یتسفل راسه ابلغ من ذلك فصح علیٰ طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة ان کانت علی الارض اه" مختصرا من العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة وتمامه فیها۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده احکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ طالب علم بنگالی رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر شخص مسلمان، جانورے بنام اصنام ہنود رہا کند۔ گوشت آں جانور خوردن حلال است یا نہ؟ وآں جانور در ملک وے ماند یا نہ؟ وحکم آں کس چہ؟ علیٰ ہذا اگر ہنود بنام اصنام خود جانورے رہا کند یا چیزے بدہد، استعمال وخوردن آں از روئے شرع شریف جائز است یا نہ؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

از رہائی جانور بنام اصنام ہنود حرام نمی شود۔ قال تعالیٰ: " مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ"o (المائدة : ۱۰۳) "اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔ ہاں! کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں"۔ (کنزالایمان)

قال فی المدارك: " یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتهم هذا التحریم الیه واکثرهم لا یعقلون ان اللہ تعالیٰ لم یحرم ذلك۔"

در ملک او بلاشبہ باقی میماند کہ وقت رہا کردنش نمی گوید: ہر کہ بگیرد ملک اوست ونہ ایں را در ملک غیر دارند۔

در فتاوٰی عالمگیری است: " من له دابة وقال "لا حاجة لی الیها" ولم یقل "هی لمن اخذها" فاخذها انسان لا تکون له۔"

بدیں وجہ گرفتن وذبح کردن غیر آں جانورے درست نیست۔ لانه ملك الغیر فان اجازه جاز بلا شبهة۔

وامار ہا کردن مسلم بنام صنم پس اگر بنیت تعظیم وتقریب باآں بت باشد، البتہ کفر است۔ وآنکہ آں جانور ملک از

املاک مرتد باشد۔ اگر آں کس برائد، او خود برد مال ارتداد او، بسائے مسلمین می شود۔ اگر اسلام آرد، خود ملک اوست۔
کما فی الدر المختار: "ویزول ملك المرتد عن ماله و الّا موقوفا فان اسلم عاد ملکه وان مات او قتل علیٰ ردته ورث کسب اسلامه وارثه المسلم بعد قضاء دین اسلامه و کسب ردته فیٔ بعد قضاء دین ردته۔"

واگر نیت تعظیم وتقرب نداشت، خود کم نہ از آں کہ گناہ کبیرہ است۔ فاما از ملک او بیروں نرود۔ وحکم ہمانست کہ بالا گذشت۔

ودر فتاویٰ عالمگیریہ است: "فمن اعتق عبده للشیطان او للصنم عتق الا انه یکفر هکذا فی السراج الوهاج۔ اقول: لکن الارفق بحال المسلم و الحذر عن الاجتراء علیٰ تکفیر المسلم، التفصیل الذی قد بیناه کما فی الاشباه والنظائر "فان اعتق للصنم او الشیطان صح واثم" اما المسلم اذا اعتق له قاصدا تعظیمه کفر کذا فی الطحطاوی والکلام علیٰ التوزیع فان اعتق لهما من غیر قصد تعظیم ثبت الحرمة من غیر کفر وصرح فی مقام اخر لقوله اما اذا لم یقصده فلا یکفر۔"

ودر درمختارست: "ویصح ایضا بتحریر (لوجه الله والشیطان والصنم وان) اثم و (کفر به) ای بالاعتاق للصنم (المسلم عند قصد التعظیم) لان تعظیم الصنم کفر۔" (کتاب العتق ۳/۶۵۰) والا فلا کما قدمنا عن الاشباه والطحطاوی والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ از کلکتہ ڈاکخانہ بیل گچھا اولا استھان مرسلہ عبدل میانجی باڑی والے یکم محرم ۱۳۲۵ھ

جناب قبلہ وکعبہ مولانا مولوی محمد احمد رضا خاںصاحب دام فیوضکم۔

آداب نیاز کے بعد گزارش ہے کہ چند سوالات بطور استفتا ارسال خدمت اقدس ہے۔ امید کہ جواب اس کا واسطے درستی خیال وعقیدت ناواقف لوگوں کے محرر فرما کر بصیغۂ بیرنگ روانہ فرمائیے۔

(امر اول) اکثر اس نواح میں اقوام ہنود بکرا ومینڈھا وغیرہ بطریق چڑھانے کے، بت کے سامنے لے جاتے ہیں اور محض ایک کان اس کا کاٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کو لوگ پکڑ کر فروخت کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان خرید کر کھائے یا قربانی کرے تو جائز ہے یا نا جائز؟

(امر دوم) اگر کسی مسلمان نے کوئی راس مویشی خواہ گائے یا بکری ومینڈھا وغیرہ کسی مسلمان کو یہ لفظ کہہ کر دیا کہ تم اس کی قربانی لے جا کر کرو اپنے نام سے، تو اس کا ثواب قربانی کرنے والے کو پورا ملے گا یا کچھ مویشی دینے والے کو بھی ملے گا؟

(امر سوم) خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، عقیقہ کرنے کی مدت کس عمر تک ہے؟ دوم یہ بھی ضروری ہے کہ وقت عقیقہ کے سر کے بال اتارے جاتے ہیں یا اگر جوانی میں عقیقہ کیا جائے تو بھی لڑکا خواہ لڑکی کے سر کے بال اتارے جائیں گے؟ فقط

الجواب

(جواب اول) نہ لوگوں کو اسے پکڑ کر بیچنا جائز، نہ خریدنا روا، نہ اسے کھانا حلال۔ نہ اس کی قربانی کافی۔ لانہ باع مالا یملکہ۔ ہنود جو چیز اپنے بت گنگا جمنا خاک بلا کے نام سے اس پر چڑھا کر چھوڑ دیتے ہیں، اس سے ان کی ملک نہیں زائل ہوتی۔ وہ بدستور ان کی ملک پر باقی رہتی ہے۔ ہاں صراحۃ یا دلالۃ جب معلوم ہو جائے کہ اس غرض سے چھوڑا ہے، جو پکڑ لے اس کی ملک ہے، تو البتہ اسے پکڑنا اور بیچنا جائز ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "لو سیب دابته وقال لا حاجة لی الیها ولم یقل هی لمن اخذها فاخذها انسان لا تکون له۔"

ردالمحتار میں ہے: "القیٰ شیئا وقال من اخذه فهو له فمن سمعه او بلغه ذلك القول ان یاخذه والا لم یملکه۔"

اور دلالت حال یہ کہ عرف عام اس طور پر ہو کہ یہ چھوڑنا اور پھینکنا اس غرض سے ہو کہ جو پالے اس کی ملک ہے۔ جیسے لوگ شادیوں میں روپے پیسے یا محرم میں روٹیاں بسکٹ لٹاتے، پھینکتے ہیں۔ اب خریدنے والے کو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جب یہ مالک ہو گیا تو قربانی بھی حلال ہے اگر تہائی یا زیادہ کان کاٹ کر جدا نہ کر دیا ہو ورنہ قربانی نہ ہو سکے گی۔

تنویرالابصار میں ہے: "ولا یضحی بمقطوع اکثر الاذن مختصرا والثلث فصاعدا وهو ظاهر الروایة وصححه فی الخانیة وعلیه الفتویٰ ومشی علیها فی مختصر الوقایة والاصلاح۔"

مگر ان چھوڑنے والوں کا یہ قصد ہرگز نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ان کے ملک سے خارج نہیں ہوتا اور ان کا کھانا قربانی کرنا کچھ روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دوم) دونوں کو ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے: "والدال علیٰ الخیر کفاعله۔" رواه البزار والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والامام احمد فی مسنده وابو یعلیٰ والضیاء عن بریدة وابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج عن انس رضی الله تعالیٰ عنهم۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(سوم) ولادت سے بلوغ تک عقیقہ کا وقت ہے۔ جب چاہے کرے۔ مگر بہتر ساتواں دن ہے۔

شرح عباب علامہ ابن حجر پھر عقود الدریہ علامہ ابن عابدین شامی میں ہے: "وقتها بعد تمام الولادة الیٰ البلوغ فلا یجزی قبلها وذبحها فی الیوم السابع۔"

سراج الوہاج میں ہے: ولو قدم یوم الذبح قبل یوم السابع او اخر عنه جاز الا ان یوم السابع افضل۔

بلکہ تا بقائے جان، عقیقہ ممکن۔ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت خود اپنا عقیقہ فرمایا۔ عقیقہ کے ساتھ وہ بال جدا کئے جاتے ہیں جو پیٹ سے پیدا ہوئے اور جب وہ ایک بار جدا ہو گئے تو اب عقیقہ کے ساتھ بال تراشنا کوئی ضروری نہیں۔ احادیث میں "واسبطوا عنه الاذیٰ" فرمایا ہے یعنی پیٹ سے جو بال لے کر پیدا ہوا، وہ دور کر دے

جاتے ہیں۔ اس واسطے اس کو عقیقہ کہتے ہیں کہ اصل عقیقہ کے معنی وہ بال ہیں جو لڑکے کے سر پر وقت پیدائش کے ہوتا ہے۔ کما فی الکرمانی شرح البخاری عن الاصمعی۔ خصوصاً اگر لڑکی کا عقیقہ جوانی میں کیا جائے کہ عورت کو سر کا بال مونڈانا حرام ہے، مثل داڑھی کے، واسطے مردوں کی۔

درمختار میں ہے: "قطعت شعر رأسها اثمت ولعنت زاد فی البزازیۃ وان باذن الزوج، لانہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ ظفر الدین البہاری

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی کلیم الدین، پورنیہ ڈاکخانہ بیسی ہاٹ موضع چوپڑا۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

سوال اول: یہ کہ نمازی، پرہیزگار و صوفی شخص اگر بے نمازی، گنہگار کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرے تو ایسی قربانی کی فضیلت و ثواب پرہیزگار کو ملے گا یا نہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے اس صوفی کے ثواب میں کمی تو نہ ہوگی۔؟

سوال دوم: حدیث فعلی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خصی ابلق سنگدار اپنی طرف سے قربانی کئے اور دوسرا ایک خصی بصفت مذکورہ ساری امت کی طرف سے قربانی کئے۔ پس ہم لوگ امتان محمدی کو دو چار آدمی شریک ہو کر نا جائز ہونے کی کون سی قولی حدیث و دلیل ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمایا جائے۔

سوال سوم: اس ملک میں رواج ہے کہ لڑکوں کے ختنے میں طعام داری، طویل خواہ قلیل کرتے ہیں و برادروں و یگانوں کو دعوت کرتے ہیں۔ ایسی دعوت کھانا اور اس مولود شریف میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال چہارم: ملاً نکاح باندھ دینے والے مالدار، اہل نصاب، صاحب زکوۃ کو دولہا کی طرف سے عقد خوانی میں کچھ روپیہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال پنجم: جن شخصوں نے کبھی دلہن کو نہ دیکھا ہے، نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، ایسے شخصوں کی شہادت سے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ بجائے اس دلہن کے بوجہ شرارت و دشمنی کے دوسری کسی رذیل قوم کی لڑکی سے ایجاب کرادے اور گواہان کو تمیز نہ ہو کہ یہ منسوب شدہ لڑکی ہے یا دوسری ہے؟

سوال ششم: کسی شخص نے اپنی جورو سے جھگڑا و مار پیٹ کر کے یوں کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا، تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔ اتنا کہنے پر وہ عورت اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی۔ بعد گذرنے تین چار ماہ کے اس کا شوہر چاہتا ہے کہ اس بی بی کو لے آوے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چھوڑنے کا لفظ کہنے کے سبب اس پر طلاق پڑ گئی ہے۔ یہ سن کر وہ عورت چاہتی ہے، دوسرا شوہر کروں۔ پس وہ عورت دوسرا شوہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال ہفتم: ایک شخص زنا میں پکڑا گیا۔ بستی کے سردار و پنچانان نے مل کر اس زانی سے مثلاً سو روپیہ لے کر اس

روپیہ سے شامیانہ یا فرش ومصلا خرید کیا۔اس شامیانہ کے نیچے، فرش اور مصلا کے اوپر بیٹھنا، نماز ومولود شریف پڑھنا، مستحق ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

(۱) نمازی و پرہیزگار اگر بے نمازی اور گنہگار کے ساتھ قربانی میں شریک ہو تو اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے ثواب میں کمی نہ آئے گی۔ہاں مشرک کے شریک ہونے سے قربانی نہ ہوگی۔اس لئے کہ شرکت بنیت قربت ہونی چاہئے اور مشرک قربت کا اہل نہیں۔

ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۰۷ میں ہے: "والمراد انها تجزی بنية القربة من كل منهم ولو اختلف جهات القربة۔" والله تعالىٰ اعلم۔

(۲) حدیث قولی و فعلی سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، بیشک اس پر عمل کرنا چاہئے اور سنت جان کر عمل کرنے والوں کو بہت ثواب ملے گا۔یعنی ہر شخص ایک خصی بصفات قربانی اپنی طرف سے کرے اور دوسرا خصی اپنے تمام بھائی مسلمانوں کی طرف سے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔حضور نے یہ تو نہیں کہا کہ چند اشخاص جن پر قربانی واجب ہے، ان سب کو فرمایا ہو کہ تم کو الگ الگ خصی کرنے کی ضرورت نہیں، ایک ہی میں شریک ہو جاؤ۔ایک کسی کار خیر میں لوگوں کو شریک کر لینا اور ایک اس پر سے سقوط واجب جاننا، ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ وهذا ظاهر لمن له عقل كامل وفهم سالم۔ والله تعالى اعلم۔

(۳) ایسی طعام داری کی شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں، نہ مولود شریف ناجائز بلکہ بہر اور باعث ثواب ہے۔ قال تعالى: "وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" (الضحیٰ: ۱۱) اور خوشی ومسرت کے موقع پر عزیز و اقارب، دوست واحباب کی دعوت بھی مسنون ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ تمام کیا تو اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اگر دولہا، نکاح کرنے والے قاضی کو کچھ بطور ہدیہ پیش کرے، اگرچہ وہ شخص مالدار، صاحب ثروت ہو، لینے میں مضائقہ نہیں۔اس لئے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ نہیں کہ اغنیاء کو لینا حرام ہو بلکہ ہدیہ وتحفہ ہے۔اس کے لینے میں مضائقہ نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مسئلہ نکاح میں عام طور پر ایک غلط فہمی ہو رہی ہے۔وہ یہ کہ جو لوگ عورت سے توکیل کے لئے جاتے ہیں، جن کے سامنے عورت توکیل کا اقرار کرتی ہے، انہیں کو نکاح کا گواہ سمجھا جاتا ہے۔حالانکہ وہ دو شخص جو زنانے میں جا کر عورت سے اجازت لیتے ہیں، وہ صرف توکیل کے گواہ ہیں۔یعنی ان دونوں کے سامنے عورت نے فلاں شخص کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی۔نکاح کے گواہ وہ سب مجمع والے ہیں اور وہ لوگ جن کے کہنے سے شوہر نے اقرار وقبول کیا۔غرض جن جن لوگوں نے اقرار وقبول کے الفاظ سنے، وہ سب کے سب نکاح کے گواہ ہیں۔اب اگر کسی رذیل قوم کی لڑکی سے کسی نے

اقرار نکاح کیا تو اس نکاح کے گواہ سب مجمع والے ہوں گے۔ پھر اس عورت نے اگر واقعی اس کو وکیل نہ کیا تو پھر یہ نکاح، نکاح فضولی ہوگا، عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر اجازت دے گی جائز ہوگا ورنہ باطل۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ خود عورت جوان، عاقلہ، بالغہ ہو ورنہ اگر کمسن لڑکی ہے تو اس کے ولی کی توکیل کافی ہے۔ وھذا کلہ ظاھر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اس کہنے سے بیشک وہ عورت مطلقہ ہوگئی۔ شوہر اول نکاح کے بعد البتہ اس کو رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ ایک ہی مرتبہ کہا ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اور اگر تین مرتبہ کہا تو حرمت غلیظہ ہوگی، صرف نکاح کافی نہیں، بغیر حلالہ جائز، درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) اس طرح سے جرمانہ کرنا شرعا درست نہیں۔

ردالمحتار جلد ۳ ص ۱۸۴ میں ہے: ''قولہ لا یاخذ المال فی المذھب قال فی الفتح وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال وعندھما وباقی الائمۃ لا یجوز اہ مثلہ فی المعراج وظاھرہ ان ذلک روایۃ ضعیفۃ عن ابی یوسف قال ولا یفتیٰ بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمۃ علیٰ اخذ مال الناس فیاکلونہ ومثلہ فی شرح الوھبانیۃ عن ابن وھبان۔''

تو جب مفتیٰ بہ مذہب پر جائز نہیں ہے تو یہ مال لینا غصب کے حکم میں ہوگا۔ اس سے ان چیزوں کا بنانا جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ شخص بخوشی اجازت دے کہ میں نے شامیانہ، فرش، مصلی کے لئے یہ رقم بخوشی دی تو اس پر نماز پڑھنے، مولود شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ اگرچہ نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی کبیر الدین صاحب از بین ضلع پٹنہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال کی قیمت سے مین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تعمیر مسجد از سر نو باحرمت اس کے قربانی کی کھال بلکہ اس کے گوشت کی قیمت سے بھی بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ''ویتصدق بجلدھا او بجزء منھا وکان لہ التصدق والانتفاع بہ لا بیعہ بالدراھم لینفق علیٰ نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لینفق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اہ''

''اور مستحب ہے کہ صدقہ کرے اضحیہ کے چمڑے کو کہ چمڑہ اس کا جزء ہے اور اس کا حق تصدق اور نفع اٹھانا ہے۔ نہیں جائز ہے بیچنا کھال کا داموں سے تاکہ اپنے اور گھر والوں کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت کھال کے رتبے میں ہے اور اگر کار خیر میں صرف کرنے کے لئے بیچا تو جائز ہے''۔ ھکذا فی الکافی والھدایۃ والتبیین

والبحر والحلية وخزانة المفتيين وفتح الله المعين۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کلوا وادخروا وتصدقوا" کھاؤ اور جمع رکھو اور صدقہ کرو۔ رواہ مسلم والبخاری واحمد عن عائشۃ ولابی داؤد عن نبشۃ الھذلی: "کلوا واشربوا وادخروا واتجروا۔" کھاؤ اور پیو اور جمع کر رکھو اور وہ کام کرو جس میں ثواب ہو۔

اور شک نہیں کہ تعمیر مسجد، کار ثواب ہے بلکہ اس کا ثواب اتنا نہیں کہ کوئی بتا سکے کہ وہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما یلحق المومن من عملہ بعد مماتہ مسجدا بناہ" بیشک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا ہے، مسجد ہے، جو اس نے بنائی۔ اخرجہ ابنا خزیمۃ وماجۃ والبیہقی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: "من یبنی للہ مسجدا" جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے "وفی روایۃ ولو کمفحص قطاۃ" اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی "وفی روایۃ او اصغر" یا اس سے بھی چھوٹی "وفی روایۃ یذکر اللہ عز وجل فیہ" تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین وتقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) "بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ" اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایۃ "من درر ویاقوت" موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجہ وابن حبان وسیدنا ابو حنیفۃ وابن خزیمۃ والبزار فی مسندہ والطبرانی فی الصغیر والترمذی وھو فی الکبیر والاوسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان وعمر وجابر بن عبد اللہ وابی ذر وانس بن مالک وابی امامۃ وابی ہریرۃ واسماء بنت الصدیق وعمرو بن عبسۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو بے کم وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ "لاینقص عن اجورھم من شئ۔"

بالجملہ تعمیر مسجد قیمت جلود اضحیہ سے بلاشبہ درست ہے۔ چاہئے کہ کھال مہتمم تعمیر کے حوالہ کریں کہ وہ اُسے بیچ کر تعمیر میں لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

"اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد" (۱۳۲۵ھ)

مسئلہ مسئولہ جناب شیخ محی الدین اشرف رئیس بین ضلع پٹنہ اواخر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو کس کس کام میں لا سکتے ہیں۔؟ فقہائے کرام جو "بتصدق بجلدھا" فرماتے ہیں، اس سے مراد صدقہ واجبہ ہے یا نافلہ؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

بلاشبہ پوست اضحیہ کو تعمیر مسجد کے لئے دینا، اس سے مسجد کی تعمیر، مرمت، قلعی کرنا، اس کے لئے جانماز، بوریا، چٹائی ،لوٹے، رسّی، ڈول، جھاڑو، چراغ، میٹھا تیل خریدنا جائز ہے۔ (مٹی کا تیل مسجد کے لئے نہ خریدیں کہ اس کا مسجد میں جلانا یا کسی اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا، دیا سلائی کھینچنا سب مکروہ تحریمی ہے۔ احکام وآداب مسجد میں ہے کہ وہ ہر بدبودار چیز سے بچائی جائے جس سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہو۔ اسی لئے احادیث میں کچا لہسن، کچی پیاز کھانے والے کو مسجد کے قریب آنے سے بھی ممانعت آئی ہے۔ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں جس شخص کے منھ سے لہسن، پیاز کی بو آتی، بقیع شریف تک نکال دیا جاتا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: ''ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه خطب يوم الجمعة فذكر: '' انكم ايها الناس تاكلون شجرتين لا اريهما الا خبيثين هذا البصل والثوم ولقد رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وجد ريحهما من الرجل فى المسجد امر به فاخرج الىٰ البقيع "رواه عن معدان بن ابى طلحة رضى الله تعالىٰ عنه ـ''

اسی بنا پر علماء کرام نے، جس شخص کے آنے سے نمازیوں کو نفرت ہوتی ہو، انہیں ایذا پہنچتی ہو، اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی اور تصریح فرمائی کہ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ مثل قصاب، ماہی فروش، جذامی، مبروص، گندہ دہن، گندہ بغل، وغیرہ وغیرہ۔

درمختار والاشباہ والنظائر میں ہے: ''يكره دخوله لمن اكل ذا ريح كريهة ويمنع عنه وكذا كل موذ ولو بلسانه اه وفى الطحطاوية كمغتاب ونمام اه''

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویر الابصار میں ہے: ''يلحق بما نص عليه فى الحديث كل ماله رايحة كريهة ماكولا او غيره والقصاب والسماك والمجذوم والابرص اولىٰ بالالحاق۔''

نووی شرح صحیح مسلم میں ہے: ''قال العلماء ويلحق بالثوم والبصل والكراث كل ماله رايحة كريهة من الماكولات وغيرها۔ قال القاضى ويلحق به من اكل فجلا وكان يتجشى قال وقال ابن المرابط ويلحق به من به بخر فى فيه او به جرح له رايحة۔ وفيه تحت قوله "فاخرج الىٰ البقيع "فيه اخراج من وجد منه ريح الثوم والبصل ونحوهما من المسجد وازالة المنكر باليد لمن امكنه اه۔ ''

مسجد کے لئے حسب حاجت جھاڑ وفانوس، ہانڈی، موم بتی وغیرہ خریدنا، مسجد کے لئے حدود حرم سے باہر کنواں، غسل خانہ، استنجا خانہ، پاخانہ بنوانا، امام موذن جاروب کش مسجد کی تنخواہیں دینا، سب کچھ جائز ودرست ہے۔ ظاہر ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود قربانی سے ہرگز ہرگز گوشت وپوست، شعر وو بر، صوف وشحم نہیں، نہ ان کا نام قربانی ہے۔ بلکہ وہ ایام مخصوصہ میں اراقت دم مخصوص تقرباً الی اللہ ہے۔ اس واسطے ایام نحر میں اس جانور کے زندہ صدقہ کرنے سے

قربانی ادا نہیں ہوتی بلکہ غنی پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے۔

ردالمحتار جلد پنجم میں جوہرہ نیرہ شرح قدوری سے ہے: "والدلیل علیٰ انہا الاراقۃ لو تصدق بعین الحیوان لم یجز والتصدق بلحمہا بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔"

اسی میں ہے: "فان تصدق بعینہا فی ایامہا فعلیہ مثلہا مکانہا لان الواجب علیہ الاراقۃ۔"

نہ قبل از ذبح یا مذبوحہ قبل از وقت کے دودھ، اون، گوشت یا کسی جز سے انتفاع درست اور اگر دودھ دوہ لیا یا اون کاٹ لی تو اسے اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا۔ بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور بعد قربانی کرنے کے اس میں ہر قسم کے تصرف کا، سوا تمول کے، مجاز مختار ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ جلد پنجم میں ہے: "ولو اشتریٰ شاۃ للاضحیۃ یکرہ ان یحلبہا او یجز صوفہا فینتفع بہ لانہ عینہا للقربۃ فلا یحل لہ الانتفاع بجزء من اجزائہا قبل اقامۃ القربۃ بہا کما لا یحل لہ الانتفاع بلحمہا اذا ذبحہا قبل وقتہا بدائع۔ ولو حلب اللبن من الاضحیۃ قبل الذبح او جز صوفہا یتصدق بہ ولا ینتفع بہ کذا فی الظہیریۃ واذا ذبحہا فی وقتہا جاز لہ ان یحلب لبنہا ویجز صوفہا وینتفع بہ لان القربۃ اقیمت بالذبح والانتفاع بعد اقامۃ القربۃ مطلق کالاکل کذا فی المحیط اھ" مختصرا۔

یعنی اقامت قربت اضحیہ سے انتفاع جائز نہیں۔ اور بعد قربانی کرنے کے اس کے دودھ، گوشت، صوف سب سے انتفاع روا کہ قربت تو ذبح ہی سے حاصل ہوگئی اور بعد اقامت قربت انتفاع مطلقا جائز ہے۔ جس طرح اور جس وجہ سے ہو، نفع اٹھا سکتا ہے۔ دینی ہو یا دنیاوی۔ گوشت کو انہیں دنوں میں کھائے یا بعد کے لئے اٹھا رکھے۔ پوست کی کوئی چیز استعمال مثل ڈول، مشک، چھلنی، پوستین، توشہ دان، فرش، تکیہ، ترازو، چھاگل، دسترخوان، بستر بند، جلد کتاب، بیگ، جوتہ، موزہ، تسمہ، جانماز، زین، ساز، لگام، پرتلہ، کپی، دھونکنی، وغیرہا بنائے یا اس سے کوئی ایسی چیز بدل لے جو بعینہ استعمال میں آتی ہو جیسے برتن، کپڑا، کتاب، قلمدان، الماری، بکس، فانوس، لیمپ، میز، کرسی، تخت، تپائی، ٹیبل، کواڑ، سماوار، چائدان، پرچ، پیالیاں، ٹفن بکس، کیش بکس، پیٹی، صندوق، لالٹین، جھیکا، دیوارگیر، کھونٹی، کھڑاون، وغیرہا۔ ہاں وہ چیزیں نہ بدلے جن سے انتفاع بعد استہلاک ہوتا ہو۔ جیسے گوشت، ترکاری، غلہ، نمک، مسالا، مٹھائی، حلوا، ربڑی، برف، مکھن، دودھ، دہی، گھی، چاول، دال وغیرہا کہ اس قسم کی چیزیں بدلنا نہ گوشت پوست سے جائز، نہ اس کی چربی، سرا، پائے، اون، بال، دودھ وغیرہا سے روا۔"

عالمگیریہ جلد ۵ میں بدائع شرح تحفۃ الفقہاء سے ہے: "ولا یحل شحمہا واطرافہا وراسہا وصوفہا ووبرہا وشعرہا ولبنہا الذی یحلبہ منہا بعد ذبحہا بشیء لا یمکن الانتفاع بہ الا باستہلاک عینہ من الدراہم والدنانیر والماکولات والمشروبات۔"

مگر یہ یاد رہے کہ اپنے لئے برتن وغیرہ سے اشیاء مستعملہ بعینہا کو چمڑے سے بدلنا جائز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھال یا

گوشت یا اس کے کسی جزء کو روپوں سے بیچیں پھر ان روپوں سے یہ سب چیزیں خریدیں کہ یہ درست نہیں۔

ردالمحتار جلد ۵ میں طحطاویہ حاشیہ درمختار سے ہے: ''قوله (بما ينتفع بعينه) ظاهر انه لا يجوز بيعه بدراهم ثم يشترى بها ما ذكره ويفيده ما تذكره عن البدائع۔''

کہ اپنے لئے کھال یا گوشت، روپوں سے بیچنا مطلقاً ممنوع ہے۔ بیچ لیا تو اس میں روپوں کو اپنے صرف میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب۔ لانه حصل بوجه خبيث لحديث التمول المنهى عنه و كل مال صفته هكذا يجب تصدقه۔ قال فى الهداية: ''ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم او بما لا ينتفع به الا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الىٰ بدله اه'' وسبيلها التصدق اه عناية قلت كذا علله فى الكافى حيث قال تصدق بثمنه لان معنى التمول سقطه عن الاضحية فاذا تمولها بالبيع انتقلت القربة الىٰ بدله فوجب التصدق۔

چاہے پھر ان روپوں کو اپنے پاس رکھے یا ان سے کوئی چیز خریدے کہ ہر طرح تمول ہے اور اضحیہ سے تمول مطلقاً ناجائز۔ اس واسطے اگر کسی نے پوست یا گوشت قربانی فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دیا، زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ اور اگر اس نے کسی امیر کو ہدیہ دیا اور اس نے بہ نیت زکوٰۃ فقیر کو دے دیا، اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اس لئے کہ صورت اولیٰ میں تمول پایا گیا کہ اس پر جتنا روپیہ پوست میں منہا ہوا، اتنا اسے بچ رہا۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس نے غنی کو ہدیہ دیا اور ہدیہ دینا اغنیا کو درست ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: ''ولا باس بان يهدى الاغنياء۔''

عالمگیریہ میں فتاویٰ غیاثیہ سے ہے: ''ويهب منها (اى من الاضحية) ماشاء للغنى والفقير۔''

اور بعد قبول ہبہ وہ پوست اس کے تمامی املاک کی طرح اس کی ملک ہے۔ جس طرح اپنے مال کو زکوٰۃ میں دے سکتا ہے اس کا دینا بھی درست اور صحیح ہے۔

ردالمحتار جلد ۵ میں قہستانی سے ہے: ''اذا دفع بنية الزكوة لا يحسب عنها فى ظاهر الرواية لكن اذا دفع لغنى ثم دفع الغنى بنيتها (الزكوة) يحسب۔''

دینی فائدہ یہ کہ گوشت اپنے عزیز و اقارب، احباب و اصحاب کو کھلائے یا ان کے گھر بھیج دے۔ پوست کسی فقیر یا غنی کو بعینہ یا اس کی چیز موزہ، پوستین، تکیہ، وغیرہ بنوا کر ہدیہ دے یا اس سے کوئی چیز مستہلک یا غیر مستہلک بدل کر یا روپیوں سے بیچ کر صدقہ کرے یا کسی نیک کام میں صرف کرے یعنی نفع عام کی کوئی چیز مدرسہ، حوض، پل، نہر، سرائے، کنواں، مسجد، شفاخانہ، قبرستان کی حفاظت وغیرہ کی تعمیر کرائے۔ غرض ہر اس کام میں جس میں ثواب ہو، صرف کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: ''ويتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال وجراب ولا باس بان يشترى به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا وذلك مثل ما ذكرنا ولا يشترى به

مالا ینتفع الا بعد استهلاکه نحو اللحم والطعام ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علیٰ نفسه وعیاله واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتیٰ لا یبیعه بما لا ینتفع به الا بعد الاستهلاك ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین۔ وهکذا فی الهدایة والکافی۔"

"یعنی اور مستحب ہے کہ کار خیر میں لگائے پوست اضحیہ کو یا اس سے چلنی اور موزہ یا کوئی اور چیز اس کے مثل بنائے۔ اور نہیں مضائقہ کہ خریدے اس سے وہ چیز کہ بعینہ اس چیز سے نفع اٹھایا جاتا ہو مثل اول چیزوں کے کہ ذکر کیا ہم نے اور نہ خریدے اس سے وہ چیز جس سے قبل از استہلاک نفع غیر متصور ہو جیسے گوشت غلہ اور پوست کو روپیوں سے تاکہ اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت پوست کے حکم میں ہے۔ اسی لئے نہیں بیچ سکتے اس چیز سے جس سے قبل استہلاک نفع نہ اٹھایا جاتا ہو۔ اور اگر بیچے اس کو روپیوں سے تاکہ صدقہ کرے ان روپیوں کو تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی قربت ہے مثل صدقہ کرنے کھال کے (اور ہر قربت جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے) یہ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے اور ایسا ہی علامہ برہان الدین مرغینانی کی ہدایہ شرح بدایہ اور علامہ عبد اللہ ابو البرکات نسفی کی کافی شرح وافی میں ہے"

عبارت ہذا تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، حفظن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ وقاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذۂ کرام ومشائخ عظام خصّهم الله العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمامی جزئیات بآسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا بالله وهو حسبی ونعم الوکیل

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا کما قدمنا عن الهندیة عن المحیط اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے، عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قوله ویتصدق بجلدها وقوله ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے، لما فی غرر الاحکام: "او یجعله آلة کجراب وخف وفرو اه وفی الخانیة ولا باس بان یتخذ من جلد الاضحیةفروا او بساطا او منکنا یجلس علیه اه وفی الکافی والهدایة او یعمل منه آلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوها اه" کالدلو والسفرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تکملہ بحر الرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے: "ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علیٰ نفسه وعیاله"۔

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔

لما فی الھدایۃ والتبیین والکافی والطحاوی وخزانۃ المفتیین: " ولا یشتری بہ مالا ینتفع بہ الا بعد استھلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم والمعنی فیہ انہ تصرف علیٰ قصد التمول۔"

ثانی جائز ہے لما فی الھدایۃ وشرح الکنز لملا مسکین والکافی والتبیین والطحاوی وخزانۃ المفتیین: " ولا باس بان یشتری بہ ما ینتفع بعینہ فی البیت مع بقائہ استحسانا۔"

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں دو جائز، دو نا جائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو نا جائز وممنوع۔ وقد مضت الادلۃ آنفاً۔

پوست اضحیہ کا صدقہ، واجب نہیں بلکہ نافلہ ہے۔

اولاً اگر واجب ہوتا تو مثل زکوۃ وصدقہ فطر اپنے نفس وعیال پر اس کا صرف کرنا یا کسی غنی یا ذمی کو ہدیہ دینا یا گھر رکھ کر چھوڑنا ہر گز جائز نہ ہوتا۔

عالمگیری جلد ۵ میں ہے: "ولیس للمتصدق ان یاکل صدقتہ ولا ان یعطی غیرہ من الاغنیاء۔"

ہدایہ میں ہے: " ولا یجوز ان یدفع الزکوۃ الیٰ ذمی۔"

اور نہیں جائز ہے کہ صدقہ کرنے والا اپنے صدقے سے کھائے اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی غنی کو کھلائے اور نہ یہ جائز کہ کسی ذمی کو دے۔ حالانکہ اس کا کھانا اور غنی کو کھلانا یعنی اپنے صرف میں لانا، اپنے گھر رکھ چھوڑنا، غنی اور ذمی کو دینا، سب کچھ جائز ہے۔

کنز الدقائق، بحر الرائق، تبیین الحقائق، درر الحکام، غرر الاحکام، برجندی۔

رد المحتار جلد ۵ میں ہے: " ویاکل من لحم الاضحیۃ ویوکل غنیا ویدخر " اور کھائے گوشت اضحیہ سے اور کھلائے غنی کو اور جمع کر رکھے بعد کو کہ صرف میں لائے"

فتاوی غیاثیہ پھر فتاوی ہندیہ میں ہے: "ویھب منھا ای من الاضحیۃ ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی۔"

بلکہ اہل وعیال والے کے لئے یہی مستحب ہے کہ صدقہ نہ کرے بلکہ اپنے بچوں کے لئے جمع کر رکھے تا کہ خوب فراغ کے ساتھ کھائیں۔

درمختار، ہندیہ، بدائع، شرح شرعۃ الاسلام، شرح وقایہ، درر غرر، شرنبلالیہ، ذخیرہ، منتقی، برجندی، شرح مختصر وقایہ وخزانۃ المفتیین میں ہے: واللفظ للاول "ویندب ترکہ ای التصدق لذی عیال وسعۃ علیھم۔"

"اور مستحب ہے عیال والے کے لئے نہ صدقہ کرنا تا کہ وسعت ہو ان پر"۔

ثانیاً شریعت مطہرہ نے یہاں مخیر بنایا کہ چاہے کل کو صدقہ کریں یا کل اپنے صرف میں لائیں یا اغنیا کو ہدیہ دیں۔

قال فی البدائع: "والافضل ان یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافة لاقربائه واصدقائه ویدخر الثلث ویستحب ان یاکل منها ولو حبس الکل لنفسه جاز لان القربة فی الاراقة والتصدق باللحم تطوع۔"

اور تخییر منافی وجوب ہے۔ کما فی الهدایة قبیل فصل القرائة۔

ثالثاً خود علماء نے تصریح فرمادی کہ تصدق مستحب ہے، واجب نہیں۔

شرح لباب ومنسک متوسط ومسلک متقسط میں ہے: "لا یجب التصدق بکله ولا ببعضه۔" "اور نہیں واجب ہے صدقہ کرنا گوشت اضحیہ کا، نہ کل کا، نہ بعض کا"

جوہرہ نیرہ شرح قدوری پھر ردالمحتار میں ہے: "والتصدق بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔" "اور ذبح کرنے کے بعد صدقہ کرنا مستحب ہے واجب نہیں"۔ اس واسطے اگر کل صدقہ کردیا یا کل کھالیا یا دوسرے دن کے لئے اٹھار کھا تو کچھ حرج نہیں، جائز ودرست ہے۔

بدائع پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الکل لنفسه جاز وله ان یدخر الکل فوق ثلاثة ایام۔" "اور اگر کل کسی کو دے دیا یا کل اپنے لئے رکھ لیا یا تین دن سے زیادہ روک لیا تو یہ سب جائز ہے"۔ لقوله علیه الصلوٰة والسلام بعد النهی عن الادخار "کنت نهیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث لیتسع ذو الطول علیٰ من لا طول له فکلوا ما بدالکم واطعموا وادخروا" رواه الترمذی عن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه وقال فی الباب عن ابن مسعود وعائشة ونبشة وابی سعید وقتادة بن النعمان وانس وام سلمة وحدیث بریدة حسن صحیح والعمل علیٰ هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم اه رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم والامام احمد عن ابی هریرة والبخاری عن سلمة بن الاکوع ومسلم عن بریدة وابو داؤد وابن ماجه عن نبیشة الهذلی والنسائی عن عائشة والحاکم وابن حبان عن ابی سعید الخدری وابن ابی شیبة شیخ الشیخین والبیهقی وعبد بن حمید عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین بالفاظ متقاربة عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

بعض حضرات کا وتصدق بجلدها سے صدقہ واجبہ سمجھنا اور صرف تملیک یا اباحت فقیر پر اقتصار کرنا، معانی تصدق سے قصور پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ تصدق کے تین معنی ہیں۔ ایک اخص کہ فقط تملیک فقیر ہے کما صرح به فی الخانیة وغیره۔ ازکوٰۃ وصدقۂ فطر میں یہی معنی مراد ہے۔ اس میں فقیر کے لئے اباحت بھی نہیں آسکتی ولہذا اپنے دستر خوان پر جو کچھ فقیروں کو اباحت سے کھلادیا۔ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا۔ فی الدر فلو اطعم یتیما ناویا للزکوٰة لا یجزیه۔ دوسرے خاص جس میں اباحت فقیر بھی داخل ہے جیسے کفارات۔ تیسرے عام جس میں اباحت بلکہ صلۂ رحم ومواسات احباب اغنیا بھی داخل، جس کا حاصل وہی مطلق تقرب ہوگا۔

بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے: "الصدقة تکون علیٰ الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الهبة عند

بعضهم وصرح في الذخيرة بان في التصدق على الغني نوع قربة دون قربة الفقير ''۔

ولہذا نفع عام کے لئے تصرف مال بغیر تملیک واباحۃ کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث شریف میں کنواں کھود کر وقف کر دینے کو صدقہ فرمایا۔ بلکہ کبھی قطع نظر غیر سے اپنے اہل وعیال پر صرف کرنے کو بھی صدقہ کہتے ہیں جبکہ نیت صالحہ ہو۔ وہ بھی قربت ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: '' ما انفق الرجل في بيته واهله وخادمه فهو صدقة۔'' ''جو کچھ خرچ کرے آدمی اپنے گھر میں اپنی بی بی، اپنے بچوں، اپنے خادم پر، وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ بلکہ بہ نیت محمودہ اپنے نفس پر صرف کرنے اور خود اپنے خرچ میں لانے کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: '' ما اطعمت زوجتك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقة وما اطعمت خادمك فهو لك صدقة وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة۔ '' یعنی تو اپنے نفس کو کھلاوے وہ بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔ رواه الامام احمد في مسنده والطبراني في الكبير عن مقدام بن معدى كرب رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم وحسنها السيوطي ''۔

جب صدقہ اور تصدق اتنے معنوں میں مستعمل ہے، تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہاں کون کون سے معنی مراد ہو سکتے ہیں ''ظاہر ہے کہ اول وثانی یعنی خاص تملیک واباحۃ فقیر ہرگز ہرگز مراد نہیں ہو سکتے کہ وہ صرف صدقہ واجبہ زکوۃ وصدقہ فطر اور کفارہ میں ہوتا ہے اور یہ صدقہ واجب نہیں ہے بلکہ نافلہ ہے۔ كما قدمنا اور خود تستعمل في البيت سے اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لانا اور يوكل غنيا سے اغنیا کو دینا، سب کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔ لاجرم معنی ثالث یعنی تقرب مراد ہے۔ اور يعمل منه نحو غربال وغیرہ کا اس پر عطف بایں معنی کہ اپنے صرف میں لانا بے کسی خاص نیت محمودہ کے ہو، جو اسے حد صدقہ میں داخل کر دے اور جب مطلق تقرب کا ارادہ لازم اور تصریح امام زیلعی لانه قربة كالتصدق اس پر جازم۔ تو اضحیہ کے چمڑے سے کوئی کام رفاہ عام کا کرنا جس سے ثواب حاصل ہو بلاشبہ جائز ہوا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسجد بنانے میں وہ ثواب عظیم ہے کہ لا عين رات ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر ''جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر خطرہ گزرا''۔

حدیث میں ہے:

(۱) ''من بنى لله مسجدا ولو كمفحص قطاة بنى الله له بيتا في الجنة'' رواه امام الائمة، سراج الامة سيدنا ابو حنيفة رضي الله تعالیٰ عنه قال سمعت عبد الله بن ابى اوفیٰ يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول من بنى الحديث۔ قلت فيه تصريح بتابعية الامام والحمد لله الملك المنعام

(۲) ورواه الامام احمد فی مسنده عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما وزاد لبیضها بعد توله قطاة۔

(۳) واخرج الامام احمد فی مسنده والشیخان فی صحیحیهما و الترمذی وابن ماجه فی سننهما عن عثمان بن عفان یقول" سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول من بنیٰ مسجدا قال بکیر حسبت انه قال یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة"۔

(۴) ورواه ابو موسی المدینی فی کتاب الصحابة عن عمر بن مالك وزاد "لله" و "بیتا"۔

(۵) واخرج الترمذی عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "من بنیٰ لله مسجدا صغیرا کان او کبیرا بنی الله له بیتا فی الجنة۔"

(۶) واخرج النسائی عن عمرو بن عبسة ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال" من بنیٰ مسجدا یذکر الله عز وجل فیه بنی الله له بیتا فی الجنة"۔

(۷) واخرج ابن ماجه وابن حبان فی صحیحه عن عمر بن الخطاب قال" سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من بنیٰ مسجدا یذکر فیه اسم الله بنیٰ الله له بیتا فی الجنة"۔

(۸) واخرج الطبرانی فی الکبیر عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم "من بنیٰ مسجدا یصلی فیه بنی الله له بیتا فی الجنة افضل منه"۔

(۹) واخرج هو والضیاء فی المختارة عن ابی قرصافة انه سمع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول "ابنوا المساجد واخرجوا القمامة منها فمن بنیٰ لله بیتا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة قال یا رسول الله وهذه المساجد التی تبنی فی الطریق قال نعم واخراج القمامة منها مهور حور العین"۔

(۱۰) واخرج هو فی الکبیر عن ابی امامة قال:" من بنیٰ لله مسجدا بنیٰ الله له فی الجنة اوسع منه"۔

(۱۱) ورواه ابو نعیم عن اسماء بنت یزید وزاد "بیتا" وابو الفرج فی کتاب العلل وزاد و"من علق فیه قندیلا صلی علیه سبعون الف ملك حتی یطفی ذلك القندیل ومن بسط فیه حصیرا صلی علیه سبعون الف ملك حتی ینقطع ذلك الحصیر ومن اخرج منه قذاءة کان له کفلان من الآجر"۔

(۱۲) واخرج هو فی اوسطه والبیهقی فی شعب الایمان عن ابی هریرة قال من بنیٰ بیتا یعبد الله فیه حلالا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة من الدر والیاقوت"۔

(۱۳) واخرج ابو نعیم عن انس رضی الله تعالیٰ عنه "من بنیٰ مسجدا لله فی الدنیا یرید به وجه الله بنیٰ الله له بیتا فی الجنة قالوا اذا نکثر یا رسول الله قال کل بناء وبال علیٰ صاحبه یوم القیمة الا مسجدا فان له به قصرا فی الجنة من لؤلؤ"۔

(۱۴) وعن ابی امامة :"لا بنیٰ احد مسجدا لله الا بنیٰ الله له بیتا اوسع منه"

"یعنی جو شخص مال حلال سے اللہ کے واسطے مسجد بنائے جس میں ذکر الٰہی ہوتا ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، اگر چہ قطاۃ کے گھونسلے برابر یا اس سے بھی چھوٹی، (قطاۃ ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام ہے) اللہ اس کے لئے جنت میں مثل اس کے یا اس سے وسیع تر اور افضل گھر موتی اور یاقوت سے بنائے۔ پھر یہ کچھ ضروری نہیں کہ ساری ہی مسجد اپنی طرف سے بنائے بلکہ ہر ایک شرکت کرنے والے کو اسی قدر ثواب ہے۔ فندفع ما یتوھم ان ھذا الاجر لمن بنیٰ مسجدا ولما یمکن ان یبنی رجل مسجدا ولو اصغر من اصغر من جلد الاضحیۃ لا سیما جلود الغنم۔

باایں ہمہ اگر وساوس کسی پر غلبہ کریں تو اس کا سہل علاج یہ ہے کہ کسی متدین مسلمان کو کھال ہبہ کردے کہ وہ اسے بیچ کر تعمیر مسجد وغیرہ میں لگائے۔ وہ شخص اگر فقیر ہے جب تو اظہر ہے۔ اور اگر غنی ہے تو اسے بھی ہدیہ دینا صحیح ہے، لانہ لما جاز التصرف لنفسہ فجواز الھدیۃ اولیٰ کما استدل فی الھدایۃ لجواز اطعام الغنی بقولہ متیٰ جاز اکلہ وھو غنی جاز ان یؤکل غنیا۔

اور بعد قبول ہدیہ، شے اس کی ملک ہے جہاں چاہے صرف کرے، کسی مسکین کو دے یا کسی سید صاحب کو نذر کرے یا مردے کو کفن دے یا مسجد تعمیر کرائے یا سرائے، حوض، مدرسہ، شفاخانہ بنائے۔ رہا یہ شبہ کہ مسجد اپنی ملک سے تعمیر کرنا چاہئے اور پوست اضحیہ اس شخص کی ملک نہیں۔ اس لئے اس کو اپنے لئے روپیوں سے بیچنا یا کوئی چیز مستہلک خریدنا صحیح نہیں، حالانکہ اپنی ملک میں آدمی کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ایک تعمیر مسجد کیا، تمامی میراث و خیرات اپنی ملک سے ہی چاہئے کہ حدیث میں ہے:"لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول ولا صلوٰۃ بغیر طھور" رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ عن اسامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما یُنبیا للمفعول والبخاری مرسلا۔

مگر یہ دعویٰ کہ پوست اضحیہ مضحی کی ملک نہیں۔ محض باطل وجہالت وخلاف درایت وروایت ہے۔ اگر وہ اس کی ملک نہیں تو "ویتصدق بجلدھا" کے کیا معنی؟ کیا شریعت مطہرہ اس کا حکم دیتی ہے کہ پرائے مال پر یا حسین کرو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حسب تصریحات فقہاء جو مال حرام کو صدقہ کرکے اس پر ثواب کی نیت رکھے، وہ کافر ہے۔

خلاصہ، عالمگیریہ، خزانہ میں ہے: والفظ للاول "رجل تصدق من الحرام ویرجوا الثواب یکفر۔"

علاوہ بریں خود فقہاء نے تصریح فرمادی کہ پوست اضحیہ مضحی کی ملک میں رہتا ہے۔ اس کی ملک سے نکل نہیں جاتا ہے۔ اسی واسطے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بیچنا درست اور جائز ہے۔

ہدایہ، تبیین الحقائق، بحر الرائق، کافی، رد المحتار میں ہے:"اما البیع فجائز لقیام الملک والقدرۃ علی التسلیم۔" اگر چہ بسبب حدوث تمول منھی عنہ مکروہ ہے۔ اور ایسی حالت میں اس ثمن کا صدقہ کرنا واجب۔ اور ہر ایک اس کام میں، جس میں تمول پایا جاتا ہو، لگانا ناجائز۔ اس لئے اجرت قصاب یا ذابح میں دینا درست نہیں۔

بدائع، عالمگیریہ، خانیہ، سراجیہ میں ہے: واللفظ للاول:" ولا (یحل) ان یعطی اجرۃ الجزار والذابح منھا۔"

اسی لئے اگر کسی غنی یا فقیر نے نذر کر لی کہ میں اللہ کے واسطے قربانی کروں گا تو اس میں سے نہ کھا سکتا ہے، نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے۔ اب اس سے مسجد نہیں تعمیر کر سکتا۔

فتاویٰ عالمگیریہ و ردالمحتار میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: ''ان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یاکل منها شیئا ولا ان یعطی غیرہ من الاغنیاء کان الناذر غنیا او فقیرا لان سبیلها التصدق ولیس للمتصدق ان یاکل صدقته ولا ان یعطی الاغنیاء کذا فی التبیین وهکذا فی النهایة۔''

اسی طرح اگر گوشت یا پوست اضحیہ سے اپنے لئے کوئی مستہلک چیز خرید لی یا روپیوں سے بیچا تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ ان روپیوں کو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لانه حصل بوجه خبیث والله طیب لا یقبل الا الطیب۔

اسی طرح اگر کسی فقیر نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا تو اسے مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لان شرائه لها یجری مجری الایجاب وهو النذر بالتضحیة وقد سبق انه ان وجبت بالنذر الخ۔ اسی طرح اگر کسی نے میت کی طرف سے اس کے حکم سے قربانی کی تو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے: "من ضحیٰ عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیة من التصدق والاکل والاجر للمیت والملك للذابح قال الصدر والمختار انه ان یامر المیت لا یاکل منها والا یاکل۔"

درمختار میں وہبانیہ سے ہے: ''وعن میت بالامر الزم تصدقا والا فکل منها وهذا المخیر ای المختار کما قدمنا عن البزازیة سابقا اه شامی۔''

اسی طرح اگر قربانی کا جانور خرید کر کے چھوڑ دیا۔ ذابح پر اس کی قیمت لازم ہے۔ اس نے دوسرا جانور خرید کر ایام نحر میں قربانی کرے۔ اس کا قربانی کرنا واجب ہے۔ نہ اس میں سے خود کھا سکتا، نہ کسی دوسرے کو کھلا سکتا، نہ مسجد میں صرف کر سکتا ہے۔ اور اگر ایام نحر نکل گئے تو اس کی قیمت فقراء پر تصدق کرے۔

درمختار میں خانیہ سے ہے: ''شری اضحیة وامر رجلا بذبحها فقال ترکت التسمیة عمداً لزمه قیمتها لیشتری الآمر بها اخریٰ ویضحی ویتصدق ولا یاکل لو ایام النحر باقیة والا تصدق بقیمتها علی الفقراء۔'' خانیة افاد العلامة الشامی فی حاشیته علیه وکذا فی الذخیرة والخلاصة وغیرهما ونظمها ابن وهبان وابن الشحنة اه۔''

بالجملہ سوا بعض صورتوں کے، جہاں خود اپنے صرف میں لانا یا غنی کو دینا جائز نہیں، عام طور پر مطلقا بلاشبہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے۔ لانه قربة من القربات ویجوز صرفه الیٰ سائر القربات والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم وانما اطنبنا الکلام لان المقام من مزال الاقدام وتراکم الشکوک والاوهام فقد زل قدم بعض الاعلام والحمد لله العلی العلام الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله والصلاة والسلام علیٰ رسوله سید الانام وعلیٰ آله وصحبه وحزبه واولیاء امته وعلماء ملته اجمعین ما تقاربت الصفوف والاقدام۔

مسئلہ از میرٹھ صدر بازار مرسلہ حافظ عزیز الدین صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) یہ کہ چرم قربانی یا اس کی قیمت مدارس میں دینا جائز ہے یا نہیں اور قیمت اور چرم کے احکام میں متولی مدرسہ کو کچھ فرق کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ درصورت جواز متولی کو ضروریات مدرسہ کے واسطے چرم قربانی بیچ کر کتابیں یا فرش وغیرہ بلا تملیک خریدنا جائز ہے یا نہیں اور قیمت کا یہی حکم ہے یا نہیں؟

(۳) درصورت عدم جواز اگر متولی نے بباعث عدم علمی ایک رقم کثیر کی کتابیں حسب دستور دیگر مدارس اسلامیہ خریدی ہیں، تو اس کے لئے اپنے مواخذۂ اخروی سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟

(۴) یہ کہ مدرسہ میں تین قسم کا چندہ آتا ہے۔ مد قربانی وزکوٰۃ ودوامی اور متولی کو یہ امر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے زر چندہ کو علیحدہ علیحدہ تھیلی میں رکھے۔ بلکہ وہ تفصیل اس قسم کی کہ آمد وخرچ کے کاغذات حساب میں کمی بیشی دکھاتا ہے لیکن روپیہ سب ایک تھیلی میں رکھتا ہے یا خازن مدرسہ بطریق قرض دے دیتا ہے کہ مدرسہ کے حساب میں سے روپیہ مارا نہ جائے اور مسروق ہوجانے پر خازن سے وصول کرلیا جائے۔ اس کے جواز کی کوئی سبیل ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جو مدارس تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوں، اس میں قربانی کی کھال، خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلبہ وخرید کتب وغیرہ میں صرف کی جائے، بلاشبہ جائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: '' کلوا وادخروا وائتجروا'' کھاؤ اور جمع کر رکھو جس سے ثواب حاصل ہو۔ اور شک نہیں کہ اس سے مدارس دینیہ کی اعانت، قربات سے ہے اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت وپوست قربانی بیچنے کی بھی مطلقاً اجازت ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ''لا یبیعہ بالدراھم لینفق علیٰ نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لینفق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اھ ھکذا فی الکافی والھدایۃ والبحر والخلاصہ والسراجیۃ والخانیۃ وفتح اللہ المعین۔''

متولی بلا تملیک اس سے کتابیں خرید سکتا ہے کہ اس میں مثل زکوٰۃ تملیک فقیر شرط نہیں۔

منسک متوسط میں ہے: ''یجب التصدق بہ'' ۔ اس کی شرح میں ہے: ''لا بکلہ ولا ببعضہ۔'' اسی وجہ سے اس کے کھانے کی بھی اجازت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: '' کلوا واطعموا وادخروا'' کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع رکھو۔ اخرجہ احمد والشیخان عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ والتفصیل بما لا مزید علیہ فی الرسالۃ المبارکۃ "المحاکمۃ الملیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ" لعالم اھل السنۃ مد ظلھم الاقدس واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگرچہ جب چند اشخاص اپنے اموال زکوٰۃ ایک شخص مثلاً زید کو بغرض ادا و تقسیم فقرا دیں اور وہ انھیں ملائے اور فقرانے اسے اپنے لئے زکوٰۃ لینے کا وکیل نہ کیا ہو تو ان صورتوں میں زید ان اموال کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اصل مالکوں نے اگر بعد خلط اسے از سرنو اجازت ادا بفقرا نہ دی ہو تو ان کے اموال کا تاوان دینا، زید پر لازم آتا ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جو کچھ دیا زید کی طرف سے صدقہ نافلہ ہوتا ہے۔

بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے: "فی الفتاویٰ رجلان دفع کل واحد منهما زکوٰة ماله الیٰ رجل لیودی عنه فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوکیل و کذا لو کان فی ید رجل اوقاف مختلفة فخلط اموال الاوقاف فاذا ضمن لا تسقط الزکوٰة عن اربابها فاذا ادیٰ صار مودیا مال نفسه کذا فی التجنیس وهکذا فی حاشیة العلامة الشلبی علیٰ التبیین و کذا فی الهندیة و خزانة المفتیین والخانیة وفتح الله المعین۔"

مگر مالکوں نے اگر اسے ملا لینے کی اجازت صراحۃً دے دی ہو، خواہ بوجہ جریانِ عرف... ہو تو اس صورت میں خلط بھی روا اور زکوٰۃ بھی ادا۔

ردالمحتار میں ہے: "ضمن و کان متبرعا لانه ملکه بالخلط وصار مودیا مال نفسه فی التتار خانیه الا اذا وجد الاذن او اجاز المالکان او وجد الاذن بالخلط کما جرت العادة بالاذن بخلط ثمن الغلات و کذلك المتولی اذا کان فی یده اوقاف مختلفة و خلط غلاته ضمن الخ۔"

اور شک نہیں کہ مدارس کا عرف عام جاری ہے کہ اموال زکوٰۃ خلط بھی کر لیتے ہیں۔ سخت متعسر ہے کہ وہ چند شخص کے زکوٰۃ کا روپیہ جدا تھیلی میں رکھیں اور ایک کی زکوٰۃ دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ پس اگر اصحاب زکوٰۃ بھی اس عرف سے آگاہ ہیں تو ان کی جانب سے اذن دلالت پایا گیا اور اب خلط کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسلم یہ ہے کہ جو لوگ مد زکوٰۃ میں دیں، متولی اسی وقت ان سے خلط کرنے کا اذن لے لیا کرے کہ پھر اصلا دقت نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "یتصل بهذا العالم اذا سال للفقراء شیئا و خلط یضمن قلت ومقتضاه لو وجد العرف لیکون اذنا منه دلالة۔"

رہا خازن کو قرض دینا، اس کی اجازت ہرگز نہیں۔ اگرچہ وہ بزعم خود آئندہ کے لئے احتیاط کرتا ہے۔ مگر قرض ابتداءً تبرع ہے اور اسے مال غیر میں بے اذن، تبرع حرام ہے اور یہاں اذن صریح ہرگز نہیں۔ نہ اصلا شیوع صرف ہے کہ اذن دلالۃً پایا جائے اور آئندہ میں بھی دونوں پہلو ہیں۔ جب خازن کو قرض دیا گیا، وہ مالک ہو گیا۔ اپنے جس صرف میں چاہے لاسکتا ہے اور بعد صرف ممکن ہے کہ نکلنا دشوار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا روپیہ براہ راست مدرسہ میں صرف کیا جا سکتا ہے؟ یعنی مدرس کی تنخواہ میں؟ یا کتب خانہ ومدرسہ کی کتابوں میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ایک عالم نے اپنی کتاب ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ ''قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف نہیں کرنا چاہئے''۔ بکر اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے عالم حضرت مولانا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا فتویٰ اخبار ''روز افزوں بریلی'' میں سالہا سال ہوئے، چھپ چکا ہے کہ ''کھال قربانی کی قیمت، مسجد میں صرف ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں زید و بکر میں کس کا قول حق وصواب ہے؟ بکر کا قول حق ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

(۳) مثلاً ہندہ کا تعلق ناجائز زید سے ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں ہندہ کے حمل بھی زید ہی سے قرار پا گیا۔ بعد دریافت ہونے اس بات کے یعنی حمل کے، زید کا اسی ہندہ سے نکاح کر دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا یہ نکاح جو اسی حالت میں کر دیا گیا ہے، جائز ہوا یا نہیں؟ بعض لوگ برادری و پنچایت والے اس نکاح کو ناجائز خیال کرتے ہیں اور ہندہ و زید کا حقہ و پانی بند کیے ہوئے ہیں اور برادری ترک کرنے پر مصر ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ جبکہ دونوں نے توبہ کر لی اور نکاح بھی ہو گیا، پھر اس سے میل جول میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بلا تاویل فتویٰ دے کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ المستفتی محمد عبد اللہ، از مین پوری۔

الجواب

(۱) زکوٰۃ و صدقۃ الفطر، صدقۂ واجبہ ہے۔ اس کے لئے تملیک ضروری ہے۔ اس لئے براہ راست مدرسہ میں صرف کرنا یعنی مدرسین کی تنخواہ میں دینا یا قیمت کتاب ادا کرنا یا دوسری ضروریات یا کتب خانہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید اور بکر دونوں کا قول مجمل ہے۔ ضرورت تفصیل کی ہے۔ مسئلہ حق یہ ہے کہ قربانی کی کھال اگر اپنے صرف میں لانے کے لئے بیچا ہے تو اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ ایسے دام کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اپنے لئے نہیں بیچا بلکہ مسجد ہی کے لئے بیچا تو اس دام کو مسجد میں صرف کرنا، ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ مسجد بن رہی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس میں مسجد کی کھال دیں تو عین کھال دور دراز جگہ بھیجنے سے رہے۔ اس لئے متولی یا منتظم مسجد کی نیابت میں کھال بیع کر دی تا کہ روپیہ مسجد کے لئے بھیجنے میں آسانی ہو۔ تو ایسے مال کو مسجد میں صرف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور میں نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ''اعلام الساجد لصرف جلود الاضحیۃ الیٰ المساجد'' رکھا۔ اس میں پوست قربانی کے مصرف کو بہت ہی واضح طریقہ پر بہت ہی تفصیل سے لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) یہ نکاح زید کا ہندہ سے جائز ہے۔ برادری و پنچایت کے لوگوں کا اس نکاح کو ناجائز خیال کرنا، غلط و خلاف شرع ہے۔ اور زید و ہندہ کا حقہ پانی بند کرنا، ان پر ظلم صریح ہے۔ وہ دونوں زن و شو ہیں۔ ان کو اس سے باز رکھنا اور اس فعل کو ناجائز قرار دینا، افتراء علی الشرع ہے۔

ھدایہ میں ہے: ''وان تزوج حبلیٰ من زناہ جاز النکاح'' یعنی اگر کسی شخص نے اس عورت سے نکاح کیا جو زنا سے حاملہ ہے تو یہ نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الحظر والاباحۃ

مسئلہ مرسلہ شیخ رحیم بخش از راولپنڈی بازار لال کرتی ۱۵ رجب ۱۳۲۴ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" کس کتاب کی حدیث ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ ایجادِ خلق ہیں یا نہیں؟ اور اس حدیث کی موید اور کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ اور اگر اس حدیث کے ضمن میں کوئی رسالہ ہو تو روانہ فرمائیں۔

الجواب

بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ تخلیق آدم علیہ السلام وعالم ہیں۔ اگر حضور نہ ہوتے تو عرش وفرش، لوح وقلم، آسمان وزمین، جنت ودوزخ، شجر وحجر، برگ وثمر، ماہ ومہر کچھ نہ بنائے جاتے۔ احادیث عدیدہ متعددہ اس مضمون میں وارد ہیں۔

(حدیث اول) حاکم مستدرک اور بیہقی دلائل النبوۃ اور طبرانی کبیر میں اور ابونعیم حلیہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابه وبارك وسلم: " لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب! اسئلك بحق محمد لما غفرت لي فقال الله تعالىٰ يا آدم! وكيف عرفت محمدًا ولم اخلقه بعد؟ قال يا رب! لانك لما خلقتني بيدك ونفخت فيه من روحك رفعت راسي فرأيت علىٰ قوائم العرش مكتوباً " لا اله الا الله محمد رسول الله" فعلمت انك لم تضف الىٰ اسمك الا احب الخلق اليك فقال الله تعالىٰ صدقت يا آدم انه لاحب الخلق اليّ واذا سالتني بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے لغزش واقع ہوئی، عرض کی: الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا: اے آدم تو نے محمد کو کیونکر پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی، میں نے سر اٹھا کر تو عرش کے پایوں پر لکھا دیکھا۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں نے جانا کہ تو نے اس کے ہی نام کو اپنے نام پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے پیارا ہوگا۔ رب تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا، بیشک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے تمام مخلوق سے پیارا ہے اور جب تو نے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی۔ اگر محمد نہ ہوتا، تو میں تجھے نہ بناتا۔" صححه الحاكم وقرره في الحلية وقال السبكي في شفاء السقام تبين لنا صحته والشهاب في النسيم هو حديث صحيح۔

(حدیث دوم) حاکم صحیح مستدرک اور ابوالشیخ طبقات الاصفہانیین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: ''اوحی اللہ الیٰ عیسیٰ ان امن محمدا و أمر امتك ان یومنوا به فلولا محمد ما خلقت ادم ولا الجنة ولا النار۔''

''یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی: اے عیسیٰ! تم محمد پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم دو کہ ان پر ایمان لاویں۔ اگر محمد نہ ہوتے، تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، نہ جنت و دوزخ کو بناتا''۔ صححہ الحاکم والشیخ تقی الدین السبکی فی شفاء السقام وشیخ الاسلام البلقینی فی فتاواہ وابن حجر فی افضل القرآن۔

(حدیث ثالث) دیلمی مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: ''قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبرئیل فقال یا محمد! ان اللہ تعالیٰ یقول: ''لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار۔''

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر تم نہ ہوتے میں جنت نہ بناتا اور اگر تم نہ ہوتے تو میں دوزخ نہ بناتا'' اشار الیٰ صحته القاری فی تذکرة الموضوعات۔

(حدیث رابع) ابن عساکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ''ھبط جبریل علیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان ربك یقول: ''لقد خلقت الدنیا واھلھا لاعرفھم کرامتك ومنزلتك عندی ولولاك ما خلقت الدنیا۔''

''یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنی بارگاہ میں تم سے زیادہ عزت والا کسی کو پیدا نہیں کیا۔ دنیا اور اہل دنیا کو، سب کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہاری جو قدر و عزت میرے حضور میں ہے، ان پر آشکارا کروں۔ اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔ افادھا کلھا العلامة سیدنا الاستاذ فی فتاواہ۔

(حدیث خامس) علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''وفی روایات اخر لولاہ ما خلقت السماء والارض والطول ولا العرض ولا وضعت فیھا ثواب ولا عقاب ولا خلقت الجنة ولا نارا ولا شمسا ولا قمرا''

''یعنی ان روایتوں میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں پیدا نہ کرتا آسمان اور نہ زمین اور نہ طول، نہ عرض کو اور نہ رکھا جاتا اس میں ثواب وعذاب۔ اور نہ بناتا جنت اور نہ دوزخ نہ آفتاب، نہ مہتاب کو اور اس کے سوا اس کی مؤید اس مضمون کی اور بہتیری حدیثیں ہیں، جنہیں اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب میں یعنی ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' میں ذکر فرمایا ہے اور شک نہیں کہ ائمہ دین وعلمائے شرع متین شرقاً غرباً، عجماً عرباً، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سبب تخلیق آدم وعالم لکھتے اور کہتے چلے آئے۔ اگر ان کے اقوال جمع کیے جائیں، ایک مبسوط

کتاب ہو۔ لکن مالا یدرک کله لا یترک کله فاقول و بالله التوفیق

(قول اول) علامہ سیف الدین ابو جعفر بن عمر الحمیری الحنفی۔ "الدر التنظیم فی مولد النبی الکریم" میں فرماتے ہیں۔" ویروی انه لما خلق الله تعالیٰ ادم الهمه ان قال یا رب لم کنیتنی ابا محمد؟ قال الله تعالیٰ یا ادم ارفع راسك فرفع راسه فرأی نور محمد فی سرادق العرش فقال یا رب ما هذاالنور؟ قال نبی من ذریتك، اسمه فی السماء احمد وفی الارض محمد۔ لولاه ما خلقتك ولا خلقت سماء ولا ارضا۔"

"یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کو الہام کیا کہ سوال کریں کہ اے اللہ میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھا۔ پس سر اٹھایا تو حضور کا نور عرش کے پردوں میں دیکھا۔ عرض کی یا اللہ! یہ کس کا نور ہے؟ فرمایا تیری ذریت میں سے ایک نبی ہے۔ اس کا نام آسمان پر احمد ہے اور زمین میں محمد ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو میں نہ تجھے پیدا کرتا نہ آسمان، نہ زمین کو۔"

(قول ثانی) سیدی ابو الحسین حمدونی شاذلی اپنے قصیدہ دالیہ میں فرماتے ہیں۔

روح الوجود حیاة من هو واجد   لولاه ما تم الوجود لمن وجد

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ہستی عالم کی جان ہیں، حیات جملہ موجودین کے سبب ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے، کسی شی کا وجود نہ ہوتا۔"

(قول ثالث) علامہ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بوصیری قدس سرہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

وکیف تدعو الیٰ الدنیا ضرورة من   لولاه لم تخرج الدنیا من العدم

"اور کیوں کر بلائے گی دنیا کی طرف ایسے کو ضرورت کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا نیستی سے نہ نکلتی یعنی پیدا نہ کی جاتی۔"

(قول رابع) علامہ شیخ ابراہیم بیجوری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "ای لولا وجوده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لاستمرت الدنیا علیٰ عدمها ولم توجد فوجوده صلی الله علیه وسلم علة فی وجودها والاصل ان قال الله تعالیٰ لادم ولولاه ما خلقتك فوجود آدم علیه الصلوٰة والسلام متوقف علیٰ وجوده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کانت الدنیا انما خلقت لاجله فیکون صلی الله تعالیٰ علیه وسلم هو السبب فی وجود کل شیء۔"

"یعنی اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معدوم رہتے تو دنیا کبھی موجود نہ ہوتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا: اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ آدم علیہ السلام تمامی بشر کے باپ ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ ہے، سب بشر کے لئے بنا ہے۔ اور جب آدم علیہ السلام حضور کے سبب مخلوق ہوئے تو بلاشبہ تمامی دنیا حضور ہی کی وجہ سے بنائی گئی۔ تو حضور سبب وعلت تمامی اشیاء کے وجود کی ہیں۔

(قول خامس) علامہ خالد ازہری اس بیت کے نیچے فرماتے ہیں: "فان الدنیا ما اخرجت من العدم الیٰ

الوجود الا لاجله"۔ "یعنی دنیا حضور ہی کی وجہ سے نیستی سے ہستی کی طرف لائی گئی۔"

(قول سادس) علامہ ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "لولا وجودہ وفضلہ وجودہ لم تظہر الدنیا من العدم الی الوجود وحد فی العالم غیر الموجد موجود۔"

"یعنی اگر حضور کا فضل اور حضور کی عطا نہ ہوتی تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی۔ اور عالم میں سوا موجد جل جلالہ کے کوئی نہ ہوتا۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(قول سابع) علامہ معقول ومنقول، بحر العلوم والفروع والاصول، مولانا ابو العیاش عبد العلی لکھنوی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں: "لولاہ لما ظہر من اللہ الجود بافاضۃ الوجود علی الحقائق"۔

"یعنی اگر حضور نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا فضل، حقائق کو وجود سے سرفراز نہ فرماتا۔"

اس حدیث کی صحت معنی پر انکار نہ کرے گا مگر سفیہ جاہل یا وہابی لایعقل۔ رہا ملا علی قاری کا تذکرۃ الموضوعات میں موضوع فرمانا، وہ اس لفظ مخصوص کی نسبت ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ وارد نہیں کہ خود فرماتے ہیں: "لکن معناہ صحیح"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری نے خاص اسی حدیث کی بحث میں ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جا حاضر وناظر ہیں یا نہیں؟ وآنجناب کو علم غیب تھا یا نہیں؟ مفصل طور پر لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک رب العزۃ جل وعلا نے اپنے حبیب ومحبوب، طالب ومطلوب، عالم غیوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا، اشیاء ماکان ومایکون سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا، ملکوت السمٰوٰت والارض سے ہر صغیر وکبیر، ہر رطب ویابس، سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا بلکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ایک چھوٹا حصہ ہے۔ دریائے علم سے ایک نہر اور سطور علم سے ایک سطر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ہو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ہذہ"۔ "بیشک اللہ عزوجل نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا تو اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو"۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر ونعیم بن حماد فی کتاب الفتن وابو نعیم فی الحلیۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رب العزۃ جل جلالہ نے شرق تا غرب، تمام دنیا اور جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے، سب اپنے محبوب کے پیش نظر فرمادیا کہ آن واحد میں یکساں ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ اور یہی معنی حاضر

وناظر کے ہیں کہ سب کچھ ان کے پیش نظر ہے۔ ہر شی ان کے حضور حاضر ہے۔

علامہ بیضاوی شرح جامع صغیر میں ارقام فرماتے ہیں: "ان النفوس الزکیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ عرجت واتصلت بالملأ الاعلیٰ فلم یبق لھا حجاب فتری الکل کالمشاھد۔" ''پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے مجرد ہوتی ہیں، عروج فرما کر عالم بالا سے متصل ہو جاتی ہیں۔ ان کے آگے کوئی حجاب نہیں رہتا۔ وہ سب کچھ ایسا دیکھتی ہیں جیسے سامنے موجود ہے۔ اسی طرح ملا علی قاری قدس سرہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں امام قاضی سے نقل کیا۔

رہا امر وہابیہ کا تقویۃ الایمان مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ کے ص ۸ س ۱۵ میں اور اس کے اتباع میں سائر وہابیہ کا یوں کہنا کہ ''ہر جگہ حاضر وناظر رہنا یہ اللہ ہی کی شان ہے'' اھ ملخصاً۔ سو یہ محض جہالت وگمراہی وگمراہ گری ہے۔ حاضر وناظر سرے سے صفات الٰہیہ سے نہیں اور نہ ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز، یہاں تک کہ اس کے اطلاق پر علماء کو حاجت ہوئی کہ اُس میں تاویل کرکے نفی کفر کریں۔

درمختار میں ہے: "ویا حاضر ویا ناظر لیس بکفر۔"

ردالمحتار میں ہے: "فان الحضور بمعنی العلم شائع والنظر بمعنی الرویۃ فالمعنی یا عالم یا من یریٰ۔" بزازیہ

البتہ اس کی صفتیں شہید وبصیر ہیں، جو بعطاء الٰہی خود رب العزۃ نے اپنے عباد کے لئے ثابت فرمائیں۔ قال تعالیٰ: "یَکُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔" وقال تعالیٰ: "فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔" اور جو صفات بعطائے الٰہی مل سکتی ہیں، اس کا اثبات شرک نہیں ہو سکتا ہے۔ ورنہ لازم کہ مولیٰ تعالیٰ اپنا شریک پیدا کرنے پر قادر ہو۔ اور یہ صریح کفر ہے بلکہ علماء کرام نے خاص اسی لفظ کی تصریح فرمائی۔

ملا علی قاری شرح شفا میں ذیل "قول ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علیکم علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" لکھتے ہیں: ''لان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اھل الاسلام۔''

شیخ محقق مولانا عبدالحق دہلوی ''جامع البرکات'' میں فرماتے ہیں: ''ونبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر احوال واعمال امت مطلع ہست وبزرگان ومقربان وخاصان درگاہ خود ممد ومستفیض وحاضر وناظر ست۔''

رہا مطلق علم غیب جو متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت بلکہ سائر مومنین کو بنص قاطع قرآن شریف حاصل، جس کا انکار نہ کرے گا مگر مجنون وجاہل۔

قال تعالیٰ: "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" (البقرۃ: ۲) ''بے دیکھے ایمان لائیں۔'' (کنز الایمان) ومن الظاھر ان الایمان العلم بالغیب ومعرفتہ ولو بوجہ فان المجھول المطلق مما لا یمیل الیٰ تصدیقہ واقرارہ وقد فصلت ھذہ المسئلۃ بعون اللہ یکاد ان یبلغ مائتین جزءً وصلی اللہ علی رسولہ محمد رحمۃ الکونین۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ محمد طالب میلاد خواں ۱۷ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب قرآن شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ آیات صریح ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک عطائی علم غیب (یعنی ان اشیاء کا علم کہ حواس ظاہری وباطنی سے پوشیدہ ہوں اوراس کے اسباب وعلامات بھی عقل میں نہ آئیں کہ عقل اسے بداہۃ یا استدلالاً جان سکے کمافی البیضاوی) نصوص قطعیہ، متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔ جن کا منکر نہ صرف گمراہ، بددین بلکہ کافر، منکر منصوص بالیقین ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک کا منقص ہے اور منقص شان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق کافر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والأخرۃ واعد لھم عذابا مھینا"۔ (الأحزاب: ۵۷) "بیشک جولوگ کہ ایذا دیتے ہیں اللہ اوراس کے رسول کو، پھٹکار دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان میں اوران کے لئے رسوائی کا عذاب مہیا کردیا۔

امام قاضی عیاض مالکی یحصبی اپنی کتاب مستطاب "الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ"، قسم رابع باب اول ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں: "اعلم وفقنا اللہ وایاك ان جمیع من سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او عابہ فھو سابّ لہ والحکم فیہ حکم السابّ بقتل وھذا اجماع من العلماء وائمۃ الفتویٰ من لدن الصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین الیٰ ھلم جراً"۔

(نص اول) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ" (آل عمران: ۴۴/ یوسف: ۱۰۲) "یہ غیب کا بتلانا ہے جو ہم وحی کرتے ہیں طرف آپ کے"

(نص دوم) مولیٰ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ" (آل عمران: ۱۷۹)

اللہ وہ نہیں ہے جو تمہیں اے عام لوگو اپنے غیب پر مطلع کردے لیکن اللہ چنتا ہے اس کے لئے اپنے رسولوں سے جسے چاہے"۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کمافی تفسیر العینی۔

(نص سوم) رب العزۃ جل جلالہ فرماتا ہے: "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا"۔ (النساء: ۱۱۳) "اللہ نے انہیں سکھایا جو کچھ غیب وشہادت کی باتیں نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے"۔

(نص چہارم) حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"۔ (الجن: ۲۶) "غیب کا جاننے والا تو خدا ہے۔ مطلع نہیں فرماتا مگر جسے چن لے اپنی رسالت کے لئے، اسے مسلط فرمادیتا ہے۔

(نص پنجم) باری تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ''۔ (التکویر: ٢٤) ''اور نہیں ہے وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر بخیل''۔

توجب علم غیب ہے ہی نہیں تو پھر بخل وسخا کے کیا معنی ہیں۔ وغیرھا من الآیات الکثیرۃ التی ذکرت حلھا فی رسالۃ مستقلۃ فی ھذا الباب۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مرادآباد مدرسہ امدادیہ مرسلہ مولوی نعیم الدین صاحب ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

فخر العلماء، وارث الانبیاء، ناصر دین متین، جناب مولانا صاحب ادام اللہ ظلالکم!

بعد از ادائے سلام مسنون عرض یہ ہے کہ علم نبی کریم کو ازلی وابدی کہنا، درست ہے یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، بلکہ کسی صفت کو کسی مخلوق کی ازلی کہنا ممنوع ہے۔ ابدی کہنا البتہ حق و درست ہے کہ بتصریح علمائے دین، تمامی صفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی علیٰ حالھا بلکہ ترقی پذیر ہیں۔ قال تعالیٰ: ''وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ''۔ (الضحیٰ: ٤) ''اور بے شک پچھلی تمہاری پہلی سے بہتر ہے'' (کنز الایمان) اسی طرح ازلی کہنا بھی اگر چہ ایک معنی کر درست ہے کہ ازلی زمانہ مدیدہ ممتد فی سبیل الماضی کو بھی کہتے ہیں۔ تاہم اس سے احتراز لازم بما فیہ من ابطال التوحید۔ اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذات الٰہی اور اس کی صفات کا ہے، جو ہر آن ترقی پر ہے، نہ اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ کو باحاطۂ تامہ جان لیا، یہ محال ہے۔ کما ھو المشھور وفی الکتب مسطور صرح بہ الاکابر الصدور۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

تمامی مسلمانان اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ حضرت رب العزت جل جلالہٗ نے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین یعنی بدء خلق سے الیٰ یوم القیامۃ جو کچھ ہوگا، سب بتلا دیا۔ اور وہابیہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے لئے اسی حدیث سوال جبرئیل سے استدلال لاتے ہیں۔ اگر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ نے جس طرح اور سوالوں کا جواب دیا، اس کا بھی جواب دیدیتے اور اگر چہ آپ نے صراحۃً لا اعلم نہ فرمایا، لیکن اسے ٹال دیا اور ایک آیت شریفہ پڑھی، جس سے مطابقۃً معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔ جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا۔

الجواب

اولاً ''متیٰ الساعۃ'' کے جواب میں ''ما المسئول عنھا اعلم من السائل'' فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں

نہیں جانتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ''لا اعلم'' فرماتے۔ پس جاننا چاہئے کہ کسی سوال کا جواب نہ دینا، اس بات کو مستلزم نہیں کہ مسئول عنہ جانتا نہیں ہے۔ دیکھو کہ جس وقت رب العزۃ جل جلالہٗ سے سوال اھلّۃ'' کا ہوا تو اس کا جواب ''قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ'' الآیۃ (البقرۃ : ۱۸۹) ''وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے'' (کنز الایمان) ارشاد ہوا۔ حالانکہ یہ اس سوال کا ہرگز جواب نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سوال ان کا محض بے کار تھا، اس لئے جواب وہ عنایت ہوا جس سے ان کو فائدہ پہنچے۔ علی ھذا القیاس یہاں پر بھی وہی ہے جیسا کہ بمضمون حدیث الحدیث بعضھا بیان لبعض۔ دوسرے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اگر اس کے لئے سامان مہیا کیا ہے تو تمہیں کیا غم؟ جب چاہے، ہو اور اگر تم نے سامان نہیں مہیا کیا تو اس کے بارے میں پوچھنے کا کیا فائدہ؟ پوچھنا عبث ہے۔

ثانیاً آپ کا نہ بتانا میرے دعویٰ کو ضرر رساں نہیں۔ کیونکہ میں نے کب دعویٰ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائشی علم غیب ہے، جو کسی وقت کے عدم جواب دہی سے میرا قول ٹوٹ جائے۔ بلکہ حسب مضمون ''نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' (النحل : ۸۹) ''اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے'' (کنز الایمان) آپ کا علم روز بروز ترقی قبول کرتے کرتے جس وقت کہ نزول قرآن پاک کا پورا ہوا تو آپ کا علم بھی پورا ہوگیا۔ لیکن یہ معنی نہیں کہ آپ کے علم میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ غایت کو پہنچ گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمیع مکتوبات لوح محفوظ ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس کو آپ نے ذرہ ذرہ جان لیا۔ پس اگر کوئی شخص اعتراض کرے لا یعلمھن صیغہ مضارع کا ہے، جس کے معنی حال و استقبال کے آتے ہیں۔ قد لا یعلمھن نہ کہا، جس سے صرف زمانہ حال مراد لے کر تعارض و تناقض دفع کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے زمانہ استقبال مراد لیا جائے اور معنی یہ ہوں کہ ان چیزوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، تو سخت خرابی لازم آئے گی۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو اعظم وارفع ہے، ان کے صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت منجملہ وصایا کے حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ یہ مال تمہارے دو بھائی اور دو بہنوں کے لئے ہے، وہ متحیر ہوئیں کہ دو بھائی تو البتہ ہیں، لیکن دو بہنیں کون ہیں؟ انہوں نے اپنی بیوی کا نام لے کر فرمایا کہ اس کے حمل ہے، جس سے لڑکی پیدا ہوگی۔ حالانکہ یہ خلاف تخصیص ''وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ'' (لقمان : ۳۴) اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے''۔ (کنز الایمان) کے ہے۔ دیکھئے وہ صدیق تھے، نہ جادوگر، نہ مسمریزم جاننے والے، یا لاف گو، یا نجومی تو جب حضرت ابوبکر نے جان لیا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے میں کیا استحالہ ہے؟ تو اب معنی حال ہی کے کہیں گے ورنہ کذب باری تعالیٰ لازم آئے گا۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جمیع آیات کلام مجید راست وحق ہے۔ ہم کو سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی قاعدہ کلیہ کی وجہ سے اہلسنت مسلک حق پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(سوال دستیاب نہ ہوسکا-۱۲ساحل)

۱- حضرت سیدنا داود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن ہلکا کر دیا گیا تو اپنے گھوڑے کے کسنے کے متعلق حکم فرماتے اور یہ قرآن شریف (زبور) پڑھنا شروع کرتے تھے اور قبل اس کے کہ سواری کس کر تیار ہو آپ ختم فرما لیتے۔ رواہ الامام احمد والبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲- حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سواری کس کر آتی۔ آپ بایاں قدم رکاب میں رکھتے اور قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور صاف صاف، درستی الفاظ وفہم معنی کے ساتھ قران پڑھتے اور داہنا قدم رکاب تک پہنچنے بھی نہیں پاتا کہ پورا ختم فرما چکتے۔ ذکرہ القاری فی المرقاۃ۔

۳- حضرت...... امیر المومنین رضی اللہ عنہ ملتزم کے قریب سے قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور باب کعبہ تک نہ پہنچتے کہ پورا ختم فرما دیتے ذکرہ الشیخ المحقق الدھلوی فی اشعۃ اللمعات۔

۴- امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مجھے زیادہ سے زیادہ خبر اس کی ملی ہے جس نے رات دن میں آٹھ ختم کیے چار دن میں چار رات میں۔

۵- امام نووی کا یہ قول نقل کر کے امام عینی فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایک حافظ کو دیکھا جس نے شب قدر کی وتر کی ہر رکعت میں ایک ایک ختم کر کے تین ختم کیا۔ ذکرہ فی عمدۃ القاری۔

۶- امام قسطلانی نووی کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ۸۶۷ھ میں بیت المقدس میں ابو طاہر کو دیکھا اور ان سے سنا کہ وہ رات دن میں دس ختم سے زیادہ کرتے ہیں۔ ذکرہ فی ارشاد الساری۔

۷- یہی علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف رات دن میں پندرہ ختم کرتے تھے۔ ذکرہ عبد الغنی النابلسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔

۸- ارشاد میں ہے کہ نجم الدین اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یمنی شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک ختم قرآن ایک چکر اور سات ختم سات میں کیا۔ ذکرہ ایضا النابلسی قدسنا بسرّہ القدسی

۹- مجھے بعض ثقہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب وعشاء کے درمیان دو ختم قرآن شریف کیا۔ ذکرہ ایضا فی الحدیقۃ۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مقام پونی ضلع جھنگارہ ممالک متوسط مرسلہ حافظ عبد الحکیم وغیرہ محرم ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب سلمہ تعالیٰ!
بعد آداب قدمبوسی کے واضح ہو کہ عرض خدمت میں یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت پیر مولانا عبد اللہ مسولی کے مرید ہوئے ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ تین مرتبہ فرض نماز کے بعد بتلایا ہے۔ ہم لوگ ضرب لگایا کرتے تھے اور ہیں۔ تو یہاں پر الٰہی

بخش صاحب مولوی تشریف لائے۔ تو انہوں نے بھی اپنے مرید کئے اور فرماتے ہیں کہ ضرب مارنا منع ہے۔ اور ہم لوگوں کو نصیحت کر کے مسجد میں ذکر بند کرا دیے ہیں اور اپنے مریدوں کو سکھا دیتے ہیں کہ یہ لوگ وہابی ہیں۔ فقط ضرب مارنے کے سبب سے ہم لوگ وہابی کہلاتے ہیں۔ ہم اگر ذرا بولیں تو وہ لوگ مارتے ہیں۔ ہم لوگوں کا بازار وغیرہ جانا مشکل ہے۔ اس لئے ہم لوگ آپ کو وسیلہ جان کر برائے خدا ہم لوگوں پر رحم کریئے اور اس آفت سے بچایئے۔ آپ حضرات عالم دین ہو، حق ناحق جانتے ہو، سچ جان کر لا الہ الا اللہ ضرب مارنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم لوگوں کو لکھئے اور بڑی بڑی آفتوں میں ہم لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم لوگ آپ کے بھروسہ پر ہیں۔ ہم لوگوں کو بتایئے ضرب لگانا بعد نماز فرض کے تین مرتبہ قرآن شریف وحدیث شریف میں کوئی آیت ہے کہ نہیں۔ اس کو تار سمجھ کر بہت جلد ہم کو فتویٰ روانہ فرمائیں اور قرآن شریف میں کون سی آیت ہے، وہ بھی ہم کو لکھئے۔ لوگ بولتے ہیں کہ ذکر جلی کے واسطے قرآن شریف میں کوئی آیت نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

الجواب

ذکر رب العزۃ جل جلالہ ہر حال وہر وقت، موجب نزول رحمت رب العٰلمین وباعث اطمینان قلوب مسلمین ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔'' (الرعد: ۲۸) ''سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے''۔

رہا ذکر خفی یا جلی۔ احادیث کثیرہ دونوں کی موید اور فقہا کا ذکر جلی کو مکروہ لکھنا خلاف مصلحت ہے یا لزوم مضرت کے ساتھ مقید اور یہی وجہ تطبیق، تبیین الاحادیث ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے:

''جاء فی الحدیث ما اقتضیٰ طلب الجهر وهناك احادیث اقتضت طلب الاسرار والجمع بینهما ان ذلك یختلف باختلاف الاقوال والاشخاص كما جمع بین الاحادیث الدالة علیٰ طلب الجهر بالقراۃ والدالة علیٰ الاسرار فحیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النیام فالاخفاء افضل وعلیه یحمل خیر الذكر الخفی والجهر افضل حیث خلا عما ذكر لانه اكثر عملا وتتادی فائدته للسامعین ویوخذ قلب الذاكر۔''

علاوہ احادیث قولیہ ذکر جلی، خود فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت۔ صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی: ''قال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سلم من صلاته یقول بصوته الاعلیٰ: ''لا اله الا الله وحدهٗ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علیٰ كل شیء قدیر'' ذكره فی المشكوٰۃ۔

شیخ محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''ایں حدیث صریح است در جہر بذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلندی خواند۔ اما بعضے گفتہ اند کہ بلند خواندن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود، اما افضل اخفا است۔ (الیٰ قولہ) حق آنست کہ اوقات مختلف است۔ گاہے ذوق حضور در اخفاء دست دہد وگاہے در جہر شوق افزاید۔ اما جہر بذکر مشروع است بلاشبہ۔

فاضل نامی علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: فی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی "اجمع لعلماء سلفا وخلفا استحباب الجهر جماعة فی المساجد وغیرها من غیر نکیر الا ان یشوش جهرهم علیٰ نائم او مصل او قاری کما هو مقرر فی الکتب الفقهیة اه۔"

پس جب معلوم ہوا ذکر بالجہر مثل ذکر خفی مشروع اور سلفا وخلفا اس کے استحباب پر اجماع منقول۔ تو اس سے منع کرنا ہرگز ناجائز ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ وہ جبروتی حکم وہابیت لگانا، مسائل اختلافیہ میں حکم بحرمت قطعیہ کا بھی محل نہیں، چہ جائے کہ ضلالت ووہابیت بفرض باطل، اگر ذکر جلی مکروہ ہی ہوتا، تاہم ایسے احکام باطلہ کی شناعت اس سے ہزار درجہ سخت وبدتر ہے۔ یہ دقائق تدلیس وتلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نہی عن المنکر کے پردہ میں اشعر وانکر کا مرتکب کر دیتا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جالندھرا المستفتی محمد احمد خاں محلہ راستہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شوہر نے اپنی عاقبت کی بہبودی، حصول محبت الٰہیہ، تزکیہ نفس اور منازل سلوک کے طے کرنے کے واسطے ایک شیخ کامل ومکمل عامل شریعت وواقف طریقت سے بیعت کر لی ہے اور اسی بیعت پر اسے کچھ عرصہ گزر گیا ہے۔ یہ شخص دن بھر اپنے معاش کا کام کرتا ہے اور رات کے وقت صرف دو گھنٹے حسب طریق نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقے میں شامل ہوتا ہے اور فیضان باطنی حاصل کرتا ہے۔ یہ شخص نہایت پرہیزگار وتہجد خواں وغیرہ بہ نسبت سابقہ ہو گیا ہے، نیز اس عرصہ میں اس کے دو مقام بھی ذکر سے جاری ہو گئے ہیں۔ مگر اس کا باپ جس پر حرص دنیاوی، جہالت اور ضد غالب ہے، اس لڑکے کو اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ اس شخص کے باپ نے اس کو کئی دفعہ زدوکوب بھی کیا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ چونکہ اس شخص پر محبت الٰہیہ کا اثر جو دامن گیر ہو رہا تھا اور مرشد کی تعلیم ظاہری وباطنی گھر کر گئی تھی، اس نے باپ کے سامنے کبھی اف تک نہیں کی۔ بڑے استقلال اور بردباری سے مار کھا رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا، اس لئے کہ وہاں جانے سے محبت الٰہیہ بڑھتی ہے۔ اگر نہیں جاتا تو محبت الٰہیہ کی پرہوتی نظر آتی ہے۔ صوم وصلوۃ ودیگر احکامات شرعیہ میں سستی وارد ہوتی ہے۔

(۱) اس حدیث سے محبت الٰہیہ کا حاصل کرنا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر فرض ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ حدیث یہ ہے: "عن انس ابن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ: "لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین"

(۲) حقوق اللہ، حقوق عباد پر غالب ہیں یا نہیں؟

(۳) یہ شخص جو باپ کو ناراض کر کے واسطے حصول محبت الٰہیہ اور طے کرنے منازل سلوک کے، مرشد کے پاس

جاتا ہے۔ آیا یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟
(۴) اس طرح عبادت کرنے سے اس کی عبادت قبول ہوتی ہے یا نہیں؟
(۵) محبت الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے اس طرح باپ کی ناراضگی میں مرشد کے پاس جانا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر ہے یا نہیں؟
(۶) اس کا باپ اس طرف سے روکنے میں خطا پر ہے یا نہیں؟ اور ایک نقل مکتوب مقدس حضرت مجدد علیہ الرحمہ اس مسئلے کے متعلق استفتاء کے ساتھ علیحدہ شامل کی جاتی ہے۔ آپ ملاحظہ فرمالیں۔ اس کا جواب مدلل طور پر بحوالہ کتب معتبرہ مع عبارت ارقام فرما کر بہت جلد ارسال فرمادیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ پندرہ روز کو ایک علمائے کرام کے جلسہ میں پیش ہونا ہے اور اس میں جس قدر علمائے کرام کے دستخط ومواہیر ثبت ہوں گی، بندہ آپ کا تہ دل سے شکر گذار ہوگا۔ فقط

الجواب

(۱) اللہ ورسول جل وجلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد پر ابوین کے اس قدر حقوق رکھے ہیں کہ حد تحریر واحاطۂ تقریر سے باہر ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا(الاحقاف : ۱۵) "اور ہم نے تقید کی آدمی کو ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی" وقال تعالیٰ: "وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَہْنًا عَلٰی وَہْنٍ وَّفِصٰلُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ۔ (لقمان : ۱۴) "تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے حق میں، پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھا کر اور اس کا دودھ چھٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ وقال تعالیٰ: "وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا(الاسراء : ۲۳) حکم فرمایا تیرے رب نے سوا اس کے کسی کو نہ پوجو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔
وقال تعالیٰ: "فَلَا تَقُلْ لَّہُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْہَرْہُمَا وَقُلْ لَّہُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔(الاسراء: ۲۳، ۲۴) "اور والدین کو "ہوں" نہ کہو اور نہ ان کو جھڑک اور ان سے عزت کی بات کہہ اور ان کے لئے نرم دلی سے ذلت کا بازو بچھا اور یوں عرض کر کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھٹپن میں پالا"
آیہ شریفہ میں اگرچہ اف کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر دلالۃ النص سے ان تمام باتوں سے، جو ان کو ناگوار اور ان کے مزاج کے خلاف ہوں، ممانعت ثابت ہے۔ فقد اخرج ابن ابی حاتم عن السدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الآیۃ قال: "لاتقل لھما اف مما سواہ" واخرج الدیلمی عن انس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا: "لو علم اللہ شیأمن الحقوق ادنیٰ من اف لحرمہ۔
تفسیر ابوالسعود میں ہے: "وبھذا النھی یفھم النھی عن سائر مایؤذیھما بدلالۃ النص۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "افضل الاعمال الصلوٰة لوقتها و بر الوالدين"۔ "حقوق اللہ میں سب سے بہتر وقت پر نماز پڑھنا اور حقوق العباد میں سب سے افضل والدین کی ساتھ نیک برتاؤ کرنا ہے" رواہ مسلم عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه والخطیب فی التاریخ عن انس رضی الله تعالیٰ عنه وزاد الجهاد فی سبیل الله۔

دوسری حدیث میں ہے: "بر الوالدين افضل من الصلوٰة والصدقة والصوم والحج والعمرة والجهاد فی سبيل الله"۔ "والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، نماز، زکوۃ اور روزہ اور حج اور عمرہ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، سب سے بہتر ہے۔ ذکرہ الامام حجة الاسلام محمد محمد محمد الغزالی قدس سره العالی فی احیاء علوم الدین۔

تیسری حدیث میں ہے: "رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد"۔ "اللہ کی خوشنودی، باپ کی رضامندی اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناخوشی میں ہے۔ رواہ الترمذی والحاکم عن ابن عمرو بن العاص والبزار عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنهم والبخاری فی ادب المفرد عن ابنه رضی الله تعالیٰ عنهما ولفظه "رضاء الله" واخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه بلفظ "رضا الرب فی رضا الوالدين وسخطه فی سخطهما" والحاکم وصححه والبیهقی عنه رضی الله تعالیٰ عنه ولفظهما "رضا الله فی رضا الوالدين"

چوتھی حدیث میں ہے: "ایک شخص نے عرض کی، یارسول اللہ! حق والدین کا اولاد پر کیا ہے؟ فرمایا: "جنتك ونارك" وہ دونوں تیری جنت و دوزخ ہیں۔ یعنی اگر تو ان کی فرمانبرداری کرے تو وہ تیرے لئے جنت ہیں اور انہیں ناراض رکھے تو وہی تیرے لئے دوزخ ہیں۔ رواہ ابن ماجة عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه

پانچویں حدیث میں ہے: "الجنة تحت اقدام الامهات"۔ "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"۔ رواہ مسلم عن نعمان ابن بشیر والخطیب فی الجامع عن انس رضی الله تعالیٰ عنهم۔ ولقد احسن واجاد من قال و افاد ؎

جنت کہ رضائے مادر آنست　　اندرتہ پائے مادر آنست
روزی بکن ای خدائے مارا　　چیزیکہ رضائے مادر آنست

وغیرها من الاحادیث الکثیرة الصحیحة الشهیرة۔

پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد کی اجازت مانگی، ارشاد فرمایا؟ تیرے ابوین زندہ ہیں؟ عرض کی ہاں! ارشاد ہوا "فيهما فجاهدا"۔ تو تو انہیں میں جہاد کر یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک کر کہ تیرے لئے جہاد کے قائم مقام ہے۔ رواہ الامام احمد فی مسنده والشیخان فی صحیحهما وابوداؤد والترمذی والنسائی وعبد الرزاق

وابن ابی شیبة عن ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ''ایک صحابی یمنی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب جہاد کا ارادہ کیا۔ ارشاد ہوا، تیرے ماں باپ نے اجازت دی؟ عرض کی نہیں! فرمایا: ''فارجع الیٰ ابویك فاستاذنهما فان فعلا فجاهد والا خبرهما فان ذالك افضل مماتلقیٰ الله به بعد التوحید''۔ ''لوٹ اپنے ماں باپ کی طرف اور ان سے اجازت مانگ۔ اگر اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر۔ یہ بعد توحید وایمان سب اعمال سے افضل ہے۔ رواہ الامام احمدو ابن حبان عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه۔

تیسری حدیث میں ہے: ''ایک صاحب حاضر خدمت اقدس ہوئے اور ہجرت پر بیعت چاہی اور کہا کہ ماں باپ کو رولا کر آیا ہوں۔ فقال: '' ارجع واضحکهما کما ابکیتهما''۔ ''لوٹ جا ان کے پاس اور انہیں ہنسادے جیسا کہ رولایا ہے''۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجة وعبد الرزاق فی المصنف والبخاری فی الادب المفرد والبیهقی فی شعب الایمان والحاکم عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وقال صحیح الاسناد۔

چوتھی حدیث میں ہے: ''حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد میں جانے کے بارے میں رائے اقدس دریافت کرنے کو حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ عرض کی ہاں! فرمایا: ''فالزمها فان الجنة عند رجلیها''۔ اسی کی خدمت میں لگا رہ کہ یقیناً جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ رواہ النسائی وابن ماجة والحاکم من حدیث معاویة بن جاهمه وقال صحیح الاسناد۔

پانچویں حدیث میں: '' بر الوالدین یجزی عن الجهاد'' ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا جہاد سے کفایت کرتا ہے۔ رواہ ابن ابی شیبه رضی الله تعالیٰ عنهما

پس جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً''۔ ''اور بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے اپنے پاس کے درجوں اور بخشش اور مہربانی میں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لغزوة فی سبیل الله احب الیّ من اربعین حجة''۔ ''البتہ ایک مرتبہ جہاد کرنا مجھے محبوب ہے چالیس حج سے'' رواہ عبد الجبار الخولانی فی تاریخ راویا عن مکحول مرسلا۔

باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیونکر اجازت دیجائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔ حدیث میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ''من اصبح مرضیا لابویه اصبح له بابان مفتوحان الیٰ الجنة وکذلك من امسیٰ مثل ذلك وان کان واحدا فواحد وان ظلما وان ظلما وان ظلما''۔

"جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ اپنے ماں باپ کی رضا چاہتا ہے، اس کے واسطے دو دروازے جنت کے کھلے ہوئے ہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص شام کرے اور اگر ماں باپ میں سے ایک ہے تو ایک دروازہ جنت کا کھلا ہے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔ اور جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ ماں باپ کو ناراض کرنے والا ہے، اس کے لئے دروازے جہنم کے کھلے ہیں۔ اور اگر ایک ناراض کیا تو ایک اور ایسا ہی جو شام کرے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔" رواه ابن شيبه والبيهقي في شعب الايمان وابن عساكر في التاريخ والديلمي في الافراد ونحوه للبخاري في الادب المفرد وابن النجار عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما وللدار قطني من حديث زيد ابن ارقم رضي الله تعالىٰ عنه۔

دوسری حدیث میں ہے: "لايدخل الجنة منان ولا عاق ولامدمن خمر"۔ "جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور ماں باپ کو ایذا دینے والا اور شرابی۔ رواه النسائي والدارمي عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعا۔

تیسری حدیث میں ہے: "لايدخل عاق ولا ولد زنا ولامدمن خمر ولا منان"۔ "جنت میں والدین کو ستانے والا نہ جائے گا اور نہ حرامی اور نہ شرابی، نہ دے کر احسان جتانیوالا"۔ رواه ابن ابي شيبه والبخاري والحاكم والبيهقي عن ابي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعا۔

چوتھی حدیث میں ہے: "لايدخل الجنة عاق والديه ولا منان ولاولد زنية ولا مد من خمر ولا قاطع رحم ولا من اتىٰ ذات رحم"۔ "جنت میں نہ جائیگا ماں باپ کو ایذا پہونچانے والا، نہ احسان جتانے والا، نہ ولد الحرام، نہ شراب نوش، نہ تفرقہ ڈالنے والا اور نہ خاندانی محرمات سے زنا کرنے والا۔ رواه ابن ابي شيبه وعبد الرزاق والنسائي والبيهقي عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما۔

پانچویں حدیث میں ہے: "ان الجنة يوجد ريحها من مسيرة خمس مائة عام ولايجد ريحها عاق"۔ "یقینی جنت کی ہوا پانچ سو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی بو نہ پائے گا والدین کو ناراض کرنے والا۔ رواه الطبراني في الصغير من حديث ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه وفي الاوسط من حديث جابر رضي الله تعالىٰ عنه وفيه من مسيرة الف"۔

"یعنی جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔"

اور محرومی کو یہی کیا کم ہے، پانچ سو برس کی راہ جنت سے دور ہے۔ سوا معصیت کے تمامی باتوں میں والدین کی فرمانبرداری فرض ہے۔ جس بات سے ایذا ء ہو اس کا کرنا حرام۔

امام خاتمۃ المجتہدین علامہ تقی الدین سبکی پھر علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "عقوق، والدین کی ایذا رسانی ہے، جس قسم سے ہو تھوڑی ہو یا بہت، وہ منع کریں یا نہ، اور ان کے اوامر ونواہی کی مخالفت ہے

بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو"۔العقوق ایذائهما بای نوع کان من انواع الاذیٰ قل او کثر نهیا عنه او لم ینهیا او یخالفها فیما یامران او ینهیان بشرط انتفاء المعصیة فی الکل"۔ بلکہ انہیں علامہ نے امام ابوبکر طوسی مالکی سے نقل فرمایا کہ ایک یا دو مرتبہ سنت مؤکدہ کے ترک کا حکم کریں تو ان کی فرمانبرداری چاہئے۔واخرج عبد الرزاق فی المصنف عن انس رضی الله تعالیٰ عنه انه سئل مابر الوالدین؟ قال:" تبذل لهما ما ملکت و ان تطیعهما فیما امراك به الاان یکون معصیة۔" "حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، بر والدین کیا ہے؟ فرمایا: اپنی سب ملک کا انہیں مالک جان اور سوا معصیت جس کام کے لئے حکم کریں، بجالا۔

بیہقی کی روایت میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:"وان امراك ان تخرج من کل شیٔ فاخرج"۔ "اور اگر وہ تجھے حکم کریں کہ اپنی سب چیزیں چھوڑ کر نکل جا تو تو نکل جا۔"

صرف استقلال و بردباری سے مار کھالینا اور زبان سے اف تک نہ کرنا، اسے بار (فرمانبردار) نہیں کرسکتا۔ جب صاف صاف باپ کے قول کے خلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ باپ کہتا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ روزانہ دو گھنٹے کے لئے چل دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:" مابر اباه من حدّ الیه الطرف"۔ "جو شخص اپنے باپ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے، اس نے بر نہیں کیا" رواه ابن مردویه والبیهقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین الصدیقه رضی الله تعالیٰ عنها۔

یہ حدیث قدسی نہیں بلکہ حدیث میں محبت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے کہ محبت محمدی جب تک سب سے غالب نہ ہو ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا۔ چاہے باپ ہو یا اولاد یا کوئی، جس سے محبت الٰہیہ کا حاصل کرنا والدین کی رضا سے ثابت ہو۔ اگرچہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کی فرضیت، رسول اللہ و حبیب اللہ ہونے کی وجہ سے ہے ﷺ۔ مگر جس محبت کا حدیث میں ذکر ہے، وہ باپ کو ناراض کرکے رات کو دو گھنٹے حسب طریقہ نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقے میں شامل ہونے سے نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مسلمان کے قلب میں ڈال دیتا ہے جس کی وجہ تمامی کائنات ایک پلہ میں اور دامن اقدس ایک پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو یہی پلہ غالب ہو۔ اس کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ والدین کو ہرگز ناراض نہ کرے کہ وہ اس محبت جلیلہ کی کمی پر دال ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں اور عباد محتاج ہیں۔ اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ حق اللہ اور حق العباد میں حق العباد مقدم ہے۔ در منتقی پھر در مختار میں ہے:"دین العباد یقدم لو اجتمع مع دین الله لانه تعالیٰ هو الغنی ونحن الفقراء"۔ "اگر جمع ہوں حق اللہ اور حق العباد تو بوجہ فقر عباد کے بندوں کا حق مقدم ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:"اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد لا حتیاجه علیٰ حق الله تعالیٰ لغنائه"۔

غمز العیون والبصائر میں ہے فتاوی ولوالجیہ اور اس میں فتاوی صدر الشہید سے ہے: "اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد و ذلك كما لو وجد صيدا و مال انسان يذبح الصيد و لا ياخذ مال المسلم لانهما استويا في الحرمة الا ان الصيد حرام حقالله تعالى و مال المسلم حرام حقا للعبد فكان الترجيح لحق العبد لحاجة اليه۔"

(۳-۴) یہ شخص ضرور گنہ گار ہے۔ اُسے ہرگز روا نہیں کہ رضائے والد واجب کو چھوڑ کر شغل واشغال ایک مستحب کام میں مشغول ہو۔

(۵) کسی کی عبادت قبول کرنا یا اس کے منہ پر مار دینا، اللہ کی مرضی ہے۔ اس کا ہمارے پاس ٹھیکہ نہیں کہ قبولیت یا مردودیت عبادت کا پروانہ دیا جائے۔ مجھے اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا معاذ اللہ نہیں۔ ہاں اس کے فضل سے امید کی جاتی ہے کہ جو اس کی مرضی کے موافق ہو، اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ مگر والدین کی ناراضی میں ہرگز اس کی رضا نہیں۔

(۶) محبت الٰہی فرض اہم ایمان بلکہ رکن ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ بغیر ایمان کے نہ رضائے والدین کام دے، نہ کوئی دوسرا عمل۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا (الفرقان: ۲۳)۔ "اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے، ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا"۔ (کنز الایمان)

وقال تعالیٰ: "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ" (آل عمران: ۲۲) "یہ ہیں وہ جن کے اعمال اکارت گئے"۔ (کنز الایمان)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لا یقبل عمل بلا ایمان"۔ "اللہ تعالیٰ کوئی عمل بے ایمان کے قبول نہیں فرماتا"رواہ الطبرانی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باسناد حسن اس لئے اس شخص کو سلوک کی تحصیل کے لئے باپ کو ایذا دے کر مرشد کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ کما قدمنا

(۷) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنی ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر وفکر، شغل واذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے۔ کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔ حضرت مجدد کے مکتوب کا بھی خلاصہ یہی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ آیات واحادیث اس سے پہلے ذکر ہو چکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ محمد بخش صاحب جنوب گنج پیر بھی ۲۲ صفر ۱۳۲۳ھ

علمائے دین کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص ہندو بظاہر ہے مگر عقائد بہت اچھے ہیں۔ یعنی نماز مثل مسلمانوں کے

ادا کرتا ہے۔ اب اس کو قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ ہوا ہے۔ اس حالت میں روزہ اس کا کیسا ہے؟ او نیت اس کی مسلمان ہونے کے لئے ہے مگر ابھی مسلمان نہیں ہوا ہے اور کلام مجید پڑھانے والے کے لئے باعث ثواب ہے یا معصیت یا کیا؟ ہندوؤں کی جتنی بدعت ہوتی ہیں، وہ سب ترک ہے۔ محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کرانا اور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دینا اور کلام مجید میں ہاتھ لگانا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

ہندو کہ بلا اکراہ مذہب اسلام ظاہر نہ کرے، اسی کفر پر بمار ہے، اگرچہ ہندوؤں کی بدعتیں چھوڑ دے، فاتحہ امام حسین وغوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کرے، قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ رکھے بلکہ پڑھے، لیکن جب تک علی الاعلان اپنا اسلام ظاہر نہ کرے، ہرگز مسلمان نہیں۔ لیکن اگر کسی سخت مجبوری واکراہ شرعی کے سبب ظاہر نہ کرے اور دل اس کا ایمان پر مستقیم ہو تو مضائقہ نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔" (النحل: ۱۰۶) "سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو"۔ (کنزالایمان)

مگر مال کا جانا یا باپ، ماں، عورت، اولاد کا چھوٹنا، اپنی قوم سے، برادری سے نکالا جانا، کوئی وجہ شرعی نہیں۔ اسے قرآن مجید پڑھانا گناہ نہیں بلکہ امید ثواب ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے اس کے طفیل میں ہدایت عطا فرمائے۔

قاضی خان میں ہے: "الحربی او الذمی اذا طلب تعلیم القرآن یعلم و کذا اذا طلب تعلیم الفقه رجاء ان یهتدی الیٰ الحق لکنه یمنع عن المصحف مالم یغتسل هکذا فی الصغیری۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے: "واذا قال الکافر لمسلم علمنی القران فلا باس بان یعلمه لکن لا یمس المصحف وان اغتسل او مسه لا باس به۔"

"یعنی اگر کوئی کافر حربی یا ذمی مسلمان سے قرآن شریف یا فقہ سیکھنا چاہے تو سکھانے میں حرج نہیں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کردے لیکن بغیر غسل قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر نہایت پاک صاف ہو کر مصحف شریف کو چھوئے تو کوئی حرج نہیں"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اصاب من اجاب کتبہ فقیر غلام محمد بہاری۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، پنتھو شریف ضلع گیا ڈاک خانہ چاکند ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

علم میں لفظ محمد اور احمد دونوں شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ظہور احمد، محمد عنایت احمد کیسا ہے؟

الجواب

بلا شبہ جائز ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے نام پر نام رکھا اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ محمد بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فان لی ذمۃ منہ بتسمیتی محمدا وھو اوفی الخلق بالذمم

اور محمد اور احمد دونوں نام پاک ہیں اور دونوں کا جمع بھی جائز ہے کہ مجموعہ حسن اور حسین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از ٹھو شریف ضلع گیا ڈاکخانہ کند ۶ر صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عالم رویاء میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جائز وصحیح ومقبول ہے۔ حضرت شاہ ابوبکر بن ہوار رضی اللہ عنہ کا سلسلہ منامیہ صدیقیہ عالم رویاء ہی میں بیعت سے ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عرض کیا یارسول اللہ! خرقہ عنایت ہو؟ فرمایا: ''اے ابن ہوار! میں تیرا نبی ہوں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تیرے شیخ ہیں''۔ پھر فرمایا: ''اے ابوبکر! اپنے ہمنام ابوبکر بن ہوار کو خرقہ عنایت کرو''۔ صدیق اکبر نے خرقہ وکلاہ عنایت فرمایا۔ جب بیدار ہوئے کلاہ مبارک سر پر رکھی دیکھی اور خرقہ پہنے پایا۔

شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی شافعی اپنی کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں ارقام فرماتے ہیں: "اخبرنا قاضی القضاۃ، شیخ الشیوخ، شمس الدین، ابو محمد عبد اللہ محمد المقدسی قال سمعت الاشیاخ الثلثۃ الشیخ العارف ابا الحسن علی بن سلیمان البغدادی المعروف بالخباز والشیخ الصالح ابا زکریا یحییٰ بن یوسف ابن یحییٰ الصرصری والشیخ العالم کمال الدین اباالحسن علی بن محمد بن محمد بن وضاح الشھر بانی قالوا سمعنا الشیخ الجلیل ابا محمد علی بن ادریس الیعقوبی یقول سمعت شیخنا الشیخ علی ابن الھیتی رضی اللہ عنہ یقول سمعت شیخنا تاج العارفین ابا الوفا رضی اللہ عنہ یقول سمعت شیخنا الشیخ ابا محمد الشنبکی یقول شیخنا کان الشیخ ابو بکر بن ھوار رضی اللہ عنہ شاطرا یقطع الطریق بالبطائح ومعہ رفقاء وکان مقدمھم وکانوا یجلسون علیٰ تلک المعابر یقتسمون اموال الناس فسمع لیلۃ امرءۃ تقول لزوجھا: "انزل ھھنا لئلا یاخذنا ابن ھوار واصحابہ" فاتعظ وبکیٰ وقال: "الناس یخافونتنی وانا لا اخاف اللہ تعالیٰ" وتاب فی وقتہ ذلک وتاب معہ اصحابہ وانقطع مکانہ متوجھا الیٰ ربہ عزوجل علیٰ قدم الصدق والاخلاص فی ارادتہ ووقع عندہ ان یسلم نفسہ الیٰ من یوصلہ الیٰ ربہ تعالیٰ ولم یکن بالعراق یومئذ شیخ مشھور من اھل الطریق فرأی فی منامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فقال لہ یا رسول اللہ الیسنی خرقۃ فقال لہ یا ابن ھوار! انا نبیک وھذا شیخک واشار الیٰ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم قال یا ابا بکر الیس سمیک ابن ھوار کما امرت فالبسہ الصدیق رضی اللہ عنہ ثوبا وطاقیۃ ومرّ بیدہ علیٰ راسہ ومسح علیٰ ناصیتہ وقال

بارك الله فيك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابابكرا بك تحيىٰ سنن اهل الطريق من امتى بالعراق بعد موتها ويقوم مناد ارباب الحقائق مع احباب الله تعالىٰ بعد دروسها وفيك تكون المشيخة بالعراق الىٰ يوم القيامة وقد هبت نسمات الله بظهورك وارسلت نفحات الله بقيامك ثم استيقظ فوجد الثوب والطاقية بعينهما عليه و كانت علىٰ راسه ثواليل فلم برها اه (بهجة الاسرار و معدن الاسرار ص ۱۳۳ مطبوعه مصر)

وعلیٰ هذا انجملہ سائر سلاسل رضویہ عزیزیہ علویہ منامیہ بھی اسم با مسمیٰ ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مشرف بزیارت خاتم الخلفاء امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ہوئے۔ عرض کیا: بیعت لیجئے۔ امیر المومنین نے دست اقدس بڑھا کر بیعت سے مشرف فرمایا۔ ولله الحمد والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از بنگال ضلع نواکھالی ڈاکخانہ راج گنج محلہ رگورام پور مدرسہ انوار العلوم از مولوی عبد الجبار۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) پیر ومرشد سے توجہ لینا جائز ہے یا نہیں: اور بعض مولوی وہابیہ کہتا ہے کہ حرام ہے اور توجہ لینے والا اور دینے والا کافر ہیں۔

(۲) اولیاء اللہ کو مکاشفہ ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ شخص اس کا بھی منکر ہے اور کہتا ہے جو شخص مکاشفہ کا قائل ہو، وہ کافر ہے۔

(۳) پیر بزرگ کے ہاتھ یا قدم چومنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص کہتا ہے کہ حرام ہے اور قدم بوسی کرنے والا مشرک ہوگا۔

(۴) اجرت پر وعظ کہنا مثلاً ۴۰ روپے دینا ہوگا، نہیں تو میں وعظ نہیں کہوں گا۔

(۵) مولود شریف وقیام جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص قیام مولود شریف کو حرام اور اس کے کرنے والا کو بدعتی کہتا ہے۔ جواب مسئلہ کا بحوالہ کتب مع صفحہ ارشاد فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر پاویں۔

الجواب

توجہ لینا اپنے پیر ومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۱۳۰ س ۹ پر ہے: "وعن يعلىٰ ابن شداد قال حدثنى ابى شداد ابن اوس وعبادة بن الصامت حاضر يصدقه قال كنا عند النبى صلى الله عليه وسلم فقط فقال هل فيكم غريب يعنى اهل الكتاب قلنا لا يا رسول الله! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ايديكم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ايدينا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتنى بهذه

الکلمۃ ووعدتنی علیھا الجنۃ وانت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان اللہ قد غفر لکم۔“
”یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے، بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اوس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الٰہی! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا“۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرھما۔

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ ھل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اولیائے کرام کا مکاشفہ بلاشبہ حق ہے۔ کتب تصوف اس سے مملو و مشحون ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ“۔ ”تم مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے“ رواہ البخاری فی التاریخ والترمذی عن ابی سعید الحکیم والطبرانی فی الکبیر وابن عدی فی الکامل عن ابی امامۃ وابن جریر عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھم ذکرہ الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الجامع الصغیر ص ۷

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نظرتُ الیٰ بلاد اللہ جمعا   کخردلۃ علیٰ حکم اتصال

”میں نے خدا کے تمام شہروں کو بحکم اتصال رائی کے دانہ کی طرح دیکھا۔“

نیز فرماتے ہیں: ”وان بؤبؤ عینی فی اللوح المحفوظ“۔ ”اور یقیناً میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں لگی ہوئی ہے۔ یعنی میں تمامی مکتوبات لوح محفوظ کو مشاہدہ کر رہا ہوں۔“ (بہجۃ الاسرار شریف)

”نفحات الانس فی حضرات القدس“ کے ص ۳۹ میں عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں: ”حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ می فرمود کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان می گفتہ اند کہ زمین در نظر این طائفہ چوں سفرہ ایست کہ ما می گوئیم کہ چوں روی ناخن است۔ ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست۔“

یعنی سب چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے سوا اور مکاشفہ نام کس کا ہے؟ ذلك من فضل الله علیٰ الناس ولكن الوهابية قوم لا يفقهون۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(۳) بیشک بزرگان دین، مرشدان عظام و اساتذہ کرام و آبائے کرام و پادشاہان اسلام و دیگر معززان واجب الاحترام کے دست و پا کا بنظر محبت اسلامی و تکریم میں چومنا جائز و درست ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع باب المصافحۃ والمعانقۃ ص ۴۰۲ میں ہے: "وعن زارع و كان فی وفد عبد القيس قال: "لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ورجله۔" "یعنی مروی ہے زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اور تھے وہ عبد القیس کی جماعت میں) کہا جب ہم حاضر ہوئے مدینہ میں۔ جلدی کی اپنی سواریوں سے اترنے میں پس چوما دست و پا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا"۔

شیخ محقق محدث دہلوی لمعات میں فرماتے ہیں: "وفی الحديث دليل علیٰ جواز تقبيل الرجل وجاء فی غير هذا الحديث ايضا"۔

اشعۃ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوٰۃ جلد رابع مطبع نولکشور ص ۲۷ س ۱۱: "دریں جا تجویز پائے بوس معلوم شد۔ چنانچہ سابقہ بر آں اشارت کردیم"۔

ردالمحتار جلد ۵ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۳۷۸ س ۵ میں رسالہ علامہ شرنبلالی سے حدیث نقل کی: "قال ثم اذن له فقبل راسه ورجليه۔ طحطاوی جلد ۴: قال الشرنبلالی فعلم مجموع ما ذكرنا اباحة تقبيل اليد والرجل والراس والكشح كما علم من الاحاديث المتقدمة اباحتها علىٰ الجبهة وبين العينين وعلىٰ الشفتين اذا كان علىٰ المبرة والاكرام"۔

رہا حضرات وہابیہ کا ان سب باتوں کو کفر یا شرک کہنا، ان سے ان کی کیا شکایت؟ مثل مشہور ہے الاناء يترشح بما فيه ان بزرگوں کو آبائی ترکہ مسلسلا عن الگنگوہی عن الدہلوی عن النجدی عن مجتہد الفلک السادس، اسی شرک و کفر کا ملا ہے۔ اب اس کے سوا لوگوں کو کیا دیں اور کہاں سے دیں؟ بات بات میں شرک و کفر نہ ہو تو پھر مولویت کیسی؟ جس کو ان کے کفریات کی بہار دیکھنا ہو، ان کی ایمانی کتاب تقویۃ الایمان اٹھا کر دیکھے۔ ہر ورق کیا، ہر صفحہ میں کفریات بھری ہیں اور وہ کسی ایک دو کی تکفیر نہیں، عامہ تامہ شاملہ کاملہ جس سے کوئی انسان کیا کوئی مخلوق بلکہ خالق تک مبرا نہیں۔

اعلیٰحضرت ختام المحققین، مجدد مائۃ حاضرہ، سیدی وسندی، جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب "الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا" میں ساٹھ آیتوں اور تین سو حدیثوں سے ثابت فرمایا کہ مذہب وہابیہ حق ہے تو آدمیوں سے لے کر فرشتوں اور امتوں سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر خدا تک کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔ سب مشرک و شرک گر ہیں۔ وہ قرآن شریف جو شرک کو بیخ برکندہ کرنے کے لئے آیا، معاذ اللہ ان کے طور پر شرک سے مملو ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ توحید سکھانے کو مبعوث فرمائے گئے، عیاذاً باللہ ان کے

مذہب پر سب خود مشرک گرتے۔ نعوذ بالله من شرور الشیطان والابالسة والدجاجلة اجمعین۔

اشراک نجدیین کہ ناحق برسد مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

"قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ" والله تعالیٰ اعلم۔ (التوبۃ: ۳۰/ المنافقون: ٤) "اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں"۔ (کنز الایمان)

(۴) اجرت پر وعظ کہنے کی نسبت درمختار میں تصریح فرمائی کہ ضلالت وگمراہی وسنت یہود ونصاریٰ ہے۔

درمختار نولکشوری ص ۳۳۲ س ۱۴ پر ہے: "التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الانبیاء والمرسلین ولریاسة ومال وقبول عامة من ضلالة الیهود والنصاری۔"

یہاں اس سے قطع نظر کر کے حضرات وہابیہ اگر بغیر کسی اجرت کے مفت ہی وعظ کہیں بلکہ سامعین کے لئے اپنے پاس سے اجرت مقرر کر کے وعظ سنائیں تو بھی ان کا وعظ سننا حرام ہے کہ وہ عقائد باطلہ زائغہ کو بیان کریں گے۔ اور ان کا ضرر کفار کے ضرر سے اشد ہے۔ اور بالفرض کوئی وہابی صاحب خالی نماز، روزے ہی کا وعظ کریں جب بھی انہیں وعظ کے لئے بیٹھانا حرام ہے کہ منبر پر بٹھانا اور واعظ مسلمانان بنانے میں ان کی تعظیم ہے اور ہم کو ان کی توہین کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ ان کو امام بنانا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، گناہ اور جو نماز ان کے پیچھے پڑھی گئی واجب الاعادہ ہے۔ رد المحتار ج۱ باب الامامة ص ۵۸۵ س ١٤ المبتدع تکره امامته بکل حال۔ طحطاوی ج ۱ ص ۲٤٤ س ۱۱: الکراهة فیه تحریمیة علی ما سبق صغیری۔ ص ۲۷۰ س ۱: ویکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم۔ غنیه مطبوعه قسطنطنیه ص ٥١٣: لو قدموا فاسقا یاثمون۔ مبتدع اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر امام بنائیں گے، گنہگار ہوں گے۔ درمختار وکل صلوٰة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔ ان کی تعظیم کو دین کا ڈھانا فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف ص ۳۱: "وعن ابراهیم بن میسرة قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام"۔ جس نے کسی بدمذہب کی تعظیم کی، اس نے دین کے ڈھانے میں مدد دی۔

شرح مقاصد ج۲ ص ۲۷۰ س ۸: "حکم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن۔"

رہا ان کا فاسق اور مبتدع ہونا، وہ کوئی چھپی بات نہیں، عالم آشکارو کالشمس فی رابعۃ النہار ہے۔ علمائے عرب وعجم نے بے شمار رسائل اور فتاویٰ ان کی تضلیل وتفسیق میں تحریر فرمائے اور وہ چھپے اور شائع ہوئے۔ اور یہ تضلیل وتفسیق بھی اسی حالت تک ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور اگر منکر ضروریات دین ہیں، معاذ اللہ! رب العزت اصدق الصادقین جل وعلا کو کاذب بالفعل کہیں یا ختم نبوت کا انکار کریں، اعلم الخلق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے ابلیس لعین کے علم کو زیادہ بتائیں یا حضور جیسا علم غیب ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کو جانیں جیسا کہ ان کے کبراء

میاں رشید احمد گنگوہی وقاسم نانوتوی وخلیل انبیٹھی واشرف علی تھانوی وغیرہم خذلھم اللہ نے اپنے فتاویٰ ورسائل میں لکھے یاان کے اقوال پر مطلع ہوکران کو علمائے دینی یااقل درجہ ان کو مسلمان ہی جانیں یااقل ان کے کفر میں شک کریں تو کافر مرتد ہیں۔ان کا وعظ سننا تو درکنار، ان کے پاس جانا، ان سے کسی طرح کا معاملہ کرنا، سب سخت حرام واشد کبیرہ ہے۔

والله ولی التوفیق وبه الهدایة فی البدایة والنهایة۔ اللهم طهر عنهم حوزة الدین بجاه سید المرسلین صلی الله علیه وسلم آمین! والله تعالیٰ اعلم۔

(۵) مجلس میلاد، فیض بنیاد، حضور پرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگرچہ خیر القرون میں بہیئت کذائی نہ تھا، بعد کو حادث ہوا، مگر بلاشبہ مستحسن ومندوب ہے۔روز حدوث مولود سے آج تک اس عمل مقدس کا عرب وعجم، روم وشام ودیگر بلاد اسلام خصوصاً حرمین محترمین میں شیوع عام ورواج تام پانا اور قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً ہزارہا اکابر دین متین وسواد اعظم مسلمین وجماہیر ائمہ ملت ومشاہیر اجلہ امت کا بکمال عقیدت ورسوخ ارادت اس کا کرنا، اس میں شریک ہونا، اس کے استحباب واستحسان پر شاہد عدل ہیں۔

"اذاقة الاثام لمانعی عمل المولد والقیام" طبع بریلی ص ۱۸۱ س ۱ میں حافظ الدین عماد الدین کثیر سے ناقل: "قد اثنیٰ علیه الائمة منهم الحافظ ابو شامه شیخ النووی فی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحوادث" وقال ومثل هذا الحسن یندب الیه ویشکر فاعله ویثنی علیه۔"

اسی کے ص ۱۸۳ س ۵ پر ہے: امام علامہ صدر الدین بن عمر شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ویثاب الانسان بحسب قصده فی اظهار السرور والفرح بمولد النبی صلی الله علیه وسلم"۔ "انسان اپنی نیت کے موافق اظہار سرور وفرحت مولد میں ثواب دیا جاتا ہے۔"

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "یستحب لنا ایضا اظهار الشکر بمولده صلی الله علیه وسلم بالاجتماع واطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربات واظهار المسرات"۔ یہ بھی ہمارے حق میں مستحب ہے کہ ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر مجمع کرکے کھانا کھلانے اور اس کے مثل اور اعمال قربت واظہار سرور وفرحت سے بجالائیں۔

الکوکب الانور علی عقل المجوهر ص ۹۰ س ۱۸: "(قد استحسن القیام) ای عده حسنا وحکم باستحبابه وندبه شرعا (عند) ای لدی وصول القاری للمولد ای (ذکر مولده الشریف ائمة ذوو روایة) بکسر الرای ای نقل من یقتدی به کالصحابة والتابعین والمجتهدین" (وذوو روایة)۔

"القول المنجی علیٰ مولد البرزنجی" المطبوع علیٰ هامش الکوکب ص ۹۰ س ۵: "فی مولد المدابغی جرت العادة بقیام الناس اذا انتهیٰ المداح الیٰ ذکر مولده صلی الله علیه وسلم وهی بدعة مستحبة لما فیها من اظهار الفرح والسرور والتعظیم" الیٰ غیر ذلك من نصوص العلماء وان اردت تفصیل

المقام وتنقیح المرام وازاحۃ الشکوک والاوھام فعلیک " باذاقۃ الآثام" لتاج العلماء المحققین راس الکملاء المدققین مولانا المولوی محمد نقی علی خان امطر اللہ علیہ شآبیب الرضوان وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔

☆☆☆☆☆

۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے: حضرت سیدنا بدیع الدین ،قطب المدار، مکن پور شریف کا سلسلہ بیعت سوخت ہے یعنی سلسلہ مداریہ میں پیری مریدی ناجائز ہے اور عمرو کہتا ہے کہ جائز ہے اور آپ کا سلسلہ سوخت نہیں ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ آپ کا سلسلہ تو سوخت ہے مگر تبرکاً بیعت جائز ہے۔ ان میں سے کون حق پر ہے؟

۲- سلاسل مشہورہ چشتی قادری سہروردی نقشبندی کو برا کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟

۳- مکن پور کا ہر شخص پیری مریدی سلسلہ مداریہ میں کرتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۴- حضرت سیدنا بدیع الدین مدار کی نسل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس جگہ؟ آپ کس قوم سے تھے؟

۵- آپ سے قبل وبعد بیعت کا سلسلہ متصل ہے یا نہیں؟

۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں۔

۷- جس میں تعین اوساط مشائخ کا یقین نہ ہو، بلکہ مختلف ہو ایسے سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۸- پیری مریدی کا سلسلہ، خلافت پر منحصر ہے یا نہیں؟ مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا یا نہیں؟

۹- سلسلہ مداریہ میں ابتدائی بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۱۰- جو لوگ سلسلہ مداریہ میں بیعت کر چکے ہیں، وہ اسی پر قائم رہیں یا نہیں؟

۱۱- اگر قائم نہ رہیں تو کون سے خاندان میں بیعت ہوں؟

۱۲- بیعت مروجہ کے لئے کیا شرائط ضروری ہیں۔ جاہل سے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ سید سے بیعت ہونا بمقابلہ غیر سید افضل ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد ارشاد حسین شیش گڈھ ضلع بریلی یوپی

(نوٹ) چند مقامات سے استفتاء کا جواب طلب کیا مگر کہیں نہ ملا، یہاں تک کہ ٹکٹ بھی ہضم کر لئے گئے۔ یہاں یہ مسئلہ معرکہ آرا بنا ہوا ہے۔ اب جو فتویٰ کا جواب آپ عنایت فرمائیں گے، طرفین اسی پر عمل کریں گے۔ مفصل واقعہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔ جواب جلد از جلد مرحمت ہو، مدلل ہو، جواباً لفافہ حاضر ہے۔

الجواب

زید کا خیال صحیح ہے۔ واقعی طریقہ بیعت حضرت سیدنا بدیع الدین مدار قدس سرہ العزیز کا سوخت ہے۔ حضرت نے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بیعت نہ کیا اور جن لوگوں کو مرید کیا ان میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔

سبع سنابل شریف میں ص ۸۶ پر ہے: ''شیخ مدار گفتند: من چند کس را مرید کردہ ام۔ بعد ازیں تاریخ ہیچ کس را مرید نخواہم گرفت وخلافت بکسے ندادہ ام۔ ''

اخیر وقت میں حضرت نے اپنے دست مبارک سے بہت سے خطوط لکھ کر اطراف وجوانب میں بھیج دیا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے۔

اسی میں ہے ص ۸۷: ''چون حضرت شاہ مدار وقت رحلت قریب رسید، بفراست باطن دانستند کہ مریدان من گمراہ کردہ عالمے ہستند۔ از ایشان البتہ بے فرمانی وبے دیانتی صادر خواہد شد۔ رقعات فراواں بخط خود بجنتہ در اطراف وجوانب فرستادند کہ ما کسے را خلافت نزادہ ام''۔

ان کاغذات وخطوط سے ایک خط حضرت شیخ مخدوم سعد قدس سرہ کو بھی ملا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اسی میں ہے ص ۸۷: ''چنانچہ کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود وشاہ مدار بجنتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- سلاسل مشہورہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی کو برا کہنے والا برا ہے۔ البتہ جو بیعت کو کفر کہے، وہ کافر ہوگا۔ کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''فقد باء بہ احدھما'' اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل میں سیکڑوں کیا، ہزاروں، لاکھوں اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ تو ان کو کافر کہنے والا ضرور کافر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳- بغیر شرائط پیری بیعت لینا جائز نہیں۔

''سبع سنابل شریف ص ۸۳ میں ہے: ''اے برادر! از پیری ومریدی رسمے واسمے بیش نماندہ است وآن رسم واسم نیز بجز برچند شرائط میداں کہ بے آن شرائط اصلا پیری ومریدی درست نیست'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴- حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے والد ماجد کا نام ابو اسحاق اور بقولے علی، والدہ ماجدہ کا نام بی بی ہاجرہ ہے۔ اصل وطن آپ کا حلب ملک شام ہے اور آپ اولاد امجاد سے حضرت ہارون علیہ السلام کے تھے۔ آپ ۱۲ برس تک عالم صمدیت میں رہے، کچھ کھایا پیا نہیں۔ اس عرصہ میں جو آپ نے ایک بار کپڑا پہنا، نہ کبھی میلا ہوا، نہ پھٹا۔ کتابوں میں آپ کے غرائب احوال اور عجائب انوار لکھے ہیں۔ مگر کسی جگہ آپ کے اولاد کا تذکرہ نظر سے نہ گذرا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ آپ عالم تجرید وتفرید میں تھے۔ آپ نے نہ شادی کی، نہ کوئی اولاد ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵- آپ سے قبل سلسلہ متصل ومسلسل ہے اور آپ کے بعد وہ اتصال وتسلسل باقی نہ رہا کہ خود حضور نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ واللہ اعلم

۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز نہیں۔ اس لئے کہ اصل مبدء فیض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور یہ مشائخ کرام کی ذات بمنزلہ جداول نہر ہے۔ تو اگر نہر سے نالیاں ملی ہوں گی، پانی پہنچتا رہے گا۔ اور جو جدول نہر سے منقطع ہو، اس سے سیرابی ممکن نہیں۔

کتاب جامع الاصول فی الاولیاء میں ہے: "والتعلیم من شیخ ماذون اجازۃ صحیحۃ مستندۃ الیٰ شیخ صاحب طریق وھو الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ "یعنی تعلیم ایسے شیخ ماذون سے چاہئے جس کی اجازت مستند ہو شیخ صاحب طریق تک اوران کا طریقہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو۔"

سبع سنابل شریف میں ہے: "اے پسر! شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف است"۔ اسی میں ہے: "اما نخست از شرائط پیری یکے آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد۔ دوم از شرائط پیری آنست کہ پیر در اداء حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم از شرائط پیری آنست کہ پیر را عقائد درست بود موافق مذہب سنت وجماعت"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷- نہیں کما مرّ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸- خلافت پر منحصر ہے۔ حضرت شاہ بدیع الدین صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹- نہیں واللہ اعلم

۱۰- اس بیعت پر قائم رہنا جائز نہیں۔ وہ بیعت بیکار ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ پھر سے کسی طریقہ میں بیعت کریں۔ "کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود وشاہ مدار نبشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام۔"

سبع سنابل میں ہے: "بدان سبب شیخ مخدوم سعد مریدان شاہ مدار را باز می گردانیدند از روئے دیانت، نہ از روئے اہانت۔ وخلفاء حضرت مخدوم سعد نیز مردم را از این بیعت رجوع میفرمودند۔ چنانکہ مخدوم شیخ صفی را این بچشم خود دیدہ است ومخدوم شیخ محمد مسکین کہ درمقام ملاوہ آسودہ اند وبندگی شیخ نظام الدین کہ درمقام امیٹھی آسودہ اند نیز مردم را از این بیعت وانابت باز میگردانیدہ اند"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱- ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس سلسلہ میں چاہیں مرید ہوں۔ مگر بہتر ہے کہ سلسلہ علیہ عالیہ قادریہ شریفہ میں داخل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲- بیعت مروجہ کے شرائط جواب نمبر ۶ میں گذرے کہ پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔
اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ہذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۃ اہل سنت وجماعت ہو، بدمذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ع
بے علم نتوان خدا را شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچوائے گا ع
او خویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے "جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے"

ابریز میں ہے:" اذا لم یکن علم لدیه بظاهر ولا باطن فاضرب به لجج البحر قال الشیخ رضی الله عنه مراده بعلم الظاهر علم الفقه والتوحید ای القدر الواجب منهما علیٰ المکلف ومراده بعلم الباطن معرفة الله تعالیٰ۔"

مگراس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ و عملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سراور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:" لا تقدمن قبل اعتقادك انه مربّ ولا اولی بها منه فی العصر (ای) ولا تقدمن علیٰ شیخ بقصد الدخول فی صحبته حتیٰ تعتقد انه من اهل التربیة وانه لا احق منه بها فی زمنه۔"

"یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو۔ جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں"۔

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے۔ اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

همه شهر پر ز خوباں، منم وخیال ماہے ۔۔۔ چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

احب الصالحین ولست منهم ۔۔۔ لعل الله یرزقنی صلاحا

آمین آمین اله الحق آمین! وصلی الله علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین۔

☆☆☆☆☆

نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیه وسلما

مسئلہ مرسلہ مولوی سید محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی بتوسط پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ علمائے ملت اسلامیہ مندرجہ ذیل سوالات کے مفصل جوابات مرحمت فرمائیں۔

۱- مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے نہیں؟ اگر بتایا گیا ہے تو وہ کیا ہے؟ مع نقل آیات، جواب مرحمت ہو۔

۲- رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی معمول بہ دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعین صفحہ ونام جواب ارشاد ہو۔

۳- رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اہل بیت واصحاب میں سے جو لوگ وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰ زوج النبی ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ ورضی اللہ عنہا و حضرت خبیب وحضرت حمزہ وحضرت جعفر طیار ودیگر شہدائے جنگ بدر وخیبر واحد وحنین وتبوک وغیر ہا رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص آنحضرت ﷺ کے لئے یا پہلے یا اپنے وقت کے اموات وشہدا کے لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے کیا؟ اور ایک بار یا برابر کرتے تھے؟ جواب با صواب مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعیین صفحہ ونام مطبع مرحمت ہو۔

۴- فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصال ثواب کا لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا تو وہ کیا ہے اور خود حضرت امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت اس کی منقول ہے یا نہیں معہ حوالہ کتاب وعدد صفحہ پوری عبارت لکھئے۔

امید ہے کہ ان سوالوں کے مفصل جوابات جلد سے جلد مرحمت ہوں گے۔ اخی الاعظم مولانا عبید اللہ صاحب امجری مدظلہ، جی الاکرم مولانا ظفر الدین صاحب، جی الاکرم مولانا اصغر حسین صاحب، جی الاکرم مولانا عبد السبحان صاحب، جی الاکرم مولانا دیانت حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف تو جہ فرمائیں اور ان کے علاوہ ہر ہر مدرس مدرسہ سے باادب استدعا ہے۔ بینوا توجروا واجر کم علیٰ من بیدہ ازمۃ التوفیق و ہو نعم المولیٰ و نعم الرفیق

المستدعی تمنآ العمادی المجیبی الفلواروی پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔ ۲۰/ اگست ۱۹۳۵ء

الجواب اللهم هداية الحق والصواب

مکرمی! اکرمکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالات پہنچے، دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو نفس مسئلہ ایصال ثواب میں کلام نہیں۔ ہاں اس کے طریقے کے متعلق سوال ہے کہ کس طریقے سے ہونا چاہئے۔ قرآن و

حدیث سے کیا ثابت ہے، حضور اقدس ﷺ وصحابہ کرام کا معمول بہ دستور کیا تھا؟ بعض بلند پایہ حضرات تو نفس ایصال ثواب ہی میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ میرے ملنے والوں میں ایک صاحب اسی خیال کے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں۔ اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ جناب کو یہ کس نے کہد یا یا خود جا کر عالم برزخ میں دیکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا دھرا اکارت جاتا ہے۔ جن کو بھیجا جاتا ہے، انہیں نہیں پہونچتا۔ کیا راستہ میں رہزن رہتے ہیں کہ راہ ہی میں لوٹ لیتے ہیں، وہاں نہیں پہونچنے دیتے؟ بولے کیا آپ کے پاس پہونچنے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ، جن کے لئے بھیجا گیا ان کی تصدیق۔

"عن انس ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انا نتصدق عن موتانا و نحج عنھم و ندعولھم فھل یصل الیھم ذالک فقال نعم انہ یصل الیھم و یفرحون کما یفرح احد کم بالطبق اذا اھدی الیہ"۔ رواہ ابو حفص الکبیر۔ "امام ابو حفص کبیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے، حج کرتے، دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سب چیزیں ان کو پہونچتی ہیں؟ فرمایا ہاں۔ وہ ان کو ضرور پہنچتی ہیں اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے، جب اس کے پاس طباق ہدیہ دیا جاتا ہے۔" (عینی شرح ہدایہ ج ۲ کشوری ص ۶۱۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ مصری ص ۳۸۶ میں فرماتے ہیں:

"اخرج القاضی ابو بکر بن عبدالباقی الانصاری رحمہ اللہ فی مشیختہ عن سلمۃ بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلۃ الیٰ مقابر مکۃ فوضعت راسی علیٰ قبر فنمت فرایت اھل المقابر حلقۃ حلقۃ فقلت قامت القیامۃ؟ قالو الاولکن رجل من اخواننا قرء قل ھو اللہ احد وجعل ثوابھا لنا فنحن نقسمہ منذ سنۃ"۔ "قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری رحمہ اللہ اپنے مشائخ میں سلمہ بن عبید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: حماد مکی نے فرمایا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا۔ ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو قبرستان والوں کو دیکھا کہ حلقہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا قیامت قائم ہوگئی؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو اس کو ایک سال سے ہم لوگ بانٹ رہے ہیں"۔ اگر ثواب پہونچا ہی نہیں تو کس چیز کو تقسیم کرتے تھے؟

اسی میں ہے ص ۳۸۱: "قال النووی فی الاذکار" قال محمد بن احمد المروزی سمعت

احمد بن حنبل یقول اذا دخلتم المقابر فاقرؤا فاتحۃ الکتاب والمعوذتین و قل ھو اللہ احد و اجعلوا ثواب ذلک لاھل المقابر فانہ یصل الیھم"۔ " امام نووی شافعی کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں: محمد بن احمد مروزی تلمیذ فربری متوفی ۳۷۱ھ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورۂ فاتحہ اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس ،قل ھو اللہ احد پڑھو اور اس کا ثواب اس قبرستان والوں کو بخشو کہ وہ ان کو پہنچتا ہے"۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی مکتوبات جلد دوم ص ۵۹ مکتوب ۳۶ میں ہے: "پیش ازیں بچند سال داب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام می پخت، مخصوص بہ روحانیت مطہرہ آل عبا می ساخت و بآں سرور، حضرت امیر و حضرت فاطمہ و حضرات امامین راضم می کرد علیہم الصلوات والتسلیمات۔ شبے در خواب می بیند کہ آں سرور حاضر ست علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام۔ فقیر برایشاں عرض سلام می کند، متوجہ فقیر نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند۔ دریں اثنا بفقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔ ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ را در آں طعام شریک نمی ساخت۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہمہ اہلبیت اند، شریک می ساخت و بجمیع اہلبیت توسل می نمود"۔

"اس سے چند سال پہلے فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کھانا پکاتا تھا تو ارواح مطہرہ آل عبا کے ساتھ مخصوص کرتا تھا اور آں حضور کے ساتھ، حضرت امیر المومنین علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات امامین کو شامل کرتا تھا علیہم الصلوت والتسلیمات۔ ایک رات بندہ خواب میں دیکھتا ہے کہ آں سرور تشریف فرما ہیں علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام ۔ فقیر ان پر سلام عرض کرتا ہے۔ متوجہ فقیر کی طرف نہیں ہوتے ہیں اور چہرہ اقدس دوسری طرف پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی درمیان میں فقیر سے فرماتے ہیں (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جو مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر میں بھیجے۔ اسی وقت فقیر نے سمجھا کہ حضور کے عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ کو بلکہ تمامی ازواج مطہرات کو رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کہ سب کی سب اہل بیت ہیں، شریک کرتا تھا اور تمامی اہلبیت کے ساتھ توسل کرتا تھا"۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جن کی جلالت شان ہر کہ ومہ پر ظاہر ہے الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ص ۸ میں تحریر فرماتے ہیں: "الحدیث الثانی والعشرون اخبرنی السیدالوالد قال کنت اصنع طعاما صلۃ بالنبی ﷺ فلم یفتح لی سنۃ من السنین شیء اصنع بہ طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمتہ بین الناس فرایتہ ﷺ و بین یدیہ ھذا الحمص متبھجاً بشاشاً"۔ "بائیسویں حدیث

مجھے میرے سردار والد ماجد نے خبر دی کہ میں ہر سال نبی ﷺ کی ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ فتوح نہ ہوا جس سے میں کھانا پکوا سکوں تو میں نے بھنا چنا منگوایا اور اسی کو لوگوں میں تقسیم کیا تو میں زیارت حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ حضور کے سامنے وہ بھنا ہوا چنا رکھا ہے اور آپ بہت خوش اور بشاش ہیں"

معلوم ہوا کہ ثواب بدنی ہو جیسا کہ پہلے دو واقعہ میں یا مالی ہو جیسا کہ حضرت شیخ مجدد اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے واقعہ میں یا دونوں کا مجموعہ جیسا کہ حدیث شریف کی مثال سے واضح، سب مردہ کو پہنچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز ایصال ثواب کے لئے پکائی جاتی اور تقسیم کی جاتی ہے وہ بعینہ پہونچتی ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قبل تحریر جواب اگر لفظ ثواب اور ایصال کی تحقیق کر لی جائے تو بہتر ہے۔ ثواب وہ عمل نہیں جس کی مقدار معین ہو اور ہر کام کرنے والے کو ملے۔ بہتیرے کام کرنے والے ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا۔ وقال تعالیٰ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً۔ "اور قصد کیا ہم نے طرف اس کے جو انہوں نے عمل کیا تو اس کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا"۔ "عمل کرنے والی مشقت اٹھانے والی داخل ہوں گی بھڑکتی آگ میں۔"

بلکہ وہ اجر اس عمل مقبول کا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے، اسی لئے اس کے لئے کوئی حد نہیں۔ حسن نیت اور اخلاص عمل پر دس سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کے لئے خدا چاہے، ملتا ہے۔

قال تعالیٰ: مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ۔ "ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو صرف کرتے ہیں مثل اس ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں (تو مجموعہ سات سو ہوا) اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اور زیادہ فرمائے"

آیت کریمہ اگرچہ مال کے متعلق وارد ہے مگر یہ مخصوص اسی کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس عمل پر جس کو چاہے اجر عطا فرمائے۔ کسی کو کسی عمل پر اجر بے پایاں دے تو خدا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اب رہا ایصال، یہ خدا کو وکیل کرنا نہیں کہ اس امر کا ثواب میرے نامۂ اعمال میں نہ لکھا جائے بلکہ فلاں شخص کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے، اس کو دیا جائے۔ اس لئے کہ توکیل اس میں صحیح ہے جو کام انسان خود کر سکتا ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۱۷۶ میں ہے: "کل عقد جاز ان یعقدہ الانسان بنفسہ جاز ان یوکل غیرہ"۔ "جس کام کو انسان خود کر سکتا ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ثواب یہ شخص نہ خود لے سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تو اس میں کسی دوسرے کو وکیل بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایصال ثواب خداوند عالم سے دعا ہے کہ خداوندا میں نے جو یہ نیک کام تیرے لئے کیا ہے، اس کا ثواب مجھ کو اور میرے ساتھ فلاں فلاں اشخاص کو بھی اپنے فضل و کرم سے عطا فرما۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم ص ۵۵ میں لکھتے ہیں: ''ہر عبادت کہ از مسلمان ادا شود، ثواب آں بروح کسے از گزشتگان رساند۔ طریق رسائیدن آں دعائے خیر بجناب الٰہی ست پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن ست و اگر آں کس کہ ثواب بروحش می رساند از اہل حقوق است، بہ مقدار حق وے خوبی رسائیدن ایں ثواب زیادہ تر خواہد شد۔ پس در خوبی ایں قدر امر از امور مروسمہ فاتحہ و اعراس و نذر و نیاز کہ اموات شک و شبہ نیست''۔ ''جو عبادت مسلمان سے ادا ہو، اس کا ثواب اپنے گزرے ہوؤں میں سے کسی کی روح کو پہونچائے اور اس دعائے خیر کے پہونچانے کا طریقہ جناب الٰہی کے ذریعہ ہے تو یہ خود البتہ بہتر اور مستحسن ہے۔ اور اگر وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہونچاتا ہے، اس کے اہل حقوق سے ہے تو اس کے حق کے مقدار کے موافق اس ثواب کے پہونچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس وہ امور جو میت کے لئے مروج ہیں مثلاً فاتحہ اور اعراس اور نذر و نیاز کے، ان سب کی خوبی میں شک وشبہ نہیں''۔

اسی کے ص ۶۴ میں ہے: ''ہرگاہ ایصال نفعے بمیت منظور دارد، موقوف بر اطعام نہ گذارد۔ اگر میسر باشد بہتر ست والا صرف ثواب سورۂ فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب است''۔ ''جس وقت کسی کو میت کو نفع پہونچانا منظور ہو تو چاہئے کہ وہ اس نفع کو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے۔ اگر بروقت کھانا میسر ہو جائے تو بہتر ورنہ صرف سورہ فاتحہ، اخلاص کا ثواب ہی بہترین ثواب ہے''۔

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایک آیت یا ایک سورہ پڑھ کر مثلاً دس آدمی کو اس کا ثواب بخشے تو دسوں کو پورا پورا ثواب اس آیت یا سورہ کا ملے گا۔

علامہ شامی جلد اول رد المحتار ص ۸۴۵ میں فرماتے ہیں: ''سئل ابن حجر المکی عما لو قراء لاهل المقبرة الفاتحه، هل تقسم الثواب بینهم او یصل لکل منهم مثل ثواب ذلك كاملا؟ فاجاب بانه افتیٰ جمیع بالثانی و هو اللائق بسعة الفضل''۔ ''علامہ ابن حجر سے سوال ہوا کہ کوئی شخص مقبرہ والوں کو فاتحہ پڑھ کر بخشے تو کیا سورہ فاتحہ کا ثواب انہیں بٹ کر ملے گا یا سب کو پورا پورا ثواب سورہ فاتحہ کا پہونچے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور یہی اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق ہے''۔

مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب بست وہشتم ص ۵۴ میں ہے: ''اگر بروحانیت یکے تصدق کردہ سائر

مومناں را شریک سازد، ہمہ برسد واز آں شخص کہ بنیت او داده بود ہیچ نقصان نہ کند ان ربك واسع المغفرة"۔ "اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے سارے مومنین کو شریک کرلے تو سب کو (ثواب برابر) پہونچے گا اور جس کی نیت سے (صدقہ) دیا گیا، اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ بے شک تیرا رب (تبارک وتعالیٰ) وسیع مغفرت والا ہے"۔

نیز یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ایصال ثواب جس طرح مردوں کے لئے ہوتا ہے۔ زندوں کے لئے بھی ہوسکتا ہے ثواب پہنچانے کے لئے مردہ ہونا کچھ ضروری نہیں،۔ یہ محض عامیانہ خیال ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ثواب مردہ ہی کو بخشا جاسکتا ہے۔ زندوں کے لئے ایصال ثواب سن کران کو سخت حیرت ہوتی ہے۔

شامی جلد۲ص ۲۴۲ میں ہے: "قوله بغيره اى الا حياء والا موات بحرعن البدائع"۔ "ان کا کہنا ہے کہ اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشنا تو جائز ہے۔ یعنی ماتن نے جو کہا کہ "الاصل ان كل من اتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره" یعنی اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے اس کو حق ہے کہ اوس کا ثواب غیر کو دے۔ چاہے وہ غیر زندہ ہو یا مردہ دونوں کو ثواب پہونچا سکتا ہے"۔

شامی جلد اول ص ۸۴۴ میں ہے: "وفى البحر من صام اوصلىٰ او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جازو يصل ثوابها اليهم عنداهل السنة و الجماعة كذافى البدائع ثم قال و بهذ اعلم انه لافرق بين ان يكون المجعول له ميتا اوحيا و الظاهر انه لا فرق بين ان ينوى به عندالفعل للغيراو يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لاطلاق كلامهم وانه لا فرق بين الفرض و النفل اه"۔ "بحرالرائق میں ہے کسی نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ دیا اور اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس کا ثواب ان لوگوں کو پہونچے گا۔ اسی طرح بدائع میں ہے۔ پھر کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس کو ثواب بخشیں وہ مردہ ہو یا زندہ اور نہ فرق اس میں ہے کہ کام کرتے وقت اس غیر کی نیت سے کیا جائے یا اپنے لئے کریں اور اس کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو بخشیں۔ اس لئے کہ کلام ان کا مطلق ہے اور اس بارے میں فرض اور نفل میں بھی کوئی فرق نہیں"

بالجملہ ایصال ثواب کسی عمل خیر فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح ومجاز شرعی، بدنی یا مالی یا دونوں کے مجموعہ کا کسی کے نفع اخروی کی نیت سے کرنا یا بغیر نیت کسی دوسرے کے خود اپنے لئے کرے، اس وقت یا کچھ بعد زبان سے یا فقط دل سے خداوند عالم سے دعا کرنا ہے کہ اس کا ثواب فلاں شخص یا اشخاص مردہ یا زندہ کو پہونچے۔ اب ان تمام تمہیدات کے بعد اصل سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ فاقول و بالله التوفيق۔

قرآن شریف میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے بتائے گئے ہیں۔ ان میں جس طریقہ کو انجام کرے گا، مردے کو ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص سب طریقے بجالائے تو اور بہتر ہے۔

(اوّل) مغفرت کی دعا کرنا

"قال تعالیٰ: وَالَّذِیْنَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ"۔ (سورہ حشر) "اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں، خداوندا! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں"۔

تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۱۷۹ میں اس آیہ کریمہ کے تحت میں ہے: "اعلم ان قوله والذين جاؤا من بعد هم عطف ايضا على المهاجرين وهم الذين هاجروا من بعد و قيل التابعون باحسان و هم الذين يجيئون بعد المهاجرين و الانصار الىٰ يوم القيمة و ذكر تعالى انهم يدعون لانفسهم و لمن سبقهم بالايمان وهو قوله يقولون ربنا اغفرلنا و لاخواننا الاية واعلم ان هذه الايات قداستوعبت جميع المومنين لانهم اماالمهاجرون او الانصارا و الذين جاء وامن بعد هم و بين ان شان من جاء بعد المهاجرين والانصار ان يذكر السابقين وهم المهاجرون والانصار بالدعاء والرحمة فمن لم يكن كذالك بل ذكر هم بسوء كان خارجا من جملة اقسام المومنين بحسب نص هذه الآية"۔"

اللہ تعالیٰ کا قول والذین جاؤ امن بعد ھم عطف ہے المھاجرین پر اور وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد کو ہجرت کی اور بعضوں نے کہا کہ جو لوگ بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے میں ان سے سابق ہوئے اور وہ باری تعالیٰ کا ارشاد یقولون ربنا اغفرلنا الایہ ہے۔ اور جان لو کہ ان آیات نے مسلمانوں کی تمام قسموں کا استیعاب کرلیا۔ اس لئے کہ مومنین یا مہاجرین ہیں یا انصار یا جو لوگ کہ ان کے بعد ہوئے اور بیان فرمایا کہ مہاجرین وانصار کے بعد جو لوگ ہوئے، ان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اگلے لوگوں یعنی مہاجرین وانصار کو دعائے خیر اور رحمت کے ساتھ یاد کریں اور جو شخص ایسا نہیں بلکہ انہیں برائی کے ساتھ یاد کرے تو وہ بحکم آیہ کریمہ مسلمانوں کے تمام اقسام سے خارج ہے"۔

جمل حاشیہ تفسیر جلالین مصری ج ۴ ص ۳۱۷ میں ہے: "قوله الذين سبقونا بالايمان كل واحد من القائلين لهذاالقول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من غير فاصل و ينتهى الىٰ عصر النبى ﷺ فيدخل فى اخوانه الذين سبقوه بالايمان جميع من تقدمه من المسلمين و لايقصد بالذين سبقوه

خصوص المهاجرين والانصار لقصوره وان كان اصل سبب النزول اه شيخنا يعنى الذين سبقونا بالايمان۔" "الذين سبقو نا بالايمان سے مراد یہ ہے کہ ہر کہنے والا اس قول کا من سبقہ سے ان کو مراد لے جو لوگ اس زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک انتقال کر چکے ہیں تو اس صورت میں اس کے اخوان سابقین بالایمان میں تمامی وہ سب مسلمان داخل ہوں گے جو اس سے پہلے انتقال کر چکے ہیں اور اس سے فقط مہاجرین وانصار مراد نہ لے کہ اس میں تنگی اور کمی ہے اگر چہ وہی لوگ اس آیت کے اصل سبب نزول ہیں"۔

اسی طرح صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۴ ص ۱۹۶ میں ہے: وعبارته هكذا الذين سبقونا بالايمان اى بالموت عليه فينبغى لكل واحد من القائلين لهذا القول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من زمنه الى عصر النبى ﷺ فيدخل جميع من تقدمه من المسلمين "۔ " جب مسلمان دعا کرے اور اس میں اغفرلنا ولا خوانتا الذين سبقونا بالايمان ' کہے تو اس سے یہ قصد کرے کہ جو لوگ ہم سے پہلے سابق بالایمان ہوئے ہیں یعنی جو لوگ اس کے زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک تک انتقال کر چکے ہیں تو اس میں تمامی گزشتہ مسلمان داخل ہو جائیں گے"۔

قونوی حاشیہ تفسیر بیضاوی مصری جلد ۷ ص ۱۵۶ میں ہے:"قوله يقولون الاية وفيه ترغيب للخلف اللدعا للسلف لا سيما العلما الاقدمين فانهم اباء تعليم الذين و ان الدعاء بالمغفرة اهم"۔ "اس آیہ کریمہ میں خلف کو رغبت دینا ہے سلف کے لئے دعا کرنے کی خصوصاً اگلے علما کے لئے کہ وہ دینی تعلیم کے باپ ہیں اور یہ مغفرت کی دعا سب سے اہم ہے"۔

حاشیہ شہاب خفاجی علی البیضاوی مصری جلد ۸ ص ۱۸۰ ہے:"وجملة يقولون حالية والمراد بدعاء اللاحق للسابق و الخلف للسلف انهم متبعون لهم او هو تعليم لهم بان يدعوالمن قبلهم ويذكروهم بالخير"۔ "اس آیہ کریمہ میں جملہ یقولون الایۃ جملہ حالیہ ہے اور سابق کے لئے لاحق اور سلف کے لئے خلف کی دعا کا یا تو یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے متبع ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تعلیم ہے کہ خلف کو چاہئے کہ سلف کے لئے دعا کیا کریں اور ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کریں"۔

تفسیر روح البیان مصری جلد ۵ ص ۲۱۰ میں ہے:"وفى الاية دليل على ان الترحم و الاستغفار واجب على المومنين الآخرين للسابقين منهم لا سيما لابائهم و معلميهم امور الدين"۔" آیہ کریمہ ربنا اغفرلنا میں اس امر پر دلیل ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کے لئے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے۔ خصوصاً اپنے آباواجداد اور دینی علوم کے اساتذہ کرام کے لئے"۔

قوت القلوب حضرت ابو طالب مکی جلد ۲ ص ۲۴۸ میں ہے: ''قال بعض العلما لولم یکن فی اتخاذ الاخوان الا ان احد هم یبلغه موت اخیه فیترحم علیه و ید عو له فلعله یغفر له بحسن نیته و یقال من بلغه موت اخیه فترحم علیه و استغفر له کان شهد جنازة و صلی علیه و قد روینا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل المیت فی قبره مثل الغریق یتعلق بکل شیء ینتظر دعوة من ولد او والد او اخ وانه لید خل علی قبور الا موات من دعاء الاحیاء من الانوار امثال الجبال ویقال الدعاء للاموات بمنزلة الهدایا للاحیاء فی الدنیا قال فیدخل الملك علی المیت معه طبق من نور علیه مندیل من نور فیقول هذه هدیة من عند اخیك فلان من عند قریبك فلان قال یفرح بذلك کما یفرح الحی بالهدیة''۔

''بعض علما کہتے ہیں کہ اگر اخوان بنانے میں اور کوئی فائدہ نہ ہو تو یہ کیا کم ہے کہ کسی شخص کو اس کے دینی بھائی کے مرنے کی خبر پہونچتی ہے، وہ اس پر ترحم کرتا، اس کے لئے دعا کرتا ہے تو شاید دعا کرنے والے کی نیک نیتی سے اس میت کی مغفرت کردی جائے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کو اس کے بھائی کے مرنے کی خبر پہونچی پس اس نے اس پر ترحم کیا اور مغفرت کی دعا کی تو گویا اس کے جنازہ میں حاضر ہوا اور جنازہ کی نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہونچی ہے کہ میت کی مثال قبر میں ایسی ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہر چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ وہ دعا کے انتظار میں ہے کہ لڑکا دعا کرے یا باپ یا بھائی اور بیشک زندوں کی دعا کی برکت سے مردوں کی قبور میں پہاڑ ایسے انوار داخل ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مردوں کے لئے دعا کرنا ایسا ہے جیسے دنیا میں زندوں کو ہدیہ دینا۔ کہا کہ فرشتہ میت کے پاس جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نور کا طباق ہوتا ہے جو نور کے رومال سے چھپا ہے اور کہتا ہے: یہ تحفہ تیرے فلاں بھائی کا ہے جو فلاں جگہ کا رہنے والا ہے تو وہ مردہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس طرح زندہ ہدیہ پا کر خوش رہتا ہے''۔

علامہ سید مرتضی زبیدی شرح احیاء العلوم مصری جلد ۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: ''عن ابن عباس عن النبی ﷺ ما المیت فی قبره الا شبه الغریق المتغوث تنتظر دعوة من اب او ام او صدیق ثقة فاذ الحقته کان احب الیه من الدنیا و ما فیها لان الله عزوجل لید خل علی اهل القبور من دعاء اهل الدنیا امثال الجبال و ان هدیة الاحیاء للاموات الاستغفار لهم والصدقة عنهم'' (رواه الدیلمی فی مسند الفردوس ورواه البیهقی فی شعب الایمان)

''دیلمی مسند الفردوس اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا راوی کہ نہیں ہے مردہ اپنی قبر میں مگر مثل ڈوبتے ہوئے کے، طالب، فریاد رس ہے انتظار کر رہا ہے باپ یا ماں یا معتمد دوست

کی دعا کا، تو جب دعا اسے پہونچتی ہے اس کی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑ جیسے خیر و برکات و انوار داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کی مغفرت چاہنا اوران کی طرف سے صدقہ دینا ہے''۔

حضرت شیخ مجدد ڈاکٹر تغریجی خطوط میں اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے دعا و صدقہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔

مکتوبات جلد اول ص ۱۱۰ مکتوب ہشتادونہم میں ہے: ''مرحومہ شما دریں اواں بسے مغتنم بودند۔ الحال بر شمایاں لازم است کہ مکافات احسان باحسان بکنید و بدعا و صدقہ ساعت بساعت مدد نمائند فان المیت کالغریق ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او اخ او صدیق''۔ ''تمہارے (میت) مرحومہ بڑے احسان کرنے والے تھے۔ اب تم پر یہ لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا اور صدقہ سے ہر وقت ان کی مدد کرو۔ اس لئے کہ میت مثل غریق کے ہے۔ انتظار کرتا ہے اپنے رشتہ داروں باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعاؤں کا جو اسے پہونچتی ہے''۔

نیز مکتوب جلد اول ص ۱۲۱ مکتوبات صد و چہارم میں ہے: ''مصیبت بر رفتن نیست بر حال رونده الی الحبیب ست تا با او چہ معاملہ کنند۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد باید نمود قال رسول اللہ ﷺ ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او صدیق الی قوله وان هدیته الاحیاء الی الاموات الاستغفار لهم''۔ ''مصیبت جانے پر نہیں ہے (بلکہ) دوست کی طرف جانے والے کے حال پر ہے یہاں تک کہ مردہ منتظر رہتا ہے کہ دیکھیں لوگ کس طرح (میرے دوست) معاملہ کرتے ہیں (لہذا) دعا اور استغفار اور تصدق کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔ (جیسا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت قبر میں مثل ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کے ہے۔ انتظار کرتا ہے ان دعاؤں کا جو پہونچتی ہیں اس کو باپ یا ماں یا دوست کی طرف سے۔ الی قولہ۔ بیشک زندوں کے تحفے مردوں کے لئے ان کے (مردوں) لئے استغفار کرنا ہے''۔

قرآن شریف کی آیت، تفاسیر کی عبارت، علمائے کرام کی صراحت، احادیث کی دلالت نے مردوں کے لئے ایصال ثواب کے طریقہ کو بہت صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر نہ صرف مستحب بلکہ بقول علامہ حقی واجب ہے کہ گزشتہ مسلمانوں خصوصاً اپنے آباؤ اجداد و علمائے کرام و مشائخ عظام کے ایصال ثواب کے لئے ان کی مغفرت کی دعا کیا کریں ورنہ حسب تصریح امام رازی مسلمانوں کی تیسری قسم بھی شامل ہونا معلوم۔

(دوم) ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا

قال تعالیٰ: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل رکوع ۳) ''ماں باپ کے لئے دعا کرو اور کہو کہ خداوندا ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپنے میں مجھے پالا''۔

تفسیر روح المعانی مصری جلد ۳ ص ۵۰۸ میں ہے: ''والظاہر ان الامر للوجوب فیجب علی الولدان یدعولوالدیہ بالرحمہ'' ۔ ''اس آیت سے ظاہر یہ بات ہے کہ اولاد پر واجب ہے کہ والدین کے لئے رحمت کی دعا کیا کریں''۔ اس لئے کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

جمل مصری حاشیہ تفسیر جلالین جلد ۲ ص ۶۲۲ میں ہے: ''قولہ وقل رب ارحمھما ای ادع لھما ولوخمس مرات فی الیوم واللیلۃ'' (کذا فی الصاوی جلد ۲ ص ۲۷۱) ''آیہ کریمہ وقل رب ارحمھما کے یہ معنی ہیں کہ ماں باپ کے لئے رحمت کی دعا کیا کرے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم دن رات میں صرف پانچ ہی دفعہ سہی''۔

تفسیر روح البیان جلد ۵ ص ۱۴۸ میں ہے: ''وقل رب ارحمھما و ادع اللہ ان یرحمھما برحمتہ الباقیۃ ولاتکتف برحمتك الفانیہ''۔ ''اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت باقی کے ساتھ ان پر رحم کرے۔ تم فقط اپنی رحمت فانی پر اکتفاء کرو کہ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ سلوک کرو''۔

اسی میں ہے: ''سئل ابن عیینہ عن الصدقۃ عن المیت فقال کل ذلك واصل الیہ ولا شیٔ انفع لہ من الاستغفار ولو کان شئی افضل منہ لامرت بہ فی الابوین و یعضدہ قولہ علیہ السلام ان اللہ لیرفع درجۃ العبدفی الجنۃ فیقول باستغفار ولدك وفی الحدیث من سار قبر ابویہ اواحد ھمافی کل جمعۃ کان باراً۔ ''ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا کیسا ہے اور یہ پہونچتا ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے لئے کیا جائے گا، سب اس کو پہونچے گا اور کوئی چیز استغفار سے بڑھ کر نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی چیز استغفار سے افضل ہوتی تو والدین کے حق میں اسی کا حکم ہوتا اور اس کی تائید حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندہ کا درجہ بلند فرمائے گا۔ وہ بندہ کہے گا میرے مولیٰ یہ رتبہ مجھ کو کس طرح ملا؟ ارشاد ہوگا کہ تیرے لڑکے کے استغفار کی وجہ سے اور حدیث شریف میں کہ جو شخص جمعہ کے دن ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کیا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بار یعنی نیکوکار گنا جائے گا''۔

تفسیر ابی مسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۷۲ میں ہے: ''ولا تکتف برحمتك الفانیۃ بل ادع اللہ لھما برحمتہ الواسعۃ الباقیۃ وقل رب ارحمھما برحمتك الدنیویۃ والاخرویۃ التی من جملتھا الھدایۃ الیٰ الاسلام فلاینافی ذلك کفرھما''۔ ''والدین کے حق میں فقط اپنی فانی رحمت پر اکتفاء کر بلکہ ان دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع باقی رحمت کے لئے دعا کر اور یوں کہہ کہ خداوندا! ان دونوں پر اپنی دنیوی واخروی رحمت کے ساتھ رحم فرما اور منجملہ اخروی رحمت کے اسلام کی طرف رہبری بھی ہے تو اگر کسی کے ماں باپ کافر

ہوں، جب بھی اس دعا میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ کفر اس دعا کے منافی نہیں"۔

(سوم) میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا:

قال تعالیٰ: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورہ براۃ رکوع ۱۳)

"اور ان کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھے اس لئے کہ آپ کا ان پر نماز جنازہ پڑھنا ان کے لئے سکون ووقار ہے"۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دوقول ہیں۔ اول دعا مغفرت کرنا۔ اس معنی کر یہ پہلے طریقہ کی دلیل ہوگی اور بعض علما نے اس آیت کی تفسیر نماز جنازہ سے کی ہے۔ تب یہ آیت تیسری صورت کی دلیل ہوگی۔

تفسیر البحر المحیط جلد ۵ ص ۹۵ میں ہے: "قال فی الکافی الصلوٰۃ علی المیت مشروعۃ لقولہ تعالیٰ وصل علیهم ان صلوتك سكن لهم"۔ "کافی میں ہے کہ جنازہ کی نماز مشروع ہے اور اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد وصل علیهم ان صلوتك سكن لهم ہے"۔

تفسیر روح المعانی جلد ۳ ص ۳۲۵ میں ہے: "والحمل علی صلاۃ المیت بعید و ان روی عن ابن عباس رضی اللہ عنهما"۔ "آیہ کریمہ وصل علیهم سے نماز جنازہ مراد لینا بعید ہے۔ اگر چہ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے"۔

اس عبارت نے اتنا پتہ دیا کہ صل علیهم سے نماز جنازہ مراد لینا نہ صرف صاحب البحر المحیط اور صاحب کافی کی ذاتی رائے ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی ومنقول ہے۔ رہا علامہ آلوسی بغدادی مولف روح المعانی کا باوجود روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو بعید بتانا، عقل وعلم سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جلالتِ شان علمی اور وہ بھی خاص فن تفسیر میں اس سے ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء "اللهم علمه الكتاب" فرمائی۔ وہ اس آیت کی یہ تفسیر فرماتے ہیں اور الفاظ قرآن اس کو مقتضی۔ علمائے کرام نماز جنازہ کے ثبوت واستدلال میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ روح البیان والے اس کو نقل کر کے مقرر رکھتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے علامہ آلوسی اس کو بعید کہتے ہیں۔ ثابت بالحدیث اور صحابی کے قول کو تفسیر قرآن میں بعید بتانا، سخت جرأت اور شان علم وعقل سے بہت ہی بعید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۷۵ میں اس آیت کی تفسیر میں مجملہ اور احادیث کے ایک یہ حدیث لکھتے ہیں: "واخرج ابن ابی شیبه عن خارجة بن زید عن عمه یزید بن ثابت و کان اکبر من زید قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلما وردنا البقیع اذاهو بقبر جدید فسأل عنه

فقالوا فلانة فعرفها قال افلا اذنتمونی بها فقالوا کنت قائلا فکرهنا ان نؤذیک فقال لا تفعلو اما مات منکم میت مادمت بین اظهر کم الا اذنتمونی فان صلاتی علیه رحمة"۔ "ابن ابی شیبہ نے حضرت یزید بن ثابت سے روایت کیا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ جب جنت البقیع پہونچے تو حضور نے ایک نئی قبر ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں عورت کی قبر ہے تو آپ نے اس کو پہچان لیا۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر دی؟ لوگوں نے کہا حضور قیلولہ فرما رہے تھے، اس لئے ہم نے ناپسند کیا کہ حضور کو تکلیف دیں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ جب تک میں تم میں ہوں تو نہ انتقال کرے تم میں کوئی شخص مگر مجھے ضرور خبر دیا کرو۔ اس لئے کہ میرا نماز پڑھنا میت کے لئے رحمت ہے"۔ "والحدیث رواه بن ماجة فی سننه و ابن حبان فی صحیحه والحاکم فی المستدرك فی الفضائل وسکت عنه و روی نحوه البخاری ومسلم ص ۳۱۰ و ابو داؤد الطیالسی ص ۳۲۱۔

اس مسئلہ کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: لاتصل علیٰ احد منهم مات ابدا (سورہ براءۃ) یعنی منافقین میں جو شخص مرجائے اس کی جنازہ کی نماز آپ نہ پڑھیں۔

تفسیر بیضاوی شریف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے: "والمراد من الصلاة الدعاء للمیت والاستغفار له وهو ممنوع فی حق الکافر"۔ "صلاۃ سے مراد میت کے لئے دعا اور اس کے لئے مغفرت چاہنا ہے اور کافر کے لئے یہ منع ہے"۔

حاشیہ خفاجی علی البیضاوی جلد۴ ص۳۵۲ میں ہے: "ان المراد بالصلاة علیه صلاة المیت المعروفة وانما منع منها علیه لان صلاة المیت دعاء واستغفار و استشفاع له و قد منع من الدعاء لمیتهم فیما تقدم فی هذه السورة لقوله تعالیٰ سواء علیهم استغفرت لهم اولم تستغفر لهم لن یغفر الله لهم و قوله تعالیٰ ان تستغفر لهم سبعین مرة فلن یغفر الله لهم"۔ "اس آیت میں صلاۃ سے مراد نماز جنازہ معروفہ ہے اور منافقین کے لئے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنا، دعا و استغفار اور شفاعت کرنا ہے اور منافق مردوں کے لئے دعا کرنا پہلے غیر مفید و ممنوع ہو چکا ہے۔ ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا"۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب منافقین کے لئے استغفار، دعا، نماز جنازہ ممنوع ہے تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ سب باتیں نہ فقط جائز بلکہ مامور و مشروع ہوں ورنہ ان کی تبکیت و تذلیل کیا ہوگی؟

امام رازی تفسیر کبیر جلد۴ص ۷۰۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں: "اعلم انه تعالیٰ امر رسوله بان یسعیٰ فی تخذیلهم و اهانتهم واذلالهم فالذی سبق ذکره فی الآیة الاولی وهو منعهم من الخروج معه الیٰ الغزوات سبب قوی من اسباب اذلالهم واهانتهم وهذاالذی ذکره فی هذه الآیة وهو منع الرسول من ان یصلی علیٰ من مات منهم سبب اخر قوی فی اذلالهم و تخذیلهم"۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ منافقین کے رسوا کرنے، اہانت کرنے، ذلیل کرنے کی کوشش کریں تو آیت گزشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانے کی ممانعت کرنا، ایک قوی سبب ان کے ذلت واہانت کا ہے اور جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی نبی ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے روک دینا، ان کی تذلیل ورسوائی کا دوسرا قوی سبب ہے"۔

(چہارم) مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور اس جگہ ٹھہرنا

قال تعالیٰ: وَ لَا تَقُمْ عَلیٰ قَبْرِهٖ (سورہ براءہ رکوع ۱۱)

تفسیر بیضاوی میں ہے: "ولاتقف عند قبره للدفن اوللزیارة"۔

حاشیہ قنوی علی البیضاوی جلد۴ص ۷۱ میں ہے: "ای النهی عن القیام نهی عن الوقوف مطلقا کنایة اومجاز او کان ﷺ یقوم علیٰ قبورا لمنافقین ویدعولهم ثم نهی عن ذلك حین مات رئیس المنافقین"۔ "قیام سے ممانعت مطلقاً ٹھہرنے سے کنایتاً یا مجازاً ممانعت ہے اور حضور اقدس ﷺ پہلے منافقین کی قبروں پر بھی ٹھہرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرا تو اس سے ممانعت ہوگئی"۔

تفسیر کبیر جلد۴ص ۷۱۰ میں ہے: "ثم قال و لا تقم علیٰ قبره وفیه و جهان۔ الاول قال الزجاج کان رسول اللہ ﷺ اذادفن المیت وقف علیٰ قبره و دعاله فمنع ههنا منه الثانی قال الکلبی لا تقم باصلاح مهمات قبره"۔ "آیت کریمہ ولا تقم علیٰ قبره کی دو تفسیریں ہیں۔ اول زجاج نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی میت کو دفن کرتے، اس کی قبر پر ٹھہرتے اس کے لئے دعا کرتے تو اس سے منع کر دیے گئے کہ مہمات قبر کی اصلاح کے لئے آپ منافقوں کی قبر پر نہ ٹھہریں"۔

تفسیر ابوسعود جلد۴ص ۷۰۲ میں ہے: "ای لا تقف علیه للدفن اوللزیارة اوللدعاء"۔ "منافق کی قبر پر آپ کھڑے نہ ہوں، نہ دفن کے لئے، نہ زیارت کے لئے، نہ دعا کے واسطے"۔

تفسیر روح البیان جلد۲ص ۵۵۹ میں ہے: "ولا تقم علیٰ قبره ای لاتقف عند قبره للدفن اوللزیارة والدعاء و کان النبی ﷺ اذادفن المیت و قف علیٰ قبره و دعاله انهم کفروا باللہ و رسوله تعلیل

للنهی علیٰ ان الاستغفار للمیت والوقوف علیٰ قبره انما یکون لاستصلاحه و ذلك مستحیل فی حقهم لانهم استمرواعلیٰ الکفر بالله و برسوله مدة حیاتهم قال الحافظ۔

بہ آب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد گلیم بخت کسے راکہ بافتند سیاہ

آیت کریمہ ولا تقم علی قبره کے یہ معنی ہیں کہ آپ منافق کی قبر پر نہ ٹھہریں دفن یا زیارت اور دعا کے لئے اور حضور اقدس ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب مردہ دفن کیا جاتا تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انهم کفروا بالله و رسوله اس نہی کی علت ہے۔ اس لئے کہ میت کے لئے استغفار اور اس کی قبر پر ٹھہرنا، اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے اور یہ منافقوں کے حق میں محال ہے، چونکہ وہ مدۃ العمر اللہ و رسول کے ساتھ کفر پر مستمر رہے، جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی فرمایا۔

''جس کے نصیبے کے گلیم کی بنت ہی سیاہ ہو، اسے کوثر و زمزم کا پانی بھی سفید نہیں کر سکتا۔ ۱۲ اساحل''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ان سیہ بختان قسمت کے حق میں ان کے کفر کے سبب غیر مفید ہونے کی وجہ سے جب قبر پر ٹھہرنا منع کر دیا گیا تو مسلمانوں کے لئے وہ حکم بدستور باقی رہا چونکہ ان کے لئے مفید ہے۔

بالجملہ قرآن شریف کی ان آیات کریمہ سے ایصال ثواب کے چار طریقے ثابت ہوئے۔ اول دعائے مغفرت، دوم دعائے رحمت، سوم نماز جنازہ چہارم قبر پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔ ان میں نماز جنازہ کی ترکیب تو مفصل طریقے پر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ رہا دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرنا اور قبر پر ٹھہرنا تو قرآن شریف میں اس کا مفصل بیان مذکور نہیں کہ کس طرح دعا کرنی چاہئے اور اس کے آداب و شرائط کیا ہیں؟ لیکن اہل علم و فہم پر مخفی نہیں کہ جب یہ دعا ہے تو جو آداب و شرائط دعا کے اپنی جگہ مرقوم و مکتوب ہیں، اس دعا کے لئے بھی ان کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ بہت امور ہیں جن کا مفصل بیان اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مستقل تصنیف ''احسن الوعاء لآداب الدعاء'' اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین (۱۳۴۰ھ) سیدی مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی کے حاشیہ مسمی بہ ''ذیل المدعا لاحسن الوعا'' میں مذکور ہے۔ اگر ان سب امور کا لحاظ نہ کر سکیں تو کم از کم دو تین بات کا خیال کرنا ضروری ہے تاکہ جو دعا کریں، امید قبولیت قوی ہو۔

اوّل: کچھ سورتیں یا آیتیں قرآن شریف کی پڑھیں کہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

کنز العمال جلد اص ۱۲۹ ہے: ''عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان لقاری القرآن دعوة مستجابة فان شاء صاحبها عجلها فی الدنیا و ان شاء اخرها الیٰ الآخرة'' (رواہ بن

امردویہ)''قرآن شریف پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے تو اگر چاہے دنیا میں جلد لے لے اور اگر چاہے آخرت کے لئے موخر کرے''۔

اسی میں ہے ص ۱۳۲:''عن ابی امامة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ خیر کم من قرء القران واقراهٗ لحامل القرآن دعوة مستجابة بدعو بها فیستجاب له "(رواه البیهقی فی شعب الایمان)''تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف پڑھے اور قرآن شریف پڑھائے اور حافظ قرآن کی دعا مستجاب ہوتی ہے جو دعا کرتا ہے قبول کی جاتی ہے''۔

اسی میں ہے ص ۱۳۳:''عن عمران ابن حصین قال قال رسول اللهﷺ من قرء القرآن فلیسا ل الله به فانه سیاتی اقوام یقرؤن القرآن ویسألون به الناس "(رواه ابن ابی شیبة والطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی شعب الایمان) "جو شخص قرآن شریف پڑھے، اسے چاہئے کہ خداوند عالم سے اس کے وسیلے سے سوال کرے اس لئے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور لوگوں سے اس کے ذریعے سوال کرے گی''۔

اب رہی یہ بات کہ کون کون سورہ پڑھے۔ کون کون آیتیں پڑھے؟ اس میں اختیار ہے۔ کوئی خاص سورہ ضروری نہیں۔ ہاں! جن جن سورتوں کا ثواب خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے، جیسے سورۂ فاتحہ یا اول وآخر بقرہ، آیۃ الکرسی، سورہ یٰسین، انا اعطینا، قل یاایہا الکفرون، قل ہواللہ، معوذتین وغیرہ ان کا پڑھنا افضل واعلیٰ ہے۔

کنز العمال جلد ا ص ۱۳۹ میں ہے:''عن ابی رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ ما انزل الله فی التوریة والا نجیل مثل ام القران وهی السبع المثانی" (رو داه الترمذی والنسائی)''توریت و انجیل میں کوئی سورہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے مثل نہیں نازل کی اور یہ سبع مثانی ہے''۔

اسی میں ہے ص ۱۳۹:''عن ابی الدرداء قال قال رسول اللهﷺ فاتحة الکتاب تجزی مالا تجزی شیء من القرآن ولوان فاتحة الکتاب جعلت فی کفة المیزان وجعل القرآن فی الکفة الا خری لفضلت فاتحة الکتاب علیٰ القران سبع مرات "(رواه الدیلمی مسند الفردوس)''سورہ فاتحہ اس کام میں کفایت کرتی ہے کہ کوئی چیز قرآن سے کفایت نہیں کرتی اور اگر سورہ فاتحہ ایک پلہ میں رکھی جائے اور بقیہ قرآن دوسرے پلہ میں تو سورۂ فاتحہ اس سے سات گنا زیادہ ہو۔ اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے''۔''وعن انس قال قال رسول اللهﷺ افضل القرآن الحمد الله رب العلمین" (رواه الحاکم والبیهقی فی شعب الایمان) سورۂ فاتحہ قرآن شریف میں سب سے افضل ہے''۔

اسی میں ہے:''عن ابی امامة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ اربع انزلت من کنز

تحت العرش ام الکتاب وایة الکرسی و خواتیم البقرة والکوثر "(رواہ الطبرانی فی الکبیر وابو الشیخ وا الضیاء) "چار سورتیں ہیں جو اس خزانہ سے نازل کی گئیں جو عرش کے نیچے ہے سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی خواتیم سورۂ بقرہ اور سورۂ کوثر"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۰: "عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ علیه وسلم لکل شیء سنام وان سنام القرآن سورة البقرة وفیھا ایة ھی سیدہ ای القرآن آیة الکرسی "(رواہ الترمذی) "ہر چیز کے لئے چوٹی ہے اور قرآن شریف کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے یعنی آیۃ الکرسی"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۱: "عن ابی ھریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ سورة البقرة فیھا ایة سیدہ ای القرآن لا تقرء فی بیت وفیه شیطان الاخرج منه ایة الکرسی "۔ "سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کے تمام آیتوں کی سردار ہے۔ نہیں پڑھی جائے گی یہ آیت کسی ایسے گھر میں جس میں شیطان ہو مگر اس کی برکت سے شیطان دفع ہو جائے گا، وہ آیت الکرسی ہے"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۴: "عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان لکل شیء قلب وقلب القرآن یٰس۔ من قراء یٰس کتب له بقرآء ته قرآءة القران عشر مرات"۔ "ہر چیز کے لئے دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورہ یٰس ہے جو شخص سورہ یٰس پڑھے۔ اس کے لئے اس کے پڑھنے کا اجر و ثواب دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کے برابر لکھا جائے گا"۔

اسی میں ص ۱۴۴ پر ہے: "من قرء یٰس ابتغاء وجه اللہ غفر اللہ له ماتقدم من ذنبه فاقرء وھا عند موتاکم (رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن معقل بن یسار)"۔ "جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کو لئے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ بخش دے گا تو اس سورہ کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو"۔

اسی میں ہے: "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ قل یا ایھا الکفرون تعدل ربع القرآن" (رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم)۔ "قل یایھا الکفرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے"۔

اور قل ھو اللہ احد کا تو کیا کہنا کے اس کے فضائل اظہر من الشمس ہیں۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۴۵ میں ہے: "عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القران۔ (رواہ الامام مالک والامام احمد والبخاری وابو داؤد الترمذی ورواہ مسلم عن ابی الدرداء و رواہ الترمذی وا بن ماجة عن ابی ھریرة و رواہ النسائی

عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجۃ عن ابی مسعود الانصاری و رواہ الطبرانی عن ابن مسعود ورواہ البزار عن جابروابی عبیدۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنھم اجمعین"۔

''ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس کو امام مالک اور امام احمد اور بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ابودرداء سے روایت کیا اور روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور روایت کیا اس کو نسائی نے ابوایوب سے اور روایت کیا اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے ابومسعود انصاری سے اور روایت کیا اس کو طبرانی نے ابن مسعود سے اور روایت کیا اس کو بزار نے جابر اور ابوعبیدہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین''۔

اسی میں ہے:''عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ انزل علی ایات لم یر مثلھن قط قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس (رواہ الامام احمد و الترمذی والنسائی) و فی روایۃ اقرء المعوذتین فانک لن تقرء مثلھا"۔ (رواہ الطبرانی عنہ) و فی روایۃ یا عقبۃ الا علمک خیر سورتین قرء تا قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس یا عقبۃ اقرء بھما کلما نمت و قمت ما سئال سائل ولا استعاذ مستعیذ بمثلھما" (رواہ الامام احمد والنسائی والحاکم عن عقبت بن عامر)۔ ''مجھ پر چند آیتیں نازل ہوئیں کہ ان کے مثل کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔ وہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔ معوذتین پڑھا کرو، اس لئے کہ تم ہرگز ان کے مثل نہ پڑھوگے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں بے مثل ہیں''۔ ایک روایت میں ہے: اے عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین صورتیں نہ بتاؤں قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس۔ اے عقبہ، ان دونوں سورتوں کو پڑھو جب سوؤ اور جب کھڑے ہو۔ نہیں سوال کیا کسی کرنے والے نے اور نہ پناہ پکڑا کسی پناہ پکڑنیوالے نے کسی چیز کے ساتھ جو مثل ان دو سورتوں کے ہو یعنی یہ دونوں ہر چیز سے بہتر ہیں''۔

دوم: اول و آخر درود شریف پڑھیں کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھی جائے۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۲۳ میں ہے: ''عن علی کرم اللہ وجھہ کل دعاء محجوب حتیٰ یصلی علیٰ النبی ﷺ"۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان ورواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ ''بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی۔ ہر دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونے سے رکی ہوئی ہوتی ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے''۔

اسی میں ص ۲۱۳ ہے: ''عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنھما قال ان

الدعاء موقوف بین السماء والارض ولا یصعد منه شیء حتیٰ تصلی علیٰ نبیك صلی الله علیه و سلم۔ رواه الترمذی قال الحافظ العراقی فی شرحه وهوان کان موقوفاعلیه فمثله لایقال من قبل الرائی وانما هوامر توقیفی فحکمه حکم المرفوع کماصرح به جماعة من الائمة اهل الحدیث والاصول“۔ ”حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دعا آسمان وزمین میں رکی ہوئی رہتی ہے، وہ اوپر بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا، حافظ عراقی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر ایسی بات اپنی عقل سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے۔ یہ تو شارع ہی کی طرف سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث و علمائے اصول نے تصریح فرمائی۔

”عن عمر قال ذکرلی ان الدعاء یکون بین السماء والارض لایصعد منه شیء حتی یصلی علیٰ النبی صلی الله علیه وسلم رواه ابن راهویه بسند صحیح“۔ ”محدث ابن راہویہ نے صحیح سند سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان رہتی ہے، بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا جائے“۔

”عن عمر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذادعا الداعی فان الدعاء موقوف بین السماء والارض فاذاصلیٰ علیٰ النبی صلی الله علیه واله وسلم رفع رواه الدیلمی وعبد القادر الرهاوی فی الاربعین وقال وروی عن عمر موقوفا من قوله وهو اصح من المرفوع“۔ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو اس کی دعا آسمان وزمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے۔ جب نبی صلی اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تب وہ بلند ہوتی ہے۔ اس حدیث کو دیلمی اور عبد القادر رہاوی نے اربعین میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حضرت عمر سے موقوفاً بھی مروی ہے اور وہ باعتبار سند، مرفوع سے اصح ہے“۔

اسی میں ص ۲۱۴ پر: ”عن علی رضی الله عنه قال کل دعا محجوب عن السماء حتیٰ یصلی علیٰ محمد و علیٰ ال محمد رواه عبید الله بن ابی حفص العیشی فی حدیثه و عبدالقادر الرهاوی فی الاربعین والطبرانی فی الکبیر و البیهقی فی شعب الایمان“۔ ”کوئی دعا آسمان تک نہیں جاتی، جب تک محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے“۔ ۱۲ ساحل۔

اس حدیث میں علی محمد کے بعد وعلی آل محمد زائد ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ درود شریف کامل پڑھے جس

میں آل واصحاب سب کا ذکر ہو۔

سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل صالح کرے کہ خداوند عالم کی رحمت اسکی طرف متوجہ ہو

خصوصا صدقہ کہ اس باب میں اثر تمام رکھتا ہے:"قال تعالی: یا ایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ (سورہ مجادلہ رکوع ۲)"

"مسلمانو جب تم رسول خدا سے مناجات کرنا چاہو تو قبل مناجات صدقہ دے لو"۔

تفسیر خازن جلد۴ ص ۲۴۱ میں ہے:"یعنی اذا اردتم مناجاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الانسان اذا وجد الشئی بمشقۃ استعظمہ وان وجدہ بسھولۃ استحقرہ ونفع کثیر من الفقراء بتلک الصدقۃ المقدمۃ قبل المناجاۃ ومثلہ فی التفسیر الکبیر جلد ۸ ص ۱۶۶"۔"یعنی اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کا ارادہ کرو تو قبل سرگوشی کرنے کے صدقہ دو اور اس صدقہ دینے کا فائدہ رسول سے مناجات کی تعظیم ہے۔ اس لئے کہ آدمی جب کسی چیز کو مشقت اٹھا کر حاصل کرتا ہے تو اس کی قدر ہوتی ہے اور جو چیز بے دردسر حاصل ہوتی ہے وہ بے قدر ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس صدقہ کا بہتیرے فقرا کو نفع پہنچاتا ہے"۔

مقام غور ہے کہ جب رسول سے مناجات کی یہ قدر ہے تو خدا سے مناجات وعرض حاجات کی اہمیت کا مقتضی اسی سے ظاہر ہے۔ یہ مانا کہ اب یہ حکم ماموروم فروض نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ استحباب ومندوبیت میں کلام نہیں اور فقراء کو اس سے نفع پہونچنا تو ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے: یہی آیت مسلمانوں کے اس دستور اور معمول بہ کی اصل اصیل ہے کہ جب بزرگوں کے مزار پر فاتحہ وزیارت کے لئے جاتے ہیں تو شیرینی وغیرہ کوئی چیز فقراء پر تصدق کرنے کے لئے لے جایا کرتے ہیں۔ اب ان سب آیتوں اور حدیثوں کو عملاً جمع کرنے کے بعد ایصال ثواب کی بہترین صورت یہ ثابت ہوئی کہ جب کسی میت بزرگ یا خرد، استاد یا مشائخ کے لئے ایصال ثواب چاہیں تو قبر پر اس کے جائیں اور شیرینی وغیرہ صدقہ کے لئے لائیں پھر قرآن شریف کی سورتیں یا آیتیں پڑھیں پھر اول آخر درود شریف پڑھ کر اس میت کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کریں کہ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے امید قبولیت کی ہے اور یہی طریقہ ہے جو سلفاً خلفاً مسلمانوں میں ایصال ثواب کا شائع ومروج ہے واللہ تعالیٰ علم۔

(جواب سوال دوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے تھے، جن میں سے غور وتامل کے بعد اس وقت فقیر

کے خیال میں پچیس طریقے احادیث قولی وفعلی واقوال علمائے کرام سے صراحۃً ثابت ہوتے ہیں نیز اس وقت تک علما و مشائخ کے تعامل وتوارث سے ان کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔فاقول وباللہ التوفیق و به الوصول الیٰ ذری التحقیق۔

پہلا طریقہ: سورہ یٰسین شریف پڑھنا ہے جس کا کرنا وقت احتضار ہی سے ثابت ہے

سنن ابی داؤد جلد۲ص ۸۹ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اقرء وایس علیٰ موتا کم'' (ورواه ابن ماجة والنسائی واعله ابن القطان و صححه ابن حبان)''۔''اپنے مردوں پر سورہ یٰس پڑھو''۔

مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ص ۲۸۲ میں ہے:''قال القرطبی حدیث اقرء وا علیٰ موتا کم یٰس هذا یحتمل ان تکون عند قبره کذاذ کره السیوطی فی شرح الصدور''۔''علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اقراء و اعلیٰ موتا کم یس اس حدیث کا دو مطلب ہے۔اول یہ کہ مرنے والے کے پاس اس کی حیات میں پڑھی جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی قبر پڑھی جائے۔اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں ذکر کیا ہے''۔

''وعن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من قرء یٰس ابتغاء وجه اللہ غفر اللہ له ماتقدم من ذنبه فاقرؤ ها عند موتا کم''۔

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کردے تو تم اسے مردوں کے پاس پڑھا کرو''۔(ورواه البیهقی فی شعب الایمان ،کنز العمال جلد اول ص ۱۴۴)

مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ص ۶۰۶ میں تحریر فرماتے ہیں:''(فاقرؤ ها عند موتاکم) ای مشرفی الموت اوعند قبور امواتکم فانهم احوج الیٰ المغفرة''۔''موتی سے مراد وہ ہیں جو قریب مرگ ہیں یا یہ مطلب ہے کہ مردوں کی قبور کے پاس سورہ یٰس پڑھو۔اس لئے کہ وہ لوگ مغفرت کے زیادہ محتاج ہیں۔

دوسرا طریقہ: میت کو چومنا اور بوسہ دینا

''عن ام المومنین الصدیقة رضی اللہ عنها قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قبل عثمان بن مظعون وهو میت وهو یبکی حتی سال دموع النبی صلی اللہ علیه وسلم علیٰ وجه عثمان'' (رواه ابو داؤد الترمذی وابن ماجة ورواه ابوداؤد الطیالسی الیٰ ص ۲۰۱ قوله وهو میت)۔''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ وہ مردہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے، یہاں تک کہ حضور کے آنسو حضرت عثمان کے چہرے پر بہے''۔

''وعنها قالت اقبل ابو بكر رضى الله عنه علىٰ فرسه من مسكنه بالسنح حتى نزل فدخل المسجد فلم يكلم الناس حتى دخل علىٰ عائشه رضى الله عنها فتيمم النبى صلى الله عليه وسلم وهو مسجى ببرد حبرة فكشف عن وجهه ثم اكب عليه فقبله فبكى الحديث'' ۔(رواه البخارى وروى الترمذى وابن ماجة وابو داؤد الطيالسى ص ۲۳۷ و مثله مختصر اولفظ ابى داؤد فقبل جبهته و عنها ان ابابكر قبل بين عينى النبى صلى الله عليه وسلم وهو ميت (رواه النسائى فى باب تقبيل الميت واين يقبل منه)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر اپنے مکان سے جو سخ میں واقع تھا آئے، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے، مسجد میں داخل ہوئے تو کسی سے کلام نہ کیا، یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا اور آپ بردیمانی اوڑھا دیے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی طرف جھکے پس آپ کو بوسہ دیا اور روئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس حال میں کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''فيه جواز تقبيل المیت بفعل ابى بكر رضى الله عنه و كان ابو بكر فى تقبيله النبى ﷺ لم يفعله الا قدوة به عليه الصلوة والسلام لما روى الترمذى مصححا ان رسول الله ﷺ دخل علىٰ عثمان بن مظعون وهو ميت فاكب عليه وقبله ثم بكى حتى رايت الدموع تسيل علىٰ وجنتيه''۔ ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو بوسہ دینا جائز ہے بوجہ فعل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتداء سے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کے پاس ان کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے اور ان پر جھکے اور بوسہ دیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضور کے آنسو دونوں رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے۔ شاید مسلمانوں میں بوسہ قبر کا رواج اسی حدیث کی بنا پر ہوا ہو کہ زائر کی خواہش دلی تو یہ ہوتی ہے کہ صاحب مزار کو بوسہ دے لیکن جب وہ متعذر ہے تو اوپر ہی سے بوسہ دے لینا کافی خیال کرتا ہے اور جس طرح قبر کی مٹی مردے کے دیکھنے اور زائر کا کلام سننے میں حارج نہیں، اسی طرح بوسہ دینے میں بھی مانع نہیں۔ اس لئے کہ قبر کی مٹی ان لوگوں کے لئے بمنزلہ شیشہ کے ہے۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: "قال الحافظ ابن رجب انبانی علی بن عبدالصمد بن احمد البغدادی عن ابیہ قال اخبرنی قسطنطین بن عبداللّٰہ الرومی سمعت اسد بن موسیٰ یقول کان لی صدیق فمات فرائیتہ فی المنام وھو یقول سبحان اللہ جئت الیٰ قبر فلان صدیقك قرأت عندہ و ترحمت علیہ و انا ماجئت الی ولا قربتنی قلت لہ و مایدریك قال لماجئت الیٰ قبر صدیقك فلان رایتك قلت کیف رائیتنی و التراب علیك قال مارایت الماء اذا کان فی الزجاج مایبین قلت بلیٰ قال فکذالك نحن نریٰ من یزورنا"۔ "حافظ ابن رجب اپنی سند کے ساتھ اسد بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کا انتقال ہو گیا۔ اس کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے سبحان اللہ! تم فلاں دوست کی قبر کے پاس اس کی زیارت کو آئے اور قرآن شریف پڑھا اور رحمت کی دعا کی اور نہ میرے پاس آئے اور نہ نزدیک ہوئے؟ میں نے ان سے پوچھا، تمہیں کیا معلوم؟ اس نے کہا کہ جب اپنے فلاں دوست کے پاس آئے تو میں نے تم کو دیکھا۔ میں نے کہا، تم نے مجھ کو کیسے دیکھا تم پر تو مٹی کا انبار تھا؟ کہا کہ تم نے نہیں دیکھا، پانی جب شیشہ میں ہوتا ہے کیا نہیں ظاہر ہوتا؟ میں نے کہا کیوں نہیں کہا کہ اسی طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آئے"۔

اس بوسہ قبر کی مثال ویسی ہی ہے کہ عام طور پر مسلمان قرآن شریف کو غلاف و جزدان کے ساتھ بوسہ دیتے ہیں۔ یہ بوسہ غلاف و جزدان کے کپڑے کو کوئی نہیں سمجھتا بلکہ قرآن شریف کو بوسہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر کے اوپر بوسہ اس بزرگ کو بوسہ دینا خیال کیا جائے ولنعم من قال ؎

اگر بوسہ بر قبر مرداں زنی　　　بمردی کہ پیش آیدت روشنی

علاوہ ازیں افعال صحابہ کرام سے بھی بوسہ قبر کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

ابن عساکر بسند جید ابو درداء رضی اللہ عنہ سے راوی: "لما رحل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من فتح بیت المقدس فصار الی جابیۃ سألہ بلال ان یقرہ بالشام ففعل و ذکر قصۃ نزولہ بدارا قال ثم ان بلالا رائی النبی ﷺ وھو یقول ماھذہ الجفوۃ یابلال! اماآن لك ان تزورنی یا بلال! فانتبہ حزینا و جلا خائفا فرکب راحلتہ و قصد المدینۃ واتیٰ قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ فاقبل الحسن والحسین رضی اللہ عنھما فجعل یضمھما و یقبلھما الخ"۔ "جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس فتح کر کے واپس ہوئے اور جابیہ پہونچے تو حضرت بلال نے کہا کہ ان کو شام میں مقرر کریں۔ امیر المومنین نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد راوی نے ان کے وہاں پہونچنے اور دریا میں اترنے کا واقعہ بیان کیا

اور کہا کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے بلال یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کو آئے؟ اس خواب کو دیکھ کر وہ بہت پریشان، خوفزدہ ہو کر بیدار ہوئے اور راحلہ پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ جب مدینہ پہونچے تو روضۂ مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ قبر شریف کے پاس پہونچ کر رونے اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے۔ اتنے میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے"۔ (وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ جلد۲ ص ۴۰۸)۔

اگر بوسہ قبر مطلقاً ناجائز ہوتا تو حضرت بلال کے بمرغ وجهہ علیہ کے کیا معنی ہوں گے کہ یہ تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اسی میں ہے: "قال العزفی کتاب العلل والسوالات لعبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ روایۃ علی بن الصوف عنہ قال عبداللہ سألت ابی عن الرجل یمس منبر رسول اللہ ﷺ و یتبرک بہ و یقبلہ و یفعل بالقبر مثل ذلک رجاء ثواب اللہ تعالیٰ قال لا باس بہ"۔ "عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کے منبر کو مس کرتا اور اس کو بوسہ دیتا ہے اور قبر مبارک کے ساتھ بھی یہی کرتا یعنی بوسہ دیتا اور مس کرتا اور اسی میں خداوند عالم سے ثواب کی امید رکھتا ہے (اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟)۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔

وفاء الوفا جلد۲ ص ۴۴۳ میں ہے: ابوالحسین یحییٰ بن حسین اخبار مدینہ میں تحریر فرماتے ہیں: "اقبل مروان بن الحکم فاذا رجل ملتزم القبر فاخذ مروان برقبتہ ثم قال ھل تدری ماتصنع؟ فاقبل علیہ فقالہ نعم انی لم آت الحجر ولم آت اللبن انما جئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتبکوا علیٰ الدین اذاولیہ اھلہ ولکن ابکوا علیہ اذاولیہ غیر اھلہ قال الحنطب و ذلک الرجل ابوایوب الانصاری"۔ "مروان بن الحکم روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک کو لپٹا ہوا ہے۔ مروان نے ان کی گردن پکڑی اور پوچھا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں پتھر کے پاس نہیں آیا اور نہ اینٹ کے پاس آیا ہوں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ مت روؤ دین پر جب اہل اس کے والی ہوں، البتہ اس وقت روؤ جب نااہل والی ہوں۔ مطلب بن عبداللہ بن حطب راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جو قبر مبارک کو لپٹے ہوئے تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے"۔

وفاء الوفا جلد۲ ص ۴۴۳ میں ہے: حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی: "لما رمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوقفت علیٰ قبرہ صلی

الله علیه وسلم واخذت قبضة من تراب القبر و وضعت علیٰ عینیها و بکت وانشاء ت تقول" ۔

ماذا علیٰ من شم تربة احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائبُ لو انها صبت علیٰ الایام صرن لیا لیا

"جب حضور اقدس صلی اللہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں۔ قبر مبارک کے پاس کھڑی ہوئیں اور تھوڑی سی خاک پاک قبر مبارک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور رونے لگیں اور یہ دو شعر پڑھے۔ جس شخص نے روضۂ اقدس کی خاک پاک سونگھنے کا شرف حاصل کیا ہو، اگر زمانہ تک کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھ پر ایسی مصیبتیں گزریں کہ اگر دنوں پر وہ مصیبتیں پڑتیں تو مارے غم کے دن رات ہو جاتے"۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۴۴۴ ای میں ہے: "وذکر الخطیب ابن حملة ان ابن عمر رضی الله عنهما کان یضع یده الیمنیٰ علیٰ القبر الشریف وان بلالا رضی الله عنه وضع خدیه علیه ایضا" ۔ "خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنا دایاں ہاتھ قبر شریف پر رکھتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں رخساروں کو بھی قبر مبارک پر رکھا"۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۴۴۴ میں ہے: "قال الحافظ ابن حجرا ستنبط بعضهم من مشر وعیة تقبیل الحجر الاسود جواز تقبیل کل من یستحق التعظیم من آدمی وغیره فاماتقبیل یدآدمی فسبق فی الادب واما غیره فنقل عن احمد انه سئل عن تقبیل منبر النبی صلی الله علیه وسلم و قبره فلم یربه باساً واستبعد بعض اتباعه صحته عنه و نقل عن ابن ابی الصیف الیمانی احد علماء مکة من الشافعیة جواز تقبیل الصحف واجزاء الحدیث و قبورالصالحین وانشد" ۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذاالجدار و ذا الجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیار

و نعم من قال ۔

چوں بگذری اے باد صبا اے مدینہ یاد آر از یں عاشق شیدائے مدینہ

کن عرض سلام بہ نیاز یکہ تو داری برکوچہ و بازار و مکانہائے مدینہ

"حافظ ابن حجر نے تقبیل حجر اسود کے مشروع ہونے سے ہر اس چیز کے بوسہ کا جواز ثابت کیا ہے جو مستحق تعظیم ہے، خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی لیکن آدمی کے ہاتھ کا چومنا ادب میں گذرا۔ لیکن غیر انسان کا بوسہ تو امام احمد سے

منقول ہے کہ ان سے منبر نبوی وقبر مبارک کے بوسہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں مگر بعض اتباع امام احمد نے اس کا انکار کیا۔ ابن ابی الصیف یمانی شافعی عالم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن شریف کا چومنا، اجزاء حدیث کا چومنا اور صالحین کے قبر کا بوسہ جائز رکھا اور طیب ناشری نے محب طبری سے نقل کیا کہ قبر کو بوسہ دینا اور اس کو چھونا جائز ہے اور کہا کہ اسی پر علما صالحین کا عمل ہے اور یہ شعر پڑھا: میں گذرتا ہوں گھروں پر یعنی لیلیٰ کے گھروں پر تو بوسہ دیتا ہوں اس دیوار کو اور اس دیوار کو اور ان گھروں کی محبت میرے دل میں نہیں تھی لیکن اس کی محبت جو ان گھروں میں رہتا ہے"۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۶۰۷ میں فرماتے ہیں: "واما تقبیل الاماکن الشریفۃ علیٰ قصد التبرک و کذلک تقبیل ایدی الصالحین وارجلهم فهو حسن محمود باعتبار القصد والنیۃ وقد سأل ابوهریرۃ رضی الله عنه ان یکشف له المکان الذی قبله رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو سرته فقبله تبرکا باثاره وذریته صلی الله علیه وسلم وقد کان ثابت البنانی لاید ع یدانس رضی الله عنه حتی یقبلها و یقول: ید مست ید رسول الله صلی الله علیه وسلم و قال ایضاو اخبرنی الحافظ ابو سعید بن العلائی قال رایت فی کلام احمد بن حنبل فی جزء قدیم علیه خط بن ناصر و غیره من الحفاظ ان الامام احمد سئل عن تقبیل قبر النبی صلی الله علیه وسلم و تقبیل منبره قال لا باس به قال فاریناه للشیخ تقی الدین ابن تیمیه فصار یتعجب من ذلک و یقول عجبت احمد عندی جلیل یقوله هذ کلامه اومعنی کلامه وقال وای عجب فی ذلک وقد روینا عن الامام احمد انه غسل قمیصا للشافعی و شرب الماء الذی غسله به واذا کان هذا تعظیمه لا هل العلم فکیف بمقادیر الصحابۃ و کیف بآثار الانبیاء علیهم الصلوۃ والسلام"۔

"ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا کہ متبرک مقامات کا بقصد تبرک بوسہ دینا اور اسی طرح بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کو چومنا بہتر اور پسندیدہ ہے باعتبار قصد اور نیت کے اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس جگہ کو کھولئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا تھا اور وہ جگہ ناف ہے۔ پس حضرت ابوہریرہ نے اس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور ذریت کے ساتھ برکت لینے کے لئے بوسہ دیا اور ثابت بنانی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اس پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مس کیا ہے اور فرمایا کہ مجھے حافظ ابوسعید ابن علائی نے خبر دی کہ میں امام احمد ابن حنبل کا کلام ایک پرانے جزء میں دیکھا، جس پر علامہ ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی تحریر ہے کہ امام احمد ابن حنبل سے کسی

نے حضور اقدس صلی اللہ علہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر شریف کو بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھایا، وہ تعجب کرنے لگے اور کہتے کہ تعجب ہے امام احمد بن حنبل میرے نزدیک بزرگ ہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں۔ یہ کہا یا اس کے مثل کہا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہمیں امام احمد بن حنبل سے روایت پہونچی ہے کہ انہوں نے امام شافعی کا کرتا دھویا اور اس کا سالہ پیا تو جب وہ اہل علم کی اس قدر عزت و تعظیم کرتے ہیں تو صحابہ کی تعظیم کی قدر کو کون بتا سکتا ہے پھر آثار انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم کا کیا کہنا''۔

تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا

"عن ام عطیة الانصاریة رضی الله عنها قالت دخل علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم حین توفیت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اکثر من ذلک ان رأیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الآخرة کافورا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فاذ ننی فلما فرغنا اذناه فاعطانا حقوه فقال اشعرنها ایاه تعنی ازاره"۔

''حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ خالص پانی یا بیر کے پتے جوش دیے ہوئے پانی سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اور اگر ضرورت دیکھو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل دینے سے فارغ ہو تو مجھ کو خبر دو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے تو حضور کو خبر دی۔ حضور نے اپنا تہبند مبارک عنایت فرمایا کہ اسے متصل رکھو۔

(رواہ البخاری ج ۱ص ۱۳۹ و مسلم و ابوداؤد والترمذی والنسائی)

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۴۶ میں فرماتے ہیں: "والحکمة فیه التبرک بآثاره الشریفة وانما اخره الیٰ فراغهن من الغسل ولم یناولهن ایاه اولا لیکون قریب العهد من جسده الشریف حتی لا یکون بین انتقاله من جسده الیٰ جسدها فاصل وهو اصل فی التبرک بآثار الصالحین"۔ ''اس میں مصلحت برکت حاصل کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کے ساتھ ہے اور حضور نے ان عورتوں کے غسل سے فارغ ہونے تک اس کو موخر کیا اور پہلے ہی سے عطا نہ فرمادیا تا کہ قریب العہد آپ کے جسد مبارک سے ہو یہاں تک کہ حضور کے جسد مبارک سے اترنے اور حضرت کی صاحبزادی کی پہنے میں کوئی فاصل نہ رہے اور یہ حدیث آثار صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل اور دلیل ہے''۔

علامہ قسطلانی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵ میں فرماتے ہیں: ''انما فعل ذلک لینالها برکة ثوبه''۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا تا کہ آپ کے لباس مبارک کی برکتیں انہیں پہونچے''۔

امام نووی شرح مسلم ج ا ص ۲۰۵ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''والحکمة فی اشعار ھابه تبریکھا به ففیه التبرك بآثار الصالحین ولباسھم''۔ ''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تہبند مبارک پہنانے میں حکمت اس لباس کی سبب برکت دینا ہے''۔ تو اس حدیث میں آثار صالحین اور ان کے لباس سے برکت لینے کی دلیل ہے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۴۱ میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں ایک عورت کے چادر نذر دینے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن فرمانے پھر ایک صحابی کے مانگنے پر قوم کے اعتراض کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان صحابی رضی اللہ عنہم کا جواب مذکور ہے: ''قال انی واللہ ماسئالته لالبسه انما سئالته لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنه''۔ ''سائل نے کہا کہ بخدا میں نے زندگی میں پہننے کے لئے اسے نہیں مانگا بلکہ اس لئے کہ یہ متبرک کپڑا حضور کا پہنا ہوا کپڑا میرا کفن ہو''۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ واقعی وہ چادر ان کے کفن میں دی گئی۔

علامہ عینی جلد ۴ ص ۱۷۰ میں اس کی شرح میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''وفیه التبرك باثار الصالحین وفیه برکة مالبسه مما یلی جسدہ''۔ ''اس حدیث میں برکت لینا ہے آثار صالحین کے ساتھ اور نیز اس حدیث میں اس کپڑے کا متبرک ہونا ہے جو حضور کے جسد مبارک سے نزدیک ہوا ہے''۔

''وروی ابن عبدالبر عن ابن عباس قال لماماتت فاطمة ام علی بن ابی طالب البسھا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قمیصه واضطجع معھافی قبرھا فقالو امارائناك صنعت ما صنعت بھذہ فقال انه لم یکن احد بعد ابی طالب ابرلی منھا انما البستھا قمیصی لتکسی من حلل الجنة واضطجعت معھالیھون علیھا'' وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۸۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک ان کو پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیٹے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضور نے آج وہ بات کی جو کبھی نہیں کی تھی۔ ارشاد ہوا کہ ابو طالب کے بعد میرے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ میں نے ان کو اپنا کرتہ اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کا لباس پہنیں اور میں ان کے ساتھ اس لئے لیٹا کہ ضغطۂ قبر آسان ہو''۔

دوسری روایت میں ہے: ''ثم نزع قمیصه فامران تکفن فیه ثم صلی علیھا عند قبرھا فکبر تسعا وقال ماعفی احد من ضغطة القبرالافاطمة بنت اسد قیل یا رسول اللہ ولا القاسمه قال ولا ابراھیم وکان ابراھیم اصغر ھما''۔ ''حضور نے اپنی قمیص مبارک اوتار کر حکم دیا کہ اس میں انہیں کفناؤ پھر ان کی قبر کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس میں نو تکبیر فرمائی اور ارشاد ہوا کہ ضغطۂ قبر سے کوئی نہیں بچا سوائے فاطمہ بنت

اسد کے۔صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضور کے صاحبزادے حضرت قاسم؟ ارشاد ہوا ابراہیم بھی نہیں اور یہ حضرت قاسم سے چھوٹے تھے''۔وفاء الوفاج۲ص۸۸۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب جلد اول ص۲۶۲ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت علامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''فافاق معاوية قال يا بنى انى صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج لحاجته فاتبعته باداوة فكسانى احدثوبيه الذى كان على جسده فخبأته لهذاالیوم واخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم من اظفاره و شعره ذات يوم ماخذ ته و خباته لهذاليوم فاذاانا مت فاجعل ذلك القميص دون كفنى مما يلى جلدى و خذ ذلك الشعروالاظفار فا جعله فى فمى وعلىٰ عينى و مواضع السجود منى فان نفع شئ فذاك والّا فان الله غفور رحيم''۔

''پس افاقہ پایا حضرت امیر معاویہ نے تو کہا اے میرے بیٹے! میں رسول اللہ کی خدمت میں رہا پس حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو مجھ کو اپنے دو کپڑوں میں سے جو بدن مبارک پر تھا،ایک عطا فرمایا تو اس کو میں نے آج کے دن لئے چھپ رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک اور موئے مبارک ترشوایا تو اس کو بھی میں نے لیا اور آج کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے تو میں جب مرجاؤں تو اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے بدن سے متصل رکھنا اور ناخن اور موئے مبارک کو میرے منھ اور میری آنکھوں اور سجدہ کی جگہوں پر رکھنا تو اگر کوئی چیز نفع بخش ہوگی تو یہ ہوگی نہیں تو خدا وند غفور رحیم ہے''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر جلد۴ص۷۰۹ میں آیہ کریمہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ الا یۃ کی شان نزول میں تحریر فرماتے ہیں:''عن ابن عباس رضى الله عنهما انه لما اشتكى عبدالله ابن ابى ابن سلول عاده رسول الله صلى الله عليه وسلم فطلب منه ان يصلى عليه اذامات ويقوم علىٰ قبره ثم انه ارسل الىٰ الرسول عليه السلام يطلب منه قميصه ليكفن فيه فارسل اليه القميص الفوقانى فرده و طلب الذى يلى جلده ليكفن فيه''۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن ابن سلول بیمار پڑا،ا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عیادت کو تشریف لے گئے،اس نے حضور سے خواہش ظاہر کی کہ جب وہ مرجائے تو حضور اس کی جنازہ کی نماز پڑھیں اور اس کی قبر پر ٹھہریں پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قمیص کے لئے آدمی بھیجا تا کہ اسی قمیص میں کفنایا جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی قمیص بھیج دی اس نے واپس کر دی اور جو

قمیص مبارک جسد اقدس سے متصل ہے، کفن کے لئے اسے طلب کیا''۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰ لمانوفی کے تحت میں عبداللہ بن ابی کے شوال میں بیمار ہونے، بیس دن بیمار رہنے، ذیقعدہ ۹ھ میں اس کے مرنے کے ضمن میں حضور کا عیادت کے لئے تشریف لے جانا اور اس کو نصیحت کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں: "ثم قال یا رسول اللہ الیس ھذا بحین عتاب ھو الموت فان مت فاحضر غسلی واعطنی قمیصک الذی یلی جسدک فکفنی فیہ وصل علیٰ واستغفر لی ففعل ذلک بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال الحاکم کان علیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قمیصان فقال عبداللہ واعطنی قمیصک الذی یلی جسدک فاعطاہ اباہ"۔

''عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ وقت مرنے کا ہے، عتاب کا وقت نہیں۔ جب میں مر جاؤں تو حضور میرے غسل کے وقت تشریف لائیں اور مجھ کو اپنی قمیص مبارک جو جسد اطہر سے متصل ہے، عنایت فرمائیں اور اسی میں مجھے کفنائیں اور میری جنازہ کی نماز پڑھیں اور میری مغفرت کی دعا کریں تو حضور نے ایسا کیا۔ حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دو قمیص پہنے ہوئے تھے تو عبداللہ نے کہا کہ مجھے وہ قمیص مبارک عطا فرمائیں جو جسم شریف سے متصل ہے''۔

مقام غور ہے کہ عبداللہ بن ابی جیسا منافق اور نہ صرف منافق بلکہ رئیس المنافقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک سے برکت چاہتا ہے اور اس میں کفنائے جانے کی آرزو کرتا، اس کو بعد موت وسیلہ اجر و مغفرت بناتا ہے۔ حسرت وافسوس اس نام نہاد مسلمان پر ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت وعظمت اور ان کے لباس مبارک وآثار شریفہ کی اہمیت وعزت اس منافق کے دل کے اتنی بھی نہ ہو ع

شرم دارو کفر از اسلام او

یہ مانا اس کا قمیص مبارک کفن کے لئے طلب کرنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا، اس میں کفنایا جانا اس کی نجات کا باعث نہ ہوا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئا مگر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ اور قمیص مبارک طلب کرنا، حضور کا قمیص مبارک پہنانا بالکل بے اثر رہا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اس کی برکت سے اس کی قوم سے ہزار آدمی کامل الایمان ہو گئے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں ہے: ''وکان المنافقون لا یفارقون عبداللہ بن ابی فلما راوہ یطلب ھذا القمیص ویرجوان ینفعھا اسلم منھم یومئذ الف'' ۔ ''منافقین کبھی عبداللہ بن ابی کو نہیں چھوڑتے تھے جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ قمیص مبارک طلب کرتا ہے، اس کے نفع کا امیدوار ہے تو ان لوگوں سے ہزار آدمی اسی

دن مسلمان ہو گئے"۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ فارسی جلد اص ۶۷۱ میں تحت حدیث ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: "در ینجا استحباب تبرک ست بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانکہ قبل موت نیز ہم چنیں بودہ"۔

لمعات میں فرماتے ہیں: "هذا الحديث اصل في التبرك بآثار الصالحين ولباسهم كما يفعل بعض مريدي المشائخ من لبس اقمصتهم في القبر"۔ "یہ حدیث آثار صالحین اور ان کی لباس سے برکت حاصل کرنے کی اصل ہے۔ جس طرح بعض مریدین مشائخ کی قمیصوں کو پہنا کر دفن کیے جاتے ہیں"۔

شیخ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں: "قال في الاسرار المحمدية لو وضع شعر رسول الله صل الله عليه وسلم او عصاه او سوطه علىٰ قبر عاص لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيره من العذاب وان كان في دار انسان او بلدة لايصيب سكانها بلاء ببركته وان لم يشعروا به ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به و بطبانة استار الكعبة والتكفن بها و كتابة القرآن علىٰ القراطيس والوضع في ايدي الموتىٰ"۔

"اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا عصا شریف یا حضور کا کوڑا کسی گنہگار کی قبر پر رکھا جائے تو ان تبرکات کی برکت سے وہ عاصی عذاب سے نجات پائے اور اگر کسی آدمی کے گھر یا کسی شہر میں ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو اس کی برکت سے کوئی مصیبت نہ پہونچے گی اگر چہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور اسی قسم سے آب زمزم اور اس میں تر کیا ہوا کفن ہے اور خانہ کعبہ کا غلاف شریف اور اس میں کفن دینا ہے اور قرآن شریف کو کاغذ پر لکھنا اور اس کو مردہ کے ہاتھوں پر دینا ہے"۔

چوتھا طریقہ: میت کے کفن پر کوئی آیت کلمہ طیبہ یا عہد نامہ یا کوئی دعا لکھنا

مصنف عبدالرزاق اور ان کے طریق سے معجم طبرانی پھر حلیہ ابونعیم میں ہے: "اخبرنا معمر عن عبد الله بن محمد بن عقيل ان فاطمة رضي الله عنها لما حضرتها الوفاة امرت عليا فوضع لها غسلا فاغتسلت و تطهرت ودعت بثياب اكفانها فلبستها ومست من الحنوط ثم امرت عليا ان لاتكشف اذا هي قبضت وان تدرج كماهي في اكفانها فقلت له هل علمت احداء فعل نحو ذلك قال نعم كثير بن عباس و كتب في اطراف اكفانه يشهد كثير بن عباس ان لا اله الا الله"۔

"حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کے نہانے کے

لئے پانی رکھیں پس نہائیں اور کفن منگوا کر پہنا اور حنوط لگایا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن کردی جائیں۔ میں نے پوچھا کہ کسی نے بھی ایسا کیا؟ کہا ہاں! کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے لا الہ الا اللہ"۔

امام ترمذی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" من كتب هذا الدعاء وجعله بين صدر الميت و كفنه فى رقعة لم ينله عذاب القبر و لايرى منكر او نكير او هو هذا"۔ جو شخص یہ دعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہو اور نہ منکر نکیر نظر آئیں اور وہ دعا یہ ہے: لااله الا الله والله اكبر لااله الا الله وحده لاشريك له لااله الا الله له الملك وله الحمد لااله الا الله ولاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم"۔

یہی حکیم ترمذی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے:" اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب و الشهادة الرحمن الرحيم انى اعهد اليك فى هذه الحياة الدنيا بانك انت الله لااله الا انت وحدك لاشريك لك وان محمد اعبدك ورسولك فلا تكلنى الىٰ نفسى فانك ان تكلنى الىٰ نفسى تقربنى من السوء تباعدنى من الخير وانى لااثق الابرحمتك فاجعل رحمتك لى عهدا عندك تؤديه الىٰ يوم القيمة انك لاتخلف الميعاد"۔"فرشتہ اسے لکھ کر مہر لگا کر قیامت کے لئے اوٹھا رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ اس بندہ کو قبر سے اٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں؟ انہیں وہ عہد نامہ دیدیا جائے۔

امام نے اسے روایت کر کے فرمایا:" وعن طاؤس انه امر بهذه الكلمات فكتبت فى كفنه"۔" امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ ان کے کفن میں لکھا گیا"۔ امام فقیہ بن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:" اذا كتب هذا الدعاء وجعل مع الميت فى قبره وقاه الله فتنة القبر و عذابه"۔" جب یہ دعا لکھ کر میت کی قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سوال نکیرین وعذاب قبر سے امان دیدے گا"۔

درمختار ص ۱۲۶ میں ہے:" كتب علىٰ جبهة الميت او عمامته او كفنه عهد نامه يرجى ان يغفر الله للميت اوصى بعضهم ان يكتب فى جبهته وصدره بسم الله الرحمن الرحيم ففعل ثم رئى فى المنام فسئل فقال لما وضعت فى القبر جاء تنى ملئكة العذاب فلما راؤا مكتوبا علىٰ جبهتى بسم الله الرحمن الرحيم قالوا امنت من عذاب الله"۔

" مردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے

وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے۔ حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا، عذاب کے فرشتے آئے۔ جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا دیکھا ،کہا تجھے عذاب الٰہی سے امان ہے''۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:''قوله كتب على جبهة الميت اخذ من ذلك جواز الكتابة ولو بالقران ولم يعتبروا كون ماله الى التنجيس بما يسيل من الميت''۔''مصنف کے اس قول کتب سے لکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگر چہ قرآن شریف کی آیت ہی ہو اور اس کے مال کا کوئی اعتبار نہ کیا گیا کہ اس لکھے ہوئے مردہ کے بدن سے ریم یا خون بہہ کر نجس کر دے گا''۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ بنام تاریخی ''الحرف الحسن فی الكتابة على الكفن'' تحریر فرمایا۔ یہ روایتیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیثیں اور نصوص علمائے کرام اس معمول بہ کی اصل ہیں کہ مریدوں کے قبر میں مشائخ کرام کا شجرہ رکھتے ہیں کہ الاسم عين المسمى كما صرح به فى كتب العقائد۔ اور ظاہر ہے کہ نام کی مسمیٰ پر دلالت تراشا ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسلامی سلاسل علیہ عالیہ کہ اسناد اتصال بہ محبوب ذی الجلال وبہ حضرت عزت وجلال ہیں اور اللہ اور محبوب واولیاء کے سلسلہ کرم کرامت میں منسلک ہونے کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے۔

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ اس میں بزرگان دین کے ناموں کی اہانت ہے، اس لئے کہ مردے کے بدن سے خون پیپ وغیرہ سے تلوث کا اندیشہ ہے۔ مگر اندیشہ ووہم موجب ممانعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے چوپایوں پر باوجود احتمال تلوث جیس فی سبیل اللہ لکھوایا تھا۔ علاوہ بریں تلوث بہ نجاست کا احتمال بھی مطرد نہیں، اس لئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دس شخصوں کے بدن قبر میں سلامت رہتے ہیں: انبیا، اولیا، علمائے دین، شہدا، حفاظ، موذن کہ للہ اذان کہا کرتا ہو، سرحد اسلام پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا، جو طاعون سے صابر ومحتسب مرے، ذکر الٰہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ تو اگر وہ شخص جس کی قبر میں شجرہ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک ہے جب تو عدم تلوث ظاہر ورنہ ممکن کہ شجرہ شریفہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ عزت اسے عنایت فرمائے پھر بھی شجرہ کے لئے کچھ ضرور نہیں کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں قبلہ کی طرف خواہ سرہانے طاق بنا کر رکھیں۔

جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگاں ست لیکن ایں رادو طریق ست۔ اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند وایں طریق را فقہا منع می کنند وی گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلان می کند و موجب سوئے ادب باسمائے بزرگاں می شود۔ طریق دوم این ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بگزارند و دراں کاغذ شجرہ را نہند۔“

پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا

”عن انس قال مروا بجنازة فاثنوا عليها خيرا فقال النبي صلى الله عليه وسلم وجبت ثم مروا باخرى فاثنوا عليها شرا فقال وجبت فقال عمر ما وجبت فقال هذا اثنيتم عليه خيرا فوجبت له الجنة وهذا اثنيتم عليه شرا فوجبت له النار انتم شهداء الله في الارض“ (رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة وابو داؤد الطيالسی ص ۲۷۵)۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی: ایک جنازہ لے کر لوگ گزرے۔ صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے۔ لوگوں نے برائی بیان کی حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! کیا واجب ہوگئی؟ ارشاد ہوا پہلے جنازہ والے کی تم لوگوں نے تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے کی تم لوگوں نے برائی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ واجب ہوئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ ونعم من قال۔

بھلا کہے جسے خلقت اسے بھلا سمجھو
زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

”وعن ابی الاسود قال قدمت المدينة فجلست الى عمر بن الخطاب رضی الله عنه فمرت بهم جنازة فاثنوا على صاحبها خيرا فقال عمر رضی الله عنه وجبت ثم مروا باخرى فاثنوا على صاحبها خيرا فقال عمر وجبت ثم بالثالثة فاثنى على صاحبها شرا فقال عمر وجبت فقال ابو الاسود فقلت وما وجبت يا امير المومنين! قال قلت كما قال النبی صلی الله عليه وسلم ايما مسلم شهد له اربعة بخير ادخله الله الجنة قلنا وثلثة قال وثلثة قلنا واثنان قال واثنان ثم لم نسئله عن واحد“۔ (رواه البخاری والنسائی)

”ابو الاسود کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں پہنچا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ گذرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ گذرا لوگوں

نے اس کی بھی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی پھر تیسرا جنازہ گذرا لوگوں نے برائی کی، حضرت عمر نے کہا واجب ہوگئی۔ ابوالاسود کہتے ہیں، میں نے کہا: کیا واجب ہوگئی یا امیرالمومنین! فرمایا میں وہ بات کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے لئے چار مسلمان اچھے ہونے کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ہم نے کہا اور تین شخص؟ ارشاد ہوا تین آدمی؟ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ اور دو آدمی ارشاد ہوا کہ اور دو آدمی پھر ہم نے ایک آدمی کے بارے میں نہیں پوچھا''۔

''وعن ابی هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم يرويه عن ربه عز وجل مامن عبد مسلم يموت فيشهد له ثلاثة ابيات من جيرانه الا دنين بخير الاقال الله عزو جل قد قبلت شهادة عبادى علىٰ ماعلموا و غفرت لهم مااعلم" ۔(رواه الامام احمد وروى ابويعلى وابن حبان فى صحيحه۔ ولفظهما اربعة اهل ابيات من جيرانه)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ سے کہ جب کوئی مسلمان بندہ مرے اور اس کے لئے تین قریب گھر والے پڑوسی بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ عز وجل فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندوں کی گواہی اس بارے میں جو ان کے علم میں ہے، قبول کی اور جو خطا قصور اس کا میں جانتا ہوں، اس کو بخش دیا۔ ابویعلی اور ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں تین گھر کی جگہ چار گھر کا لفظ ہے''۔

چھٹا طریقہ: نماز جنازہ اور کثرت مصلیان کا فائدہ

نماز جنازہ پڑھنا ہے اور تکثیر مصلیان مرغوب ومطلوب ہے۔ اس لئے کہ ہر نمازی اس میت کا سفارشی ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے۔

"عن كريب عن ابن عباس من انه مات له ابن بقديد او بعسفان فقال يا كريب انظر ما احتمع له من الناس قال فخرجت فاذ اناس قداجتمعو اله فاخبرته فقال تقول هم اربعون قال نعم قال اخرجوه فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مامن رجل مسلم يموت فيقوم علىٰ جنازه اربعون رجلالايشركون بالله شيئا الا شفعهم الله فيه" (رواه الامام احمد مسلم وابو داؤد ابن ماجة)

''حضرت کریب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کا انتقال مقام قدید یا عسفان میں ہوا تو آپ نے فرمایا دیکھو کتنے آدمی جمع ہوئے ہیں؟ کریب کہتے ہیں کہ میں نکلا، دیکھا کہ لوگ جمع

ہیں۔ میں نے ان کو خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہ چالیس آدمی ہوں گے؟ کریب نے کہا ہاں! ابن عباس نے کہا کہ اب میت کو باہر لاؤ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جو مرد مسلمان انتقال کرے اور اس کی جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا''۔

''و عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم مامن میت یصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون الا شفعو افیه'' (رواه مسلم ص ۳۰۸ والترمذی) و قال حدیث حسن صحیح ورواه النسائی ولفظه مائة فما فوقها) ''جس مسلمان میت کی نماز جنازہ میں ایک جماعت مسلمانوں کی پڑھے جس کی تعداد ۱۰۰ تک پہونچی ہو اور وہ سب اس کی شفاعت کریں تو ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول ہوگی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ سو یا زیادہ آدمی اس کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا''۔

''و عن مالك بن هبیرة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم ما من میت یموت یصلی علیه ثلاثه صفوف من المسلمین الا او جب قال فکان مالك اذا استقل اهل الجنازة جزاهم ثلثة صفوف للحدیث (رواه ابو داؤد جلد ۲ ص ۹۵ ورواه الترمذی وحسنه وصححه الحاکم و فی روایة له الا غفرله)''۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مردہ کی نماز جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھیں، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ جب جنازہ میں شریک ہونے والے افراد جمع ہو جاتے تو مالک ابن ہبیرہ اس حدیث کی وجہ سے انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے''۔

ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کی پڑوس میں دفن کرنا

''عن ابی هریرة قال ارسل ملك الموت الیٰ موسیٰ علیه الصلاة والسلام فلما جاء ه صکه فرجع الیٰ ربه، فقال ارسلتنی الیٰ عبد لا یرید الموت فرد الله عینه فقال ارجع فقل له یضع یده علیٰ متن ثور فله بکل ما غطت یده بکل شعرة سنة قال ای رب ثم ماذا؟ قال ثم الموت قال فالان فسال الله تعالی ان یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فلو کنت ثم لا ریتکم قبره الیٰ جانب الطور عند الکثیب الاحمر'' (رواه البخاری و مسلم والنسائی)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجے گئے تو جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ پس خدا

وند عالم کے پاس واپس گئے اور کہا کہ خداوندا تو نے مجھ کو ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ان کو واپس دی اور فرمایا کہ جاؤ اور موسیٰ سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کے پیٹھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمران کو اور دی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر ابھی! پھر اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھ کو بیت المقدس کے قریب کردے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں ان کی قبر دکھا دیتا طور کے پاس سرخ ٹیلہ کے نزدیک"۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶۵ میں فرماتے ہیں: "اذسأل الله تعالى الد نومن بيت المقدس ليدفن فيه دنواً لورمىٰ رامى الحجر من ذلك الموضع الذى هوالآن موضع قبره لو صل الىٰ بيت المقدس واتماسئال ذلك لفضل من دفن في الارض المقدسة من الانبياء والصالحين فاستجب مجاورتهم فى الممات كما فى الحيٰوة ولان الناس يقصدون المواضع الفاضلة ويزورون قبور هاو يدعون لاهلها"۔

"خداوند عالم سے سوال کیا بیت المقدس کی نزدیکی کا تاکہ وہاں دفن ہوں اس قدر نزدیک کہ اگر کوئی پتھر پھینکنے والا اس جگہ سے، جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر کی جگہ ہے، پتھر پھینکے تو ضرور وہ پتھر بیت المقدس تک پہونچے اور یہ سوال اسی لئے کیا کہ جو لوگ انبیا و صالحین سے بیت المقدس میں دفن ہیں، ان کی بزرگی کے سبب ان کی مجاورت کو بعد موت پسند کیا، جس طرح اچھے لوگوں کی مجاورت زندگی میں پسند کرتے ہیں اور اس لئے کہ لوگ متبرک مقامات کا قصد کرتے ہیں اور وہاں کی قبور کی زیارت کرتے ہیں اور قبر والوں کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں"۔

اسی میں ہے: "وفيه استحباب الدفن فى المواضع الفاضلة والقرب من مدافن الصالحين"۔ "اس حدیث سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ متبرک مواضع میں دفن کرنا مستحب ہے اور مدفن صالحین کی نزدیکی بہتر ہے"۔

"عن عمر بن ميمون الازدى قال رايت عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال يا عبدالله! اذهب الىٰ ام المومنين عائشة رضى الله عنها فقل يقرء عمر بن الخطاب عليك السلام، سلها ان ادفن مع صاحبى قالت كنت اريده نفسى فلا وثرنه اليوم علىٰ نفسى فلما اقبل قال له مالديك؟ قال اذنت لك ياامير المومنين! قال ما كان شئى اهم الى من ذلك المضجع"۔

"عمر بن میمون ازدی سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو، انہوں نے اپنے

صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر کو فرمایا کہ تم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جاؤ اور سوال کرو کہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لئے رکھا تھا لیکن اب میں ترجیح دیتی ہوں حضرت عمر کو اپنے نفس پر۔ پس جب حضرت عبداللہ ابن عمر واپس آئے، امیر المومنین نے پوچھا کیا خبر ہے؟ عرض کی حضرت عائشہ نے اجازت دیدی۔ فرمایا کوئی چیز مجھے اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم نہ تھی''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۸ ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں: ''فیہ الحرص علی مجاورۃ الصالحین فی القبور طمعا فی اصابۃ الرحمۃ اذا نزلت علیھم و فی دعاء من یزور ھم من اھل الخیر''۔ ''اس حدیث میں اچھے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے پر حرص ہے کہ جب ان پر رحمت نازل ہو تو صاحب قبر کو بھی پہونچے اور جو اہل خیر ان لوگوں کی قبر کی زیارت کریں وہ اس صاحب قبر کے لئے بھی دعا کریں''۔

ملا علیٰ قاری رحمۃ اللہ مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۷۵ حدیث ردو القتلیٰ الیٰ مضا جعھم کے تحت اس بحث میں کہ مردہ کو ایک شہر سے منتقل کر کے دوسرے شہر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، لکھتے ہیں: ''قال صاحب الھدایۃ و ذکران من مات فی بلدۃ یکرہ نقلہ الیٰ اخریٰ لانہ اشتغال بما لایفید بما فیہ تاخیر دفنہ و کفیٰ بذلک کراھۃ قلت فاذاکان یترتب علیہ فائدۃ من نقلہ الیٰ احد الحرمین اوالی قریب احد من الانبیاء والاولیاء اولیزورہ اقاربہ من ذلک البلد وغیرہ ذلک فلا کراھۃ الامانص علیہ من شھداء احد اومن فی معناھم من مطلق الشھداء''۔

''صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہر میں انتقال کرے، اس کو دوسرے شہر میں دفن کے لئے لے جانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر مفید کام میں مشغول ہونا اور اس میں تاخیر دفن بھی ہے جو کراہت کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں تو جب اس پر کوئی فائدہ مرتب ہو جیسے احد الحرمین لے جانا یا کسی نبی یا ولی کے مزار کے پاس دفن کرنا یا تا کہ اس شہر کے اس کے عزیز و قریب اس کی زیارت کیا کریں وغیرہ ذلک تو نقل میں کراہت نہیں۔ ہاں! جہاں ممانعت منصوص ہو جیسے شہدائے احد یا دیگر شہدائے کرام تو ان کو نقل کرنا البتہ مکروہ ہوگا''۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں تحریر فرماتے ہیں: ''واخرج ابو نعیم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادفنوا موتکم و سط قوم صالحین فان المیت یتا ذی بجار السوء''۔ ''راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لئے کہ مردے برے پڑوسی سے اذیت پاتے ہیں''۔

اسی میں ہے: ''واخرج ابن عساکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذامات احد کم المیت فاحسنوا کفنہ وعجلو انجاز وصیتہ واعمقواله من قبرو جنبوہ جار السوء قیل یا رسول اللہ وھل ینفع الجار الصالح فی الآخرۃ قال ھل تفع فی الدنیا قال نعم قال کذلک تفع فی الآخرۃ''۔

''ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی انتقال کرے تو اس کا کفن اچھا دو اور اس کی وصیت کو جاری کرنے میں جلدی کرو اور اس کی قبر گہری کھودو اور اسے برے پڑوسی سے بچاؤ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اچھا پڑوسی آخرت میں کچھ نفع پہونچاتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دنیا میں نفع پہونچاتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا اسی طرح آخرت میں بھی فائدہ پہونچاتا ہے۔''

''واخرج ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن نافع المزنی قال مات رجل بالمدینۃ فدفن بھا فراہ رجل کانہ من اھل النار فاغتم لذلک ثم اریہ بعد سابعۃ وثامنۃ کانہ من اھل الجنۃ فسالہ قال دفن معنا رجل من الصالحین فشفع فی اربعین من جیرانہ فکنت فیھم''۔

''ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن نافع مزنی سے روایت کیا کہ ایک آدمی مدینہ طیبہ میں مرا پس وہیں دفن کیا گیا۔ کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ دوزخی ہے پھر سات آٹھ رات کے بعد دکھایا گیا کہ وہ اہل جنت ہے۔ پس اس شخص نے پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص صالحین سے ہمارے ساتھ دفن کیا گیا، اپنے پڑوسیوں سے چالیس آدمیوں کی شفاعت کی تو میں بھی انہیں چالیس سے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میت صالح کے جوار کی برکت سے مجھے جنتی بنایا''۔

آٹھواں طریقہ: جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں

جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا اور قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں اس کے بعد مردہ کو دفن کریں۔

طبرانی معجم کبیر واوسط میں اور ابن حبان وحاکم بافادہ تصحیح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی: ''قال لماماتت فاطمۃ بنت اسد دخل علیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجلس عند راسھا فقال رحمک اللہ یا امی بعد امی وذکر ثناء علیھا و تکفینھا ببردہ ثم قال دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید وابا ایوب الانصاری و عمر بن الخطاب و غلاما اسود یحفرون فحفر واقبرھا فلما بلغوا اللحد حفرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ واخرج ترابہ بیدہ فلما فرغ دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاضطجع فیہ ثم قال اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حی لایموت اغفر لامی

فاطمة بنت اسد ووسع علیها مد خلها بحق نبیك والانبیاء الذین من قبلی فانك ارحم الرحمین"۔

"جب حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور سرہانے بیٹھے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اے مری والدہ کے انتقال کے بعد میری ماں! راوی حدیث حضرت انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اچھی تعریف کرنا اور اپنے چادر مبارک میں ان کو کفنانا بیان کر کے پھر کہا کہ حضور نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، حضرت عمر بن الخطاب اور ایک سیاہ غلام کو بلایا کہ یہ لوگ قبر کھودتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کھودی۔ جب لحد تک پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے قبر کھودی اور قبر کی مٹی نکالی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیٰ وسلم قبر میں لیٹے اور یہ دعا پڑھی: اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ خداوندا! میری ماں حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کشادہ کر اپنے نبی اور تمام انبیا کی برکت سے جو میرے قبل ہوئے، تو ارحم الراحمین ہے"۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۹ میں ہے: "وفی روایة علی بن ابی طالب فلما فرغ منه نزل فاضطجع فی اللحد وقرء فیه القرآن"۔ "جب قبر تیار ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبر میں اترے اور اس میں قرآن شریف پڑھا"۔

"واخرج ابن شیبة عن جابر رضی الله عنه قال بینما نحن جلوس مع رسول الله صلی الله علیه وسلم اذاتاه آت فقال یا رسول الله ام علی و جعفر و عقیل قد ماتت فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم قوموا الیٰ امی فقمنا و کان علیٰ رؤس من معه الطیر فلما انتهینا الیٰ الباب نزع قمیصه فقال اذاغسلتمو ها فا شعروها ایاه تحت اکفا نها فلما خرجوابها جعل رسول الله صلی الله علیه وسلم مرة یحمل و مرة یتقد م ومرة یتاخر حتی انتهینا الیٰ القبر فتمعك فی اللحدثم خرج فقال ادخلوها باسم الله وعلیٰ اسم الله فلما ان دفنو هاقام قائما فقال جزاك الله من ام ور بیبة خیرا فنعم الام ونعم الربیبة کنت لی قال فقلنا له اوقیل له یا رسول الله! لقد صنعت شیئین مارأینا صنعت مثلهما قط قال وما هو قلنا نزعك قمیصك و تمعكك فی اللحد؟ قال اماقمیصی فارید ان لایمسها النار ابدا ان شاء الله تعالیٰ واماتمعکی فی اللحدفار دت ان یوسع الله علیها قبرها"۔

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! علی، جعفر، عقیل کی ماں نے انتقال کیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو میری ماں کی تجہیز و

تکفین کے لئے تو ہم لوگ کھڑے ہو گئے اور جو لوگ حضور کے ساتھ چلے سب خوش باادب تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں ۔ جب ہم لوگ دروازہ پر پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص مبارک اتار کر عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ غسل دے چکو تو اس کو بدن سے متصل کفن کے نیچے رکھنا پس جنازہ لے چلے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنازہ اٹھاتے ، کبھی آگے آگے چلتے اور کبھی جنازہ کے پیچھے چلتے ، یہاں تک کہ ہم لوگ قبر تک پہونچے پس حضور قبر میں لیٹے پھر باہر تشریف لائے پھر فرمایا خدا آپ کو بہتر جزا دے اے میری ماں اور پرورش کرنے والی! کیا اچھی آپ میری ماں اور پرورش کرنے والی تھیں! پس ہم لوگوں نے عرض کیا ، حضور! آپ نے دو باتیں ایسی کیں جو کبھی نہیں کرتے تھے ۔ فرمایا کہ وہ کون کون باتیں ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا ایک تو قیص مبارک کا اتار کر کفن کے لئے دینا اور دوسری بات قبر میں لیٹنا ۔ ارشاد ہوا کہ قیص اتار کر اس لئے دی کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ آگ ان کو کبھی نہ چھوئے گی اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر وسیع و فراخ کر دے ‘‘ ۔ (وفا الوفا ص ۸۸ جلد ۲) ۔

نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا

’’عن جابر قال رش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان الذی رش الماء علیٰ قبرہ بلال بن رباح بقربة بدأ من قبل راسہ حتی انتھیٰ الیٰ رجلیہ رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ‘‘ ۔ ’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا وہ بلال بن رباح ہیں ، مشک سے پانی چھڑکا ۔ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور پائتی کی طرف ختم کیا‘‘ ۔ (مشکوۃ ص ۱۴۹)

ملا علیٰ قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد دوم ص ۲۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ’’قال الطیبی لعل ذلک اشارۃ الیٰ استنزال الرحمة الالٰھیة و العواطف الربانیة کما ورد فی الدعا اللھم اغسل خطایاہ بالماء والثلج والبرد و قالوا سقیٰ اللہ ثراہ و برد مضجعہ اوالیٰ الدعا بالطراوۃ و عدم الدروس قال میرک ولعل الحکمة فیہ ان القبرا ذارش بالماء کان اکثر بقاء وابعد من التناثر والا ندارس قلت ھذا امر ظاھر حسی لا یحتاج الیٰ نقل و ھو ماخوذ من العبارۃ اما ماذکرہ الطیبی من الاشارۃ فھو فی غایة اللطافة و نھایة الشرافة و نظیرہ ان احدا من المریدین بنیٰ بیتا ثم ضیف شیخہ فقال لہ الشیخ لا ئ شئی فتحت الطاقة قال لدخول الھواء وشمول الضیاء فقال ھذا امر ظاھر حاصل لا محالة لکن کان ینبغی ان تقصد بالاصالة سماع الاذان ویکون الباقی تبعا لہ‘‘ ۔

’’علامہ طیبی نے فرمایا کہ پانی چھڑکنا رحمت الٰہیہ و عواطف ربانیہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دعا میں وارد ہے ’’خداوندا! دھودے اس کے گناہوں کو پانی ، برف اور اولے سے اور لوگ دعا کے وقت کہا کرتے ہیں

سقى الله ثراه وبرد مضجعه یا تراوٹ اور نہ مٹنے کی دعا طرف اشارہ ہے۔ علامہ میرک کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ قبر پر جب پانی چھڑک دیا جاتا ہے تو اس کی بقا زیادہ ہو جاتی ہے اور انتشار اور مٹنے سے دور ہو جاتی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں یہ تو ظاہر اور محسوس ہے، اس کی نقل کی ضرورت نہیں اور یہ تو عبارت ہی سے ظاہر ہے اور علامہ طیبی نے جو اشارہ ذکر کیا، وہ غایت لطیف اور بہت ہی خوب ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ کسی مرید نے ایک گھر بنایا اور اپنے شیخ کی دعوت کی۔ شیخ نے پوچھا اس میں روشندان کس لئے رکھا ہے، مرید نے کہا کہ ہوا اور روشنی کے لئے۔ شیخ نے کہا یہ تو ظاہر ہے، یقیناً ہوتا ہی ہے لیکن مناسب یہ تھا کہ اصل مقصد اذان کی آواز آنا ہوتا، باقی ہوا اور روشنی بالتبع مراد ہوتی، و نعم من قال

سرمہ کہ برائے نور چشم ست
زیبائش چشم او طفیل ست

''و عن ابی رافع قال سل رسول الله عليه وسلم سعد اورش علیٰ قبره ماء'' (رواه ابن ماجة)۔ ''ابن ماجہ حضرت ابورافع سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے حضرت سعد کو سرہانے کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور ان کے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا''۔

''وعن جعفر بن محمد عن ابيه مرسلا ان النبی صلی الله عليه وسلم حثیٰ علیٰ الميت ثلاث حثيات بيديه جميعا وانه رش علیٰ قبر ابنه ابراهيم ووضع عليه حصباء (رواه فی شرح السنة وروی الشافعی من قوله رش)''۔ ''علامہ بغوی شرح السنہ میں امام جعفر صادق سے وہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے مرسلا راوی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر دونوں ہاتھوں سے تین لپ مٹی ڈالی اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔ اس حدیث کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا مگر صرف ورش سے''۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸)

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۷۷ میں ہے: ''قال ابن الملك وليسن حيث لامطر رش القبر بماء بارد طاهر مطهور تفاؤلا بان الله يبرد مضجعه''۔ ''ابن مالک نے کہا کہ جب بارش نہ ہو تو قبر پر ٹھنڈا طاہر مطہر پانی چھڑکنا مسنون ہے، اس بات کی تفاؤل کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خوابگاہ ٹھنڈی کرے''۔

اسی میں ہے ص ۳۷۸: ''وروی البزاز انه امر بالرش فی قبر عثمان بن مظعون''۔ ''بزاز نے روایت کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا''۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۴۹ میں تحت حدیث جابر رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ''وذلك لمصلحة رأها اصحاب رسول الله صلی الله عليه وسلم والعلة فی رش قبر غير

ہ صلی اللہ علیہ وسلم التفاؤل باستنزال الرحمۃ و غسل الخطایا و تطہیر الذنوب وعلل ایضابان یمسک تراب القبر عن الانتشار و یمنع عن الدروس" ۔ ''صحابہ کرام نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا، وہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہوا جو ان لوگوں نے سمجھا ہو۔ رہا حضور کے سوا اوروں کی قبر پر پانی چھڑکنے کی علت تو نزول رحمت اور خطا دھلنے، گناہوں سے پاک صاف ہونے کی نیک فال ہے اور قبر کی مٹی کو منتشر ہونے سے بچانا اور قبر کو مٹنے سے محفوظ رکھنا بھی اس کی علت بیان کی گئی ہے''۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد ۱ص ۸۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قوله ولا باس برش الماء علیہ بل ینبغی ان یندب لانه صلی اللہ علیہ وسلم فعله بقبر سعد کما رواہ ابن ماجۃ وبقبر ولدہ ابراہیم کما رواہ ابو داؤد فی مراسیله وامر به فی قبر عثمان بن مظعون کما رواہ البزار''۔ ''قبر پر پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی قبر پر پانی چھڑکا جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر جیسا کہ مراسیل ابوداؤد میں ہے اور حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے''۔

دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا

اتحاف السادۃ المتقین جلد ۱۰ص ۳۶۸ میں ہے: ''قال سعید بن عبداللہ الاودی شہدت ابامامۃ الباھلی وھو فی النزع فقال یا سعید! اذا مت فاصنعوا بی کما امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذامات احد کم فسریتم علیه التراب فلیقم احد کم علیٰ راس قبرہ ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانه یسمع ولا یجیب ثم لیقل یافلان بن فلانه الثانیۃ فانه یستوی قاعد ا ثم لیقل یا فلان بن فلانۃ الثالثۃ فانه یقول ارشدنا یرحمك اللہ ولکن لا تسمعون فیقول له اذکرما خرجت علیه من الدنیا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وانك رضیت باللہ ربا و بالا سلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاو بالقران اماما فان منکرا و نکیرایتاخر کل واحد منھما فیقول انطلق بناماقعد ناعند ھذاوقدلقن حجته ویکون اللہ عزوجل حجیجه دونھما فقال رجل یا رسول اللہ افان لم یعرف اسم امه قال فلینبه الیٰ حواء''۔

''سعید بن عبداللہ اودی کہتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جس وقت وہ حالت نزع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے سعید! میں جب مرجاؤں تو میرے ساتھ وہ کام کرو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی مرے اور تم بعد دفن اس پر مٹی برابر کر چکو تو ایک آدمی اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور

کہے اے فلاں بن فلانہ تو وہ سنے گا مگر جواب نہ دے گا پھر دوسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلانہ اس کو سن کر وہ بیٹھ جائے گا پھر تیسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلانہ تب وہ کہے گا کہ کہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، لیکن اس کہنے کو تم نہ سنو گے۔ تب وہ شخص کہے یاد کرو اس عقیدہ کو جس پر تم دنیا سے نکلے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور تو راضی ہے اس بات پر کہ خدا تیرا رب ہے، اسلام تیرا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور قرآن شریف تیرا پیشوا ہے۔ یہ سن کر منکر نکیر دونوں پیچھے ہٹیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا کہ چلو کیا بیٹھیں اس کے پاس جس کو حجت تلقین کی گئی اور اللہ تعالیٰ اس شخص اور ان دونوں فرشتوں کے درمیان ہوگا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، تو ارشاد ہوا تو فلاں بن حوا کہنا"۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ص ۳۶۸ میں فرماتے ہیں: "رواہ الطبرانی فی الکبیر و فی کتاب الدعاء وابن مندة فی کتاب الروح وابن عساکر والدیلمی ورواہ ابن مندة من وجه اخر عن ابی امامة قال اذا انا مت فد فنتمونی فلیقم انسان عند راسی فلیقل یا صدی بن عجلان اذکر ماکنت علیه فی الدنیا شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله رواہ ابن عساکر من وجه اخر عن ابی امامة رفعه اذامات الرجل منکم فد فنتموہ فلیقم احد کم عند راسه فلیقل یا فلان بن فلانة فانه یسمع فلیقل یافلان بن فلانه فانه یستوی قاعد افلیقل یا فلان بن فلانة فانه سیقول له ارشدنی یرحمك الله فلیقل اذکر ماخرجت علیه من الدنیا شهادة ان لا اله الا الله وان محمد اعبده و رسوله وان الساعة اتیة لاریب فیها وان الله باعث من فی القبور فان منکرا و نکیرا عند ذلك یا خذ کل واحد بید صاحبه ویقول قم ماتصنع عند رجل لقن حجته فیکون الله حجیجهما دونه"۔

"روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر میں اور کتاب الدعا میں اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں اور ابن عساکر اور دیلمی نے اور روایت کیا اس کو ابن مندہ نے دوسرے طریقہ سے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں مرجاؤں اور تم لوگ مجھ کو دفن کر چکو تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک آدمی میری قبر کے سرہانے اور کہے: "اے صدی بن عجلان! یاد کرو اس شے کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی شہادت اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں" روایت کیا اس کو ابن عساکر نے دوسرے طریقے سے ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مرفوع کیا اس کو "جب مرجائے کوئی مرد تم لوگوں میں سے اور دفن کر چکو اس کو تو چاہیے کہ کھڑا ہو جائے کوئی تم لوگوں میں کا اس کے سرہانے اور یوں کہے اے فلاں بن فلانہ! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ! پس وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے پھر کہے اے فلاں بن

فلانہ! پس بیشک وہ اسے کہتا ہے کہ رہبری کرو میری رحم کرے گا تم پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے بعد اسے کہنا چاہئے کہ ''یاد کرو جس چیز پر تم نکلے ہو دنیا سے (یعنی) اس بات کی شہادت کہ نہیں ہے معبود کوئی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھانے والا ہے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں پس بیشک اس وقت منکر اور نکیر پکڑتے ہیں ہر ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ کو اور کہتے ہیں اٹھو کیا کرو گے ایسے مرد کے پاس جو تلقین کیا جا رہا ہے اپنی حجت کہ ہو جائے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی طرف سے جھگڑنے والا اس وقت''۔

اسی میں ص (۳۶۹ میں ہے: ''وروی سعید بن منصور عن راشد بن سعد وضمرۃ بن حبیب و حکیم بن عمیر قالو اذا سوی علیٰ قبرہ وانصرف الناس عنه کان یستحب ان یقال للمیت عند قبرہ یا فلان قل لااله الا الله ثلاث مرات یا فلان قل ربی الله و دینی الاسلام و نبی محمد صلی الله علیه وسلم'' ۔ ''سعید بن منصور، راشد بن سعد اور ضمرہ بن حبیب اور حکیم بن عمیر سے راوی۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب مردے پر مٹی برابر کر دیں اور لوگ اس سے واپس پھریں تو مستحب ہے کہ میت کی قبر کے پاس یہ کہا جاوے اے فلاں کہہ لا الہ الا اللہ۔ تین مرتبہ اس کو کہیں۔ اے فلاں کہہ رب میرا اللہ، دین میرا اسلام، نبی میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' ۔

علامی شامی ردالمختار جلد اول ص ۶۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قوله ولا يلقن بعد تلحيده ذكر فی المعراج انه ظاهر الرواية ثم قال و فی الخبازية والکافی من الشيخ الزاهد الصفار ان هذا قول المعتزلة لان الاحياء بعد الموت عندهم مستحيل اما عند اهل السنة فالحديث ای لقنو اموتاکم لااله الا الله محمول علیٰ حقيقته لان الله تعالیٰ يحييه علی ماجاء ت به الأثار وقد روی عنه عليه الصلاة والسلام انه امر بالتلقين بعد الدفن فيقول يافلان بن فلانة اذکر دينك الذی کنت علیه من شهادة ان لااله الاالله وان محمد ارسول الله الخ''۔

''معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ان کے نزدیک محال ہے اور اہل سنت کے نزدیک لقنو اموتا کم لا الہ الا اللہ اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ کرے گا اور حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا ہے تو کہے اے فلاں بن فلانہ! یاد کرو اس دین کو جس پر تم دنیا میں تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں''۔

گیارھواں طریقہ: دعائے تثبیت کرنا

''عن عثمان بن عفان قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لاخيكم واسألوا له بالتثبيت فانه الان يسأل'' ۔(رواه ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۰۲)۔ ''ابوداؤد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے ، قبر کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا اور سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے قول ثابت پر ثابت وقائم رکھے اس لئے کہ اس وقت وہ سوال کیا جائے گا۔ منکر نکیر اس سے پوچھنے کو آئیں گے''۔

''وعن ابن مسعود قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقف على القبر بعد ما يسوى عليه فيقول اللهم نزل بك صاحبنا و خلف الدنيا خلف ظهره اللهم ثبت عند المسئلة منطقه ولا تفتنه في قبره بما لا طاقة له به'' (رواه سعيد بن منصور)۔ ''سعید بن منصور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد درستی قبر پر ٹھہرتے اور دعا کرتے خداوندا میرا صحابی تیرے پاس اترا ہے اور دنیا کو اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑا۔ خداوندا سوال کے وقت اس کی بولی ثابت و درست رکھ اور قبر میں اسے جانچ میں مبتلا نہ کر جس کی اسے طاقت نہ ہو''۔

''وروى ابن ماجة والبيهقي في السنن عن ابن المسيب قال حضرت ابن عمر في جنازة ابنة له فلما وضعها في اللحد قال بسم الله و في سبيل الله فلما اخذ في تسوية اللحد قال اللهم اجرها من الشيطان و من عذاب القبر فلما سوى الكثيب عليها قام جانب القبر ثم قال اللهم جاف الارض عن جنبيها و صعد روحها ولقها منك رضوانا ثم قال سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم''۔

''ابن ماجہ وبیہقی سنن میں حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں حضرت ابن عمر کی صاحبزادی کے جنازہ میں حاضر ہوا تو جب آپ نے ان کو لحد میں رکھا تو بسم الله و في سبيل الله کہا، جب قبر برابر کرنے لگے تو اللهم اجرها من الشيطان و من عذاب القبر کہا یعنی خداوندا اس کو شیطان اور قبر کے عذاب سے بچا اور جب مٹی برابر کر چکے تو قبر کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ قبر کو دونوں طرف سے پھیلا دے اور اس کی روح کو بلند فرما اور اس سے رضامندی کے ساتھ ملاقات کر۔ پھر کہا کہ اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا''۔

''وروى ابن ابي شيبة عن قتادة ان انسا دفن ابنا له فقال اللهم جاف الارض عن جنبيه وافتح ابواب السماء لروحه ابدله دارا خيرا من داره''۔ ''ابن ابی شیبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو دفن کیا پس کہا خداوندا زمین کو اس کی دونوں جانب سے کشادہ فرما اور اس کی روح

کے لئے آسمان سے دروازے کھول دے اور اس کا گھر بدل دے جو دنیوی گھر سے بہتر ہو"۔

حکیم ترمذی نوادرالاصول میں فرماتے ہیں: "الوقوف علیٰ القبر وسوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للمیت بعد الصلاۃ لان الصلاۃ بجماعۃ المومنین کالعسکر لہ و قد اجتمعوا بباب الملک یشفعون لہ والوقوف علیٰ القبر و سوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للعسکر و ذلک ساعۃ شغل المیت"۔(الکل من شرح الاحیاء ج ا ص ۳۶۸)۔ "قبر پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا دفن کے وقت، یہ نماز جنازہ کے بعد میت کی مدد ہے۔ اس لئے کہ جماعت مومنین کے ساتھ نماز پڑھنا مثل لشکر کے ہے۔ بادشاہ کے دروازہ پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔ اس لشکر کی مدد ہے۔ کیونکہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے"۔

بارھواں طریقہ بعد دفن قبر پر اذان دینا

امام احمد وطبرانی وبیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راوی: "قال لما دفن سعد بن معاذ (زادفی روایۃ) وسوی علیہ سبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سبح الناس معہ طویلا ثم کبر و کبر الناس ثم قالوا یا رسول اللہ لم سبحت (زادفی روایۃ) ثم کبرت قال لقد تضایق علیٰ ھذا الرجل الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ تعالی عنہ"۔ "جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہوچکے اور قبر درست کر دی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کر دی اور قبر کشادہ فرمادی"۔

علامہ طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں: "ای مازلت اکبر و تکبرون واسبح و تسبحون حتی فرجہ اللہ"۔ "حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی"۔

اقول اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔ غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ کلمات طیبات زائد ہیں، سوان کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مضر، نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زائد مفید و مؤید مقصود ہے کہ رحمت الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔ علاوہ بریں بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں ثابت کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔

حدیث میں ہے: ''لقنوا موتاکم لا الٰه الا الله اپنے مردوں کو لا الٰه الا الله سکھا'' (رواہ الامام احمد ومسلم وابو دؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید الخدری وابن ماجۃ کمسلم عن ابی ہریرۃ وکالنسائی عن ام المومنین عائشۃ رضی الله عنہم)۔

اب جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے اور اسے کلمۂ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہ کلمہ لا الٰه الا الله تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ اُن کے سوال تین ہیں من ربک تیرا رب کون ہے، ما دینک تیرا دین کیا ہے۔ ما کنت تقول فی ھذا الرجل تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔ اب اذان کی ابتداء میں الله اکبر الله اکبر الله اکبر الله اکبر، اشھد ان لا الٰه الا الله اشھد ان لا الٰه الا الله اور اخیر میں الله اکبر الله اکبر لا الٰه الا الله، من ربک سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آئے گا میرا رب اللہ ہے اور اشھد ان محمدا رسول الله اشھد ان محمدا رسول الله سوال ما کنت تقول فی ھذا الرجل کا جواب تعلیم دیں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح جواب ما دینک کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاۃ عماد الدین تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث صحیح مذکور میں فرمایا۔ نیز علم والا ہر شخص جانتا ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے۔ شیطان رجیم (اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ وافضل الصلاۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مرد وزن کو حیات وممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے والعیاذ بوجہ العزیز الکریم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: ''ویوئدہ من الاخبار قول النبی صلی الله علیه وسلم عند دفن المیت اللّٰھم اجرہ من الشیطان فلو لم یکن للشیطان ھناك سبیل مادعا صلی الله علیه وسلم بذلك۔'' وہ حدیثیں اس کی موید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے: الٰہی اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے''۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں: ''اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان وله حصاص''۔: ''جب موذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز زناں بھاگتا ہے''۔ ''صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہوجائے گا۔ اخرجه الامام ابو القاسم سلیمٰن بن احمد والطبرانی فی اوسط معاجیمه عن ابیْ هریره رضی الله عنه۔

ہم نے اپنے رسالہ ''نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا'' میں اس مطلب پر بہت احادیث نقل کیں اور جب ثابت ہوگیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن وحدیث مالا مال۔ اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد ماۃ حاضرہ جناب مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی نے ایک مستقل رسالہ بنام ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' تصنیف فرمایا جس میں پندرہ دلیلوں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا۔ یہ تین دلیلیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ اور علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار نے حاشیہ ''بحر الرائق'' میں ان کا یہ قول نقل فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''ملفوظات عزیزی'' میں ہے: ''عمل مشائخ ست کہ اذان برقبر بعد دفن می گویند''۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر اذان دینا بزرگوں سے چلا آرہا ہے اور وہ سب حدیثیں اس عمل خیر کی اصل ہیں۔ واللہ الہادی۔

تیرھواں طریقہ: قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا

''عن ابن عباس رضی الله عنهما قال مرالنبی صلی الله علیه وسلم بحائط من حیطان المدینة او مکةفسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورهما فقال النبی صلی الله علیهو سلم یعذ بان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلیٰ کان احد هم لا یستتر من بوله و کان الآخر یمشی بالنمیمة ثم دعا بجریدة فکسرها کسرتین فوضع علیٰ کل قبرهما کسرة فقیل له یا رسول الله الم فعلت هذا؟ قال لعله ان یخفف عنهما مالم تیبسا (رواه البخاری و مسلم و ابو داؤد والترمذی و النسائی و ابن ماجة)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ گزرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ یا مدینہ کے باغوں سے کسی باغ میں تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان پر قبر میں عذاب ہورہا ہے۔ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا مشکل ہو۔ پھر فرمایا ان میں ایک آدمی تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کو دو ٹکڑا کیا اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ صحابہ نے عرض کی حضور نے ایسا کس لئے کیا؟ فرمایا تاکہ ان دونوں پر عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں"۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں فرماتے ہیں: "قوله لعله ان يخفف عنهما اى لعله يخفف ذلك من ناحية التبرك باثر النبى عليه الصلاة و السلام و دعائه بالتخفيف عنهما فكان صلى الله عليه و سلم جعل مدة بقاء النداوة فيهما حداً لماوقعت المسالة من تخفيف العذاب عنهما وليس ذلك من احل ان فى الرطب معنى ليس فى اليابس قاله الخطابى وقال النووى قال العلماء وهو محمول على انه صلى الله عليه و سلم سائل الشفاعة لهما فاجيبت شفاعته بالتخفيف عنهما الى ان ييبسا وقيل يحتمل انه صلى الله عليه و سلم بد عولهما تلك المدة وقيل لكونهما يسبحان مادامتا رطبتين وليس لليابس تسبيح قالوا فى قوله تعالى وان من شئى الا يسبح بحمده معناه وان شئى حى ثم حياة كل شئى بحسبه فحياة الخشبة مالم ييبس وحياة الحجر مالم يقطع"۔

"تخفیف عذاب کے سبب میں علما کے متعدد اقوال ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا کہ تخفیف عذاب بوجہ برکت اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و دعائے تخفیف ہے کہ حضور نے جریدہ کی تری کا باقی رہنا تخفیف عذاب کی حد قرار دیا اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تر لکڑی میں کوئی ایسی خوبی ہے جو خشک میں نہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمائے کرام فرماتے ہیں: یہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک وہ دونوں لکڑیاں خشک نہ ہوں، ان دونوں کے تخفیف عذاب کی دعا و سفارش فرمائی تو تا خشک ہونے ان کے، حضور کی شفاعت دربارہ تخفیف عذاب مقبول ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مدت تک ان دونوں کے لئے دعا کرتے ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہو کہ جب تک وہ دونوں تر ہیں، خداوند عالم کی تسبیح کرتے ہیں اور اس سے تخفیف عذاب ہوتی ہے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ علما نے وان من شئى الا يسبح بحمده کے معنی میں کہا کہ کوئی زندہ چیز نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو پھر ہر چیز کی حیات اس کے مطابق ہوتی ہے۔ لکڑی کی حیات اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے کہ کاٹا نہ جائے"۔

فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: "وقد قيل ان المعنى فيه انه يسبح مادام رطبا فيحصل التخفيف ببركة التسبيح وعلى هذا فيطرد فى كل مافيه رطوبة من الا

شجار وغيرها و كذلك فيما فيه بركة كالذكر وتلاوة القرآن من باب الاولىٰ وقد تاسى بريدة بن الخصيب الصحابي بذلك فاوصىٰ ان توضع علىٰ قبره جريد تان كما سياتي في الجنائز من هذا الكتاب وهو اولىٰ ان يتبع من غيره"۔

''اور کہا گیا ہے کہ تخفیف عذاب کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کی شاخ جب تک تر رہے گی، خدا کی پاکی بیان کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس بناء پر یہ برکت درخت وغیرہ ہر اس چیز کو عام ہوگی جس میں تری ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز میں جو متبرک ہے اور جیسے ذکر اور تلاوت قرآن میں بدرجہ اولی یہ برکت ہوگی اور حضرت بریدہ ابن الخصیب صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی پیروی کی۔ وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو شاخ کھجور کی رکھی جائے۔ اس کا بیان اسی کتاب کے ''باب الجنائز'' میں آئے گا اور حضرت بریدہ زیادہ مستحق اس امر کے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے باعتبار دوسروں کے''۔

ارشاد الساری شرح بخاری علامہ خطیب قسطلانی جلد۲ ص ۳۷۱ میں ہے: ''او ان المعنى فيه انه يسبح مادام رطبا فيحصل التخفيف ببركة التسبيح و حينئذ فيطر دفي كل مافيه رطوبة من الرياحين والبقول وغيرها وليس لليابس تسبيح قال تعالىٰ ان من شئى الايسبح بحمده اى شى حى وحياة كل شئى بحسبه فالخشب مالم ييبس والحجر ماله يقطع من معدنه''۔ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ شاخ تر رہے گی اللہ تعالی کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، یہ حکم عام ہوگا، خوشبو ہو یا سبزی وغیرہ اور خشک چیز تسبیح نہیں کرتی۔ اللہ تعالی نے فرمایا وان من شئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی زندہ چیز مگر وہ اللہ تعالی کی تسبیح کرتی ہے اور زندگی ہر چیز کی اس کے مناسب ہوتی ہے تو لکڑی کی زندگی اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی اس وقت تک ہے کہ اپنے کان سے کاٹا نہ جائے''۔

امام جلال الدین سیوطی ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' میں فرماتے ہیں: ''قال الخطابى هذا عنداهل العلم محمول علىٰ ان الاشياء مادامت علىٰ اصل خلقتها و خضرتها او طراوتها فانها تسبح حتىٰ يخفف رطوبتها او تحول خضرتها او يقطع عن اصلها وقال غير الخطابى فاذا خفف عنهما تسبيح الجريد فكيف بقراءة المومن القرآن قال هذا الحديث اصل فى غرس المومن الاشجار عند القبور واخرج ابن عساكر من طريق حماد بن سلمة عن قتادة ان ابابرزة الاسلمى رضى الله عنه كان يحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على قبر و صاحبه يعذب فاخذ جريدة فغرسها فى القبر و قال عسىٰ ان يرفعه عنه مادامت رطبة فكان ابو برزة يوصى اذامت

فضعوافی قبری می جریدتین قال فمات فی مفازة بین کرمان و قومس فقالو ابو صینناان نضع فی قبره حرید تبن وهذا موضع لا نصیبها فیه فبینا هم کذلك اذطلع علیهم رکب من قبل سجستان فاصابوا معهم سعفافا خذوا جرید تین فو ضعوهما معه فی قبره و اخرج ابن سعد عن مسروق قال اوصیٰ بریدة ان یجعل فی قبره جرید تان"۔

''علامہ خطابی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کی قبروں پر جریدہ رکھنا، اس بات پر محمول ہے کہ اشیا جب تک اپنی اصل خلقت اور سبزی وتری پر رہتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی رطوبت خشک ہو یا اس کی سبزی جاتی رہے یا اصل سے وہ چیز قطع کر دی جائے۔ اور خطابی کے سوا دیگر علما نے فرمایا کہ جب بہ سبب تسبیح شاخ خرما ان دونوں مردوں سے عذاب میں تخفیف کی گئی تو مومن کے قرآن شریف پڑھنے کے سبب کس قدر تخفیف ہوگی اور یہ حدیث مسلمانوں کی قبروں کے پاس درخت لگانے کی اصل ہے اور ابن عسا کر نے بطریق حماد بن سلمہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے اور قبر والے شخص پر عذاب کیا جا رہا تھا تو حضور نے کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو اس قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی، اللہ تعالیٰ اس مردہ سے عذاب اٹھالے گا اور ابو برزہ وصیت کرتے تھے کہ جب میں مروں تو میری قبر میں کھجور کی دو شاخ تر رکھنا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اتفاق وقت کہ ان کا انتقال کرمان اور قومس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔ لوگوں نے کہا ان کی وصیت یہ تھی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھیں اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں کھجور کی شاخ نصیب نہیں۔ بس ہم لوگ اسی شش وپنج میں تھے کہ سجستان کی طرف سے ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ ان کے ساتھ کھجور کی شاخیں تھیں۔ لوگوں نے ان سے دو شاخیں لے لیں اور ان کی قبر میں رکھا۔''

علامہ ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ ص ۲۰۰ میں اس حدیث بخاری کے متعلق سوال کے جواب میں تحقیق وتفصیل کے بعد لکھتے ہیں: ''و بما قررته یعلم انه یسن لکل احد اتبا عاله صلی اللّٰہ علیه وسلم فان الا صل فی افعاله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم التاسی الا مادل دلیل علیٰ الخصوصیة ولا دلیل ههنا فند ب التاسی به صلی اللّٰہ علیه وسلم فی ذلك'' ۔ ''اور جو کچھ میں نے تقریر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے مسنون ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اتباع میں قبر پر شاخ تر خرما کی رکھے۔ اس لئے کہ اصل حضور کے افعال میں اقتدا کرنا ہے۔ ہاں! جب کوئی دلیل خصوصیت کی ہو تو البتہ مخصوص ہوگا اور اس جگہ کوئی دلیل تخصیص نہیں تو اس مسئلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنا مندوب ومستحسن ہوگا''

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ اس حدیث سے علمائے کرام نے تین مسئلے استنباط فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ قبر کے پاس قرآن شریف کی تلاوت مستحب ومندوب ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد۱ ص ۲۸۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''واستحب العلماء قراة القران عند القبر لهٰذ الحديث اذ تلاوة القران اولىٰ بالتخفيف من تسبيح الجريد و قد ذكر البخارى ان بريدة بن الخصيب الصحابى اوصىٰ ان يجعل فى قبره جريد تان فكانه تبرك بفعل مثل فعل رسول اللهﷺ'' ۔ ''علمائے اس حدیث سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی تلاوت تخفیف عذاب میں تسبیح جریدہ سے ضرور اولیٰ ہے اور بخاری نے ذکر کیا کہ بریدہ بن خصیب صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دوشاخیں کھجور کی رکھی جائیں تو گویا انہوں نے مثل فعل رسول سے برکت لینا چاہا''۔

عینی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں ہے: ''واستحب العلماء قراءة القرآن عند القبر لهٰذ الحديث لا نه اذا كان يرجى التخفيف بتسبيح الجريد فتلاوة القرآن اولىٰ'' ۔ ''اس حدیث سے علمانے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب قرار دیا۔ اس لئے کہ جب تسبیح جریدہ سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے تخفیف عذاب بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

شرح احیاء العلوم علامہ سید مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں ہے: ''قال السيوطى فى شرح الصدور واما قراءته القرآن علىٰ القبر فجزم بمشر وعيتها اصحابنا و غيرهم قال الزعفرانى سئالت الشافعى عن القراءة عند القبر فقال لاباس به وقال النووى فى شرح المهذب يستحب لزائر القبور ان يقرء ماتيسر من القران ويد عولهم عقبها نص عليه الشافعى واتفق عليه الا صحاب زاد فى موضع آخر وان ختموا القران علىٰ القبر كان افضل وقد سئل الشمس محمد بن على بن محمد بن عيسىٰ العسقلانى الكنانى السمهودى الشافعى عرف بابن القطان المتوفى ۸۱۳ وهو من مشائخ الحافظ ابن حجر عن مسائل فاجاب ومنها و هل يصل ثواب القراءة للميت ام لا ؟فاجاب عنها فى رسالة سماها "القول بالا حسان العميم فى انتفاع الميت بالقران العظيم" وا نااذكر منها مايليق بالمقام الاختصار قال رحمه الله: "اختلف العلماء فى ثواب القراءة للميت فذهب الاكثرون الىٰ المنع وهو المشهور من مذهب الشافعى ومالك و نقل عن جماعة من الحنفية وقال كثير منهم يصل وبه قال الامام احمد بعدان قال القراءة علىٰ القبر بدعة بل نقل عنه انه يصل الىٰ

الميت كل شيء من صدقة وصلاة و حج وصوم و اعتكاف و قرائة و ذكر و غير ذلك و نقل ذلك عن جماعة من السلف و نقل عن الشافعي انتفاع الميت بالقراء ة علىٰ قبره و اختار شيخنا شهاب الدين بن عقيل و تواتران الشافعي زار الليث بن سعد واثنىٰ عليه خيرا وقرء عنده ختمة و قال ارجوان تدوم فكان الامر كذلك وقال القرطبي قد استدل بعض علمائنا علىٰ قراء ة القران علىٰ القبر بحديث العسيب الرطب الذي شقه النبي ﷺ باثنين ثم غرس علىٰ قبر نصفا و علىٰ قبر نصفا و قال لعله يخفف عنهما مالم ييبسار واه الشيخان قال و يستفاد من هذاغرس الا شجار وقراء ة القران علىٰ القبور و اذاالخفف عنهم بالاشجارفكيف بقراء ة الرجل المومن القرآن و قال النووي استحب العلماء قراء ة القرآن عند القبرو واستانسو الذلك بحديث الجريدين وقالوا اذا وصل النفع الىٰ الميت بتسبيحهم حال رطوبتهما فانتفاع الميت بقراء ة القران عند قبره اولىٰ فان قراء ة القرآن من انسان اعظم وانفع من التسبيح من عود اه"۔

"امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن شریف کا قبر پر پڑھنا تو ہمارے اصحاب اور دوسروں نے اس کے مشروع ہونے کا یقین کیا۔ امام زعفرانی نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: زائر قبور کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر بآسانی قرآن شریف پڑھ سکے، اتنا قرآن پڑھے، اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر نص فرمایا اور دوسری جگہ اس قدر اور زیادہ کیا کہ اگر ایک ختم قرآن کا مل کریں تو اور بہتر ہے اور علامہ شمس محمد بن علی عسقلانی کنانی سمہودی شافعی استاذ علامہ عصر حافظ ابن حجر عسقلانی معروف بہ ابن القطان (متوفی ۸۱۳ھ) سے چند مسئلے دریافت کیے گئے تو آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا قرآن شریف پڑھ کر بخشنے سے مردہ کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام "القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم" رکھا اور ہم اس سے تھوڑا سا حسب مناسب مقام اختصار کے ساتھ اس جگہ ذکر کرتے ہیں: "مردے کو قراءۃ قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں علما کا اختلاف ہے اکثر لوگ منع کی طرف گئے ہیں اور یہی مشہور مذہب امام شافعی کا ہے اور امام مالک و جمہور حنفیہ سے منقول ہے اور اکثر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ میت کو قرآت کا ثواب پہونچتا ہے۔ امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ پہلے یہ کہتے تھے کہ قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔* (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

ان سے منقول ہے کہ مردے کو سب کچھ پہونچتا ہے صدقہ ہو یا نماز، حج، روزہ، اعتکاف، قراءۃ قرآن، ذکر

وغیرہ اور اسے سلف صالحین کی ایک جماعت سے نقل کیا اور قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے میت کا نفع اٹھانا، امام شافعی سے منقول ہے اور اسی کو ہمارے استاذ شہاب الدین عقیلی نے پسند فرمایا اور امام شافعی سے متواتر طریقہ پر ثابت ہے کہ انہوں نے لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کی اور ان کی تعریف بیان کی اور وہاں ایک ختم قرآن شریف پڑھا اور فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ یہ قرأت ہمیشہ جاری رہے۔ پس ویسا ہی واقع ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ بعض علمانے قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے جواز پر شاخ خرما والی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے شاخ خرما کو دو نصف کیا اور ایک نصف ایک قبر پر اور دوسرا دوسرے پر نصب کیا اور فرمایا کہ جب تک یہ دونوں تر رہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں مردوں پر عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث سے قبر پر درخت کا نصب کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مستفاد ہوتا ہے کہ جب شاخ درخت کی وجہ سے تخفیف عذاب ہو تو قرآن مجید کے مفید ہونے کا کیا کہنا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمانے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب جانا اور حدیث ''جریدتین'' سے استدلال کیا اور فرمایا کہ جب شاخ تر کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ ہوتا ہے تو قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے سے نفع ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ انسان کا قرآن شریف پڑھنا لکڑی کی تسبیح کرنے سے رتبہ میں اعظم اور فائدہ میں نفع ہے''۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے کہ علامہ ابن قطان کا ''فذهب الاكثرون الى المنع'' فرمانا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ علمائے راسخین کی تحقیق وتصریح کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری مرقات شرح مشکوۃ جلد ۶ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں: ''اختلف فى وصول ثواب القرآن للميت فجمهور السلف والائمة الثلثة على الوصول و خالف فى ذلك امامنا الشافعى مستدلا بقوله تعالىٰ "وان ليس للانسان الا ماسعىٰ" واجاب الاولون عن الاية بوجوه۔ احدها انها

---

* ''ان کے اس قول سے رجوع کرنے کا واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے علی بن موسیٰ حداد کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا اور محمد بن قدامہ جوہری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب مردہ کو دفن کر چکے تو ایک نابینا آیا اور قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے لگا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اے شخص! قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم لوگ قبرستان سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد بن حنبل سے کہا: اے ابو عبد اللہ! مبشر بن اسمٰعیل حلبی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہیں۔ پوچھا کہ آپ نے ان سے کچھ لکھا ہے؟ فرمایا ہاں! بولے کہ مجھے مبشر بن اسمٰعیل نے عبد الرحمٰن بن علاء بن لجلاج سے خبر دی کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد ان کے سرہانے فاتحہ بقرہ و خاتمہ بقرہ پڑھی جائے اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر سے سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جاؤ اس نابینا کو کہہ دو کہ قرآن شریف پڑھو (احیاء العلوم برحاشیہ شرح مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۷۰) منہ غفرلہ''

منسوخة بقوله تعالیٰ: "والذین امنوا و اتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم" الآیة ادخل الابناء الجنة بصلاح الآباء۔ الثانی انها خاصة بقوم ابراهیم و موسیٰ علیهما الصلاة والسلام فاما هذه الامة فلها ماسعت وماسعیٰ بها قاله عکرمة۔ الثالث المراد بالانسان ههنا الکافر فاماالمومن فله ما سعیٰ لها قاله الربیع ابن انس۔ الرابع لیس للانسان الا ماسعیٰ من طریق العدل فاما من باب الفضل فجائزان یزیده الله ماشاء قاله الحسین بن فضل۔ الخامس ان اللام فی للانسان بمعنی علیٰ ای لیس علیٰ الانسان الا ماسعیٰ واستدلوا علیٰ الوصول بالقیاس علیٰ الدعاء و الصدقة والصوم والحج والعتق لانه لافرق فی نقل الثواب بین ان یکون عن حج او صدقة اووقف اودعاء اوقراءة وبالاحادیث المذکورة وهی وان کانت ضعیفة فمجموعها یدل علیٰ ان لذلک اصلاوان المسلمین مازالوافی کل مصر و عصر یجتمعون و یقرؤن لموتاهم من غیر نکیر فکان ذلک اجماع۔ ذکر ذلک کله الحافظ شمس الدین بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی فی جزء الفه فی المسئلة ثم قال السیوطی واماالقراءة علیٰ القبر فجزم بمشروعیتها اصحابنا وغیرهم"۔

"امام سیوطی فرماتے ہیں: مردے کوقرآن شریف کا ثواب پہونچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور ائمہ ثلثہ کا یہ مذہب ہے کہ پہونچتا ہےاور ہمارے امام شافعی نے اس مسئلہ میں خلاف کیا اور اس آیت کے ساتھ استدلال کیا کہ لیس للانسان الاماسعی اور پہلے مذہب والوں نے اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، ناسخ اس کا "والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم" ہے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کی صلاح کی وجہ سے اولاد جنت میں جائے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کی امت کا ہے لیکن امت محمدیہ کے لئے دونوں ہیں۔ جو اس نے سعی کیا اور جو اس کے لئے سعی کیا گیا۔ یہ قول عکرمہ کا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ انسان سے کافر مراد ہے لیکن مومن کے لئے جو وہ سعی کرے اور جو اس کے لئے سعی کیا جائے۔ یہ قول ربیع بن انس کا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے بطریق عدل وہی ہے جو اس نے کیا، البتہ بطریق فضل واحسان جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قدر زائد دے۔ یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ لیس للانسان میں لام بہ معنی علی ہے یعنی انسان پر مواخذہ نہیں مگر اسی کا جو اس نے کیا

اور پہلی جماعت اپنے مذہب پر (یعنی ثواب مردے کو پہنچتا ہے) یہ دلیلیں پیش کرتی ہے: اول دعا، صدقہ، روزہ، حج، آزاد کرنے پر قیاس ہے کہ جب ان سب چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ان میں اور قرأت قرآن میں کوئی فرق نہیں کہ ان سب چیزوں کا ثواب پہنچے اور قرأت قرآن کا ثواب نہ پہونچے۔ دوم اس قیاس کے علاوہ ان احادیث سے دلیل لائے ہیں

جو مذکور ہوئیں اور یہ حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان سب کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی اصل ہے اور بلاشبہ مسلمان ہر زمانہ اور ہر شہر میں برابر بلا انکار جمع ہوتے اور اپنے مردوں کے گجر پر قرآن پڑھا کرتے تھے تو یہ اس فعل پر اجماع ہوا۔ یہ سب کچھ حافظ شمس الدین بن عبدالواحد مقدسی حنبلی نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے جو خاص اسی مسئلہ کے متعلق تصنیف کیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے مشروع ہونے پر ہمارے اصحاب اور ان کے غیر نے جزم و یقین کیا''۔

تو ان تمام عبارات وتصریحات سے واضح ہوا کہ میت کے لئے قرآن شریف پڑھنے کا مشروع ہونا، نہ صرف ائمہ ثلثہ بلکہ چاروں اماموں کا مذہب ہے پھر علامہ ابن قطان کا فذهب الاکثرون الیٰ المنع کہنا، کس طرح قابل قبول ہوسکتا ہے؟۔

نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں!

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث سے علما نے استنباط فرمایا وہ یہ ہے کہ نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں اور اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اس لئے قبرستان سے سبز گھانسوں کا اکھاڑنا، کاٹنا ممنوع و مکروہ ہے۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: ''ویکره قطع الحشيش الرطب من المقبرة فان كان يا بسالا باس به لانه مادام رطبا يسبح فيونس الميت وعن هذا قالو الايستحب قلع الحشيش الرطب من غير الحاجة''۔ ''قبرستان سے تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جب تک گھاس تر رہتی ہے، خدائے تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میت کو خوشگواری کا احساس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ بلاوجہ تر گھاس کو نہیں کاٹنا چاہئے''۔

فتاویٰ بزازیہ کتاب الکراہیہ میں ہے: ''قطع الحشيش من المقابر يكره لانه يسبح ويدفع به العذاب من الميت وعلى هذا لايكره من مقابر الكفار وقطع اليابس وبه ورد الحديث الصحيح''۔ ''قبرستان سے تر گھانس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے اور اس کی وجہ سے مردہ سے عذاب دفع ہوتا ہے اور مردہ کو انس ہوتا ہے اور اس بنا پر کفار کے مرگھٹ سے اور خشک گھانس کا کاٹنا مکروہ نہ ہوگا۔ اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے''۔

فتاوی عالمگیر میں فتاوی قاضی خاں سے منقول ہے: ''ويكره قطع الحطب والحشيش من المقبرة فان كان يابسا لا باس به كذافي فتاوى قاضى خان''۔ ''تر گھانس کا قبر سے کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہے تو حرج نہیں''۔

علامہ شامی ردالمحتار اول ص ۸۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''يكره ايضا قطع النبات الرطب و

الحشیش من المقبرة دون الیابس کما فی البحر والدر وشرح المنیة وعلله فی الا مد ادیانه مادام رطبا یسبح الله فیونس المیت و تتنزل بهذه الرحمة اه و نحوه فی الخانیة" ۔''تر گھانس اور سبزی کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے، نہ خشک کا جیسا کہ بحرالرائق اور درر اور شرح منیہ میں ہے اور اس کی علت امداد الفتاح میں یہ بیان کی گئی ہے کہ گھانس جب تک تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔اسی کے مثل فتاویٰ خانیہ میں ہے''۔

مزارات پر پھول چڑھانا جائز ہے:

تیسرا مسئلہ علمائے کرام نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ پھول وغیرہ قبروں پر رکھنا جائز ہے۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ص ۳۸۲ میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:''وقد انکر الخطابی مایفعله للناس علیٰ القبور من الاخواص ونحو ها بهذا الحدیث و قال لا اصل له"۔''لوگ قبروں پر کھجور کی شاخ جو اس حدیث کی رو سے رکھ دیتے ہیں، خطابی نے اس سے انکار کر کے کہا: اس کی کوئی اصل نہیں ہے''۔

علامہ خطابی کا یہ قول ذکر کر کے اس طرح رد کرتے ہیں:''واما انکار الخطابی و قوله لا اصل له ففیه بحث واضح اذ هذا الحدیث یصلح ان یکون اصلا له ثم رایت بن حجر صرح به وقال قوله لا اصل له ممنوع بل هذا الحدیث اصل اصیل له ومن ثم افتیٰ بعض الا ئمة من متاخری اصحابنا بان مااعتید من وضع الریحان و الجرید سنة لهذا الحدیث" ۔''علامہ خطابی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی اصل نہیں، اس پر کھلا ہوا اعتراض ہے۔اس لئے کہ یہ حدیث اس کی اصل ہو سکتی ہے۔پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی تصریح فرمائی اور کہا کہ خطابی کا لا اصل لہ کہنا ممنوع ہے بلکہ یہ حدیث اس کی زبردست دلیل ہے۔اسی وجہ سے بعض متاخرین ائمہ نے فتویٰ دیا کہ لوگوں میں جو مروج ہے کہ خوشبو پھول اور کھجور کی شاخ قبر پر رکھا کرتے ہیں، وہ اسی حدیث سے سنت ہے''۔

ارشاد الساری شرح بخاری کی عبارت اوپر گذری:''اوان المعنی فیه انه یسبح مادام رطبا فیحصل التخفیف ببرکة التسبیح وحینئذ فیطرد فی کل مافیه رطوبة من الریاحین والبقول وغیرها" ۔''یا اس کی یہ وجہ ہے کہ شاخ جب تک تر رہے گی، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے مردہ پر تخفیف ہوگی پس اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، عام ہوگی، گھانس ہو یا پھول وغیرہ''۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:''وضع الورد والریاحین علیٰ القبور حسن" ۔''گلاب کا پھول یا اور خوشبو پھول کا قبر پر رکھنا بہتر ہے''۔

تصحیح المسائل ص ۲۰ میں ہے: ''فی کنز العباد و فتاویٰ الغرائب وضع الورد والریاحین علی القبور حسن کانہ مادام رطبا یسبح ویکون للمیت بتسبیحہ انس'' ۔ ''کنز العباد اور فتاویٰ غرائب میں ہے کہ گلاب کا پھول اور دوسرے پھولوں کا قبور پر رکھنا حسن ہے۔ اس لئے کہ وہ جب تک تروتازہ ہے، خدا کی تسبیح کرتا ہے اور اس سے مردے کا جی بہلتا ہے''۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے کہ علمائے کرام کی انہیں تصریحات کی بنا پر مسلمانوں میں رواج ہے کہ بزرگوں کے مزار پر پھول کی چادر چڑھاتے یا پھولوں کا ہار ڈالتے یا بے گوندھا پھول قبروں پر رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

اس جگہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف میں وضع جریدہ کی وجہ ان دونوں کا معذب ہونا ہے تو تخفیف عذاب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا اور اس زمانہ میں گناہگاروں کی قبر پر کوئی ہار پھول نہیں ڈالتا بلکہ برعکس بزرگوں کے مزار پر یہ چڑھاوا ہوتا ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ تخفیف عذاب بوجہ تسبیح جریدہ ہے اور یہی وجہ مذہب مختار ہے۔ اور تسبیح کا اصل فائدہ نزول رحمت وانس میت ہے اور ہر شخص کو ہر حال میں اس کی ضرورت ہے۔ کوئی کسی مرتبہ پر پہونچ جائے مگر رحمت باری سے وہ بے نیاز نہیں ہوسکتا، ہر شخص کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔ گنہگار معذب کے لئے تخفیف یا دفع عذاب اور مرحوم مغفور کے لئے رفع مراتب وترقی درجات ومزید اجر وثواب ہے اور کوئی شخص اس کو مشائخ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتا۔

چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سرہانے فاتحہ اور پائتی میں خاتمہ سورہ بقرہ پڑھنا

''عن عبد الرحمان بن العلاء ابن اللجلاج عن ابیہ انہ اوصیٰ اذا دفن ان یقرء عند راسہ فاتحۃ البقر وخاتمتہا وقال سمعت ابن عمر یوصی بذلک'' (کذا اوردہ القرطبی فی التذکرۃ)۔ ''عبد الرحمن بن علاء اپنے والد سے راوی کہ انہوں نے وصیت کیا کہ ان کے دفن کے بعد ان کی قبر پر سورہ بقر کی ابتدائی آیتیں یعنی الم سے مفلحون تک اور خاتمہ بقرہ یعنی امن الرسول سے ختم سورہ تک پڑھا جائے اور کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے''

شرح احیاء العلوم ص ۳۷۰ میں ہے: ''وعنہ قال قال لی ابی یا بنی! اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ ثم شن علیٰ التراب شنا ثم اقرء عند راسی بفاتحۃ البقرۃ و خاتمتہا فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلک''۔ ''عبد الرحمن بن علا کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ میرے بیٹے جب تم مجھے قبر میں رکھو تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ کہہ کر رکھنا پھر آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میرے سرہانے فاتحہ بقرہ وخاتمہ بقرہ پڑھنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس کا حکم

فرماتے تھے"۔ (رواہ الطبرانی)۔

"وعن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا به الیٰ قبرہ ویقرء عند راسه بفاتحة البقرة و عند رجلیه بخاتمة سورة البقرة" (رواہ البیھقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)۔ "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی شخص مرے تو اسے مت روکو اور جلدی اس کو قبر تک لے جاؤ اور اس کے سرہانے فاتحہ بقرہ اور پائنتی خاتمہ سورہ بقر پڑھو"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد۲ ص ۳۸۱ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: "(عند راسه فاتحة البقرة) ای الیٰ المفلحون (و عند رجلیه بفاتحة) و فی نسخة خاتمة (البقرة) ای من آمن الرسول الخ قال الطیبی لعل تخصیص فاتحتها لا شتما لها علیٰ مدح کتاب الله وانه هدی للمتقین الموصوفین بالخلال الحمیدة من الایمان بالغیب واقامة الصلاۃو ایتاء الزکاۃ وخاتمتها لاحتوائها علیٰ الایمان بالله و ملائکته و کتبه و رسله واظهارا لاستکانة وطلب الغفران و الرحمة والتولی الیٰ کنف الله تعالی و حمایته۔"

"فاتحۃ البقرہ سے مراد الم سے مفلحون تک اور خاتمہ سے مراد آمن الرسول سے آخر سورہ تک ہے۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تخصیص فاتحہ بقرہ کی یہ وجہ ہے کہ وہ مشتمل ہے اللہ کی کتاب کی تعریف پر اور اس کا بیان ہے کہ وہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے جو ان صفات حمیدہ سے موصوف ہیں یعنی غیب پر ایمان لانا، نماز پڑھا کرنا، زکاۃ دیتے رہنا اور خاتمہ بقرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشتمل ہے ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل پر اور اپنی عاجزی اور طلب مغفرت ورحمت اور اللہ کی جوار اور اس کی حمایت میں آنے کا ذکر ہے۔ اس لئے فاتحہ وخاتمہ بقرہ سے سب باتوں کی یاددہانی ہو جائے گی"۔

پندرھواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے

"عن عمرو بن العاص قال لابنه و هو فی سیاق الموت اذا نامت فلا تصاحبنی نائحة و لا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور و تقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع رسل ربی" (رواہ مسلم ص ۷۶ ومشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)

"امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی رونے والی عورت نہ

جائے اور نہ آگ ہو۔ جب مجھ کو دفن کر چکو تو آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالو پھر میرے قبر کے پاس اتنے دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تا کہ تم لوگوں کے رہنے سے انس حاصل کروں اور جانوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۸۱ میں فرماتے ہیں: "(حتی استانس بکم) ای بد عائکم واذکارکم و قراءتکم و استغفارکم"۔ ''تم لوگوں سے انس کا مطلب تمہاری دعا، تمہارے اذکار اور تمہاری قرأت، تمہارے استغفار سے انس حاصل کرنا ہے''۔ یعنی چاہیے کہ اتنے دیر تک خاموش بیٹھے نہ رہیں بلکہ دعا کریں اللہ و رسول کا تذکرہ کریں قرآن شریف کی تلاوت کریں، مغفرت کی دعا کریں۔

علامہ نووی ص ۶۷ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''منہا استحباب المکث عند القبر بعد الدفن لحظۃ نحو ماذکر لما ذکر فیہ ان المیت حینئذ یسمع من حول القبر''۔ ''اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دفن کے بعد اتنی دیر تک جس کا بیان حدیث شریف میں ہے: مونست میت کے لئے اور صحیح خیال و دماغ کے لئے قبر پر ٹھہرنا مستحب ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مردہ گرد و پیش کی باتیں سنتا ہے''۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں فرماتے ہیں: ''وقال ابو بکر الاجری یستحب الوقوف بعدالدفن قلیلا و الدعاء للمیت مستقبلا وجھہ بالثبات فیقال اللھم ھذا عبدک وانت اعلم بہ منا ولا نعلم الا خیر اوقد اجلستہ لتسئالہ اللھم فثبتہ بالقول الثابت فی الآخرۃ کما ثبتہ فی الدنیا اللھم ارحمہ والحقہ بنبیہ ولا تفتنا بعدہ ولا تحرمنا اجرہ''۔ ''ابوبکر اجری نے کہا کہ دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور میت کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو کر دین اسلام پر ثابت رہنے کی دعا کرنا مستحب ہے اور دعا میں یہ کہنا چاہیے کہ خداوندا یہ تیرا بندہ ہے اور تو اس کے حال کو مجھ سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت تو نے اسے سوال کے لئے بٹھایا ہے۔ خداوندا تو اسے آخرت میں قول پر ثابت رکھ جس طرح دنیا میں ثابت رکھا ہے۔ میرے مولیٰ تو اس پر رحم کر اور اس کو اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور نہ اس کے اجر سے محروم کر''۔

سولھواں طریقہ: زیارت قبور سے اہل قبر کو انس ہوتا ہے

زیارت قبور کرنا خصوصاً اپنے اعزہ و اقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی شفاء السقام ص ۶۵ و امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انس مایکون المیت فی قبره اذازاره من کان یحبه فی دارالدنیا''۔ ''قبر میں مردہ کا زیادہ جی بہلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب زیارت کو وہ شخص آئے جسے دنیا میں دوست رکھتا تھا''۔

ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس علیه استانس ورد علیه حتی یقوم''۔ ''جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ مردہ اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ اس کا دل اس کے بیٹھنے سے بہلتا ہے اور جب تک وہ شخص اس کے پاس سے اٹھے، اس کا جواب دیتا ہے''۔

ابوالشیخ و دیلمی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں: ''مامن رجل یزور قبر اخیه فیسلم علیه ویقعد عنده لرد علیه السلام و انس به حتی یقوم من عنده''۔ ''جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو جائے اور اسے سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس مردہ کا اس سے جی بہلتا ہے، جب تک کہ وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ آئے''۔

بیہقی ابوالدرداء ہاشم بن محمد سے راوی ہیں: ''قال سمعت رجلا من اهل العلم یقول انه کان یزور قبر ابیه فطال علیه ذلك قال فقلت ازور التراب فاریته فی منامی فقال یابنی! مالك لاتفعل کماکنت تفعل فقلت انزور التراب فقال لا تقل ذلك یا بنی! فوالله لقد کنت تشرف علیّ فیبشرنی بك جیرانی ولقد کنت تنصرف فما ازال اراك حتی تدخل الکوفة۔'' (شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷) ''ہاشم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک اہل علم کو کہتے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کو برابر جایا کرتے تھے۔ جب زمانہ دراز ہوا تو انہوں نے کہا کہ مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے؟ میں نے کہا کہ کیا میں مٹی کی زیارت کے لئے آؤں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں بیٹا ایسا نہ کہو۔ خدا کی قسم! تم جس وقت آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آنے کی مجھے بشارت و خوشخبری دیتے تھے اور جب تم واپس ہوتے تھے میں تم کو برابر دیکھا رہتا تھا، یہاں تک کہ تم کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے تھے''۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ میں ہے: ''وروی ایضا عن الفضل ابن الموفق ابن خال سفیان بن عیینه قال لمامات ابی جزعت جزعا شدیدا فکنت آتی قبره فی کل یوم ثم انی قصرت عن ذلك فرائیته فی النوم فقال یا بنی! مابطا بك عنی قلت وانك تعلم بمجیئی قال ما جئت مرة الا علمتها و قد کنت

تانینی فاسربك ویسرمن حولی بد عائك قال فكنت اتیهٗ بعد كثیرا"۔

"فضل بن موفق سفیان بن عینیہ کے ماموں زاد بھائی کہتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، میں سخت غمگین اور پریشان ہوا۔ بہت زیادہ جزع فزع کیا تو میں ہر روز ان کے قبر کی زیارت کو جاتا تھا پھر میں نے اس میں کچھ کوتاہی کی تو ان کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں تجھے مجھ سے دیر ہونے لگی؟ میں نے کہا کہ کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں آئے تم کبھی مگر میں نے جانا یعنی جب جب تم آئے مجھے ضرور اس کا علم ہوا اور جب تم آتے تھے تو میں تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتا تھا اور تمہاری دعا کی وجہ سے میرے گرد و پیش کے لوگ سرور ہوتے تھے۔ فضل بن موفق نے کہا کہ یہ سن کر میں بہت زیادہ جانے لگا"۔

اسی شرح احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے: "قال الحافظ ابو طاهر السلفی سمعت ابا البركات عبدالوحد بن عبدالرحمن ابن غلاب السوسی بالاسكندرية يقول سمعت والدتی تقول رايت امی فی المنام بعد موتهاوهی تقول يا بنتی! اذا جئتنی زائرة فاقعدی عندقبری ساعة اتسلی من النظر اليك ثم ترحمی علی الخ"۔ "حافظ ابوطاہر سلفی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالبرکات عبدالواحد سوسی سے اسکندریہ میں سنا، وہ کہتے تھے: میں نے اپنی والدہ سے سنا کہ میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا وہ کہتی تھیں کہ میری بیٹی! جب تو میری زیارت کے لئے میرے پاس آیا کرتو ایک گھنٹہ میری قبر کے پاس بیٹھی رہ تاکہ میں جی بھر کر تجھ کو دیکھوں پھر میرے لئے رحمت کی دعا کر"۔ واللہ الموفق۔

سترھواں طریقہ: اخیر شب قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا

"عن عائشه قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله صليه الله علىٰ واله وسلم يخرج من آخر الليل الى البقيع فيقول السلام عليكم دار قوم مومنين واتاكم ماتو عدون غدامو حلون وانا انشاء الله بكم لاحقون اللهم اغفر لا هل البقيع الغرقد" (رواه مسلم ص ٣١٣) "مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری باری میں تشریف لاتے، اخیر شب مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پر سلام ہوائے گھر مسلمانوں کے اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کل تمہارے پاس وہ چیز آئے گی اور ان شاء اللہ ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ خداوندا بقیع الغرقد والوں کے گناہ کو تو بخشدے"۔

علامہ نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: "فيه فضيلة الدعاء آخر الليل و فضيلة زيارة قبور البقيع"۔ "اس حدیث سے اخیر شب میں دعا کرنے کی خوبی بقیع والوں کی قبور کی زیارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے"۔

"و عن عائشة قالت الا احدثكم عني و عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا بلى قالت لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله عليه وسلم فيها عندي انقلب فوضع رداءه و خلع نعليه فوضعها عند رجليه و بسط طرف ازاره على فراشه فاضطجع فلم يلبث الا ريث ماظن ان قد رقدت فاخذرداءه رويدا و انتعل رويدا وفتح الباب رويدا فخرج ثم اجافه رويدا فجعلت درعي في راسي واختمرت و تقنعت ازاري ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع فقام القيام ثمه رفع يديه ثلاث مرات ثم انحرف فانحرفت فاسرع فاسرعت فهرول فهرولت فاحضرفا حضرت فسبقته فدخلت فليس الا ان اضطجعت فدخل فقال مالك يا عائشة حشيار ابيه قالت قلت لا شئ قال لتخبريني اوليخبرني اللطيف الخبير۔ قالت قلت يا رسول الله! بابي انت وامي فاخبرته قال فانت السواد الذى رائت امامي قالت نعم فلهد ني في صدري لهدة اوجعتني ثمه قال اظننت ان يحيف الله عليك ورسوله قالت مهما يكتم الناس يعلمه الله نعم قال فان جبرئيل اتاني حين رائت فنادانى فاخفاه منك فاجبته فاخفيته منك ولم يكن يد خل عليك وقد وضعت ثيابك وظننت ان قدرقدت فكرهت ان اوقظك و خشيت ان تستوحشي فقال ان ربك يامرك ان تاتي اهل البقيع فتستغفرلهم قالت قلت كيف اقول لهم يا رسول الله! قال قولي السلام على اهل الديار من المومنين والمسلمين و يرحم الله المستقدمين منا والمستاخرين وانا انشاء الله بكم للاحقون (رواه مسلم جلد اول ص ۳۱۳)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، انہوں نے کہا کہ کیا میں خبر نہ دوں اس بات کی جو مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ یعنی آپ ہمیں ضرور خبر دیں۔ کہا کہ جب وہ رات ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرماتے تھے تو آپ مردانہ سے یہاں آئے تو اپنی چادر رکھی اور نعلین اتاری اور ان دونوں کو پائنتی میں رکھا اور اپنی تہبند کا ایک حصہ اپنی بچھاون پر بچھایا اور لیٹ گئے پس نہیں ٹھہرے مگر فقط اتنی دیر کہ حضور نے خیال کیا میں سو رہی۔ پس اپنی چادر آہستہ آہستہ لی اور آہستہ آہستہ جوتا پہنا اور آہستہ دروازہ کھولا پھر باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پس میں نے اپنی چادر سر پر رکھی اور اوڑھنی اوڑھی، تہبند باندھا اور حضور کے پیچھے پیچھے ہولی، یہاں تک کہ حضور بقیع تشریف لائے پس دیر تک وہاں ٹھہرے پھر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دعا کے لئے اٹھایا پھر حضور راہ سے الگ ہوئے، تو میں بھی راہ سے الگ ہوئی، حضور تیز چلے تو میں بھی تیز چلی، حضور دوڑے تو میں بھی دوڑی، پس مکان تشریف لائے تو میں بھی مکان آئی، پس ذرا پہلے پہونچی اور مکان میں داخل ہوئی تو

فقط اتنی ہی دیر ہوئی کہ میں لیٹی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میرے سانس پھول رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ: کیا حال ہے؟ تمہاری سانس چڑھ رہی ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا یا تو تم مجھے خبر دو ورنہ خداوند علیم وخبیر مجھے دے گا۔ حضرت عائشہ نے کہا میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان کہہ کر میں سارا حال بیان کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم میرے آگے آگے آ رہی تھی؟ میں نے کہا ہاں! پس میرے سینہ میں ایک دو ہتھڑ حضور نے مارا جس سے مجھے تکلیف ہوئی پھر ارشاد ہوا کیا تمہارا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا (جب یہ کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دی) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اقرار کیا اور کہا کہ انسان جس چیز کو چھپائے خدا اس کو جانتا ہے۔ ہاں میرا ایسا ہی خیال ہوا تھا کہ حضور اور کسی بی بی کے یہاں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبرئیل آئے جس وقت تم نے مجھے دیکھا تو جبرئیل نے مجھے آواز دی اور اس کو تم سے پوشیدہ کیا تو میں نے جواب دیا اور تم سے چھپایا اور جب تم سونے کے لئے لیٹی ہو، اس وقت اندر نہیں آئے، میرا خیال ہوا کہ تم سوگئی، اس لئے میں نے تمہیں جگانا ناپسند کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تنہائی کی وجہ سے تم کو پریشانی ہوگی۔ جبرئیل نے کہا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے جائیں اور ان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ! اگر ہم زیارت کے لئے جائیں تو کیا کہیں؟ ارشاد ہوا کہ تم اس طرح کہو السلام علیٰ اهل الدیار من المومنین والمسلمین ویر حم اللہ المستقدمین والمستاخرین وانشاء اللہ بکم للاحقون"۔

علامہ نووی شرح مسلم میں اس کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: "فیہ دلیل لمن جوز للنساء زیارۃ القبور و فیھا خلاف للعلماء"۔ "جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت جائز جانتے ہیں، یہ حدیث ان کو دلیل ہے اور اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے"۔

اٹھارھواں طریقہ: جمعہ، جمعرات کے دن والدین اور بزرگوں کے قبر کی زیارت کی تخصیص

ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن واسع سے راوی ہیں کہ وہ جمعہ کے دن زیارت قبور کو جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اگر دوشنبہ تک ملتوی کرتے تو اچھا ہوتا آپ نے کہا: "بلغنی ان الموتیٰ یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ و یوما قبلہ و یوما بعدہ"۔ "مجھے حدیث پہونچی ہے کہ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن قبل اور ایک دن بعد"۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۳۶ میں ہے: "علمائے کرام فرماتے ہیں یوں جاننا تو ہر روز اور وقت ہوتا ہے لیکن جمعہ کی بزرگی سے ان تین دنوں میں علم وسیع وکثیر ہوتا ہے"۔

طبرانی معجم اوسط وصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی الدنیا کتاب القبور اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن النعمان سے مرسلا راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من زرا قبور ابو یہ او احدھمافی کل جمعة غفرالله و کتب برًا''۔ ''جو شخص اپنے ماں باپ یا دو میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے دن کیا کرے، اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اور خدا کے یہاں وہ نیکو کار لکھا جائے گا''۔

اور ظاہر ہے کہ بار (فرماں بردار) ومغفور کی دعا قبول ہوتی ہے تو جو شخص جمعہ کے دن والدین کی قبر کی زیارت کو جائے اور ان کے لئے دعا واستغفار کرے تو وہ دعا بوجہ اس شخص کے مغفور ہونے کے ارجیٰ بالقبول ہے۔

''قال رحل من آل عاصم الحجدری رائت عاصمافی منامی بعد موته لسنتین و فی روایة لستین فقلت لیس قد مت قال بلی فقلت باین انت قال اناوالله فی روضة من ریاض الجنة اناو تفر من اصحابی یجتمع کل لیلة جمعة و صبیحتها الیٰ ابی بکربن عبد الله المزنی فلا تی اخبار کم قلت اجسا مکم ام اروا حکم قال ھیھا ت بلیت الا جسام وانما فلا تی الا رواح قال قلت فھل تعلمون بزیار تنا ایا کم؟ قال نعم تعلم بھا عشیة الجمعة و یوم الجمعة کله و یوم السبت الیٰ طلوع الشمس قلت و کیف ذلك دون الایام کلھا قال بفضل یوم الجمعة و عظمه''۔(رواه ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور والبیھقی شعب الایمان)

''آل عاصم جحدری سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے عاصم کو ان کے انتقال سے دو برس یا ئی سال بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں ہوا؟ کہا کیوں نہیں۔ پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟ کہا بخدا ہم جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری میں ہے۔ میں اور میرے چند احباب ہم سب لوگ ہر شب جمعہ وصبح جمعہ کو ابو بکر بن عبداللہ مزنی کے پاس جمع ہوتے ہیں تو تمہاری خبریں پاتے ہیں۔ اس خواب دیکھنے والے نے کہا کہ ہم لوگوں کی زیارت کرنے کو آپ جانتے ہیں؟ کہا ہاں! شب جمعہ اور تمام دن جمعہ اور سنیچر کو طلوع آفتاب تک۔ میں نے کہا کہ اور دنوں سے ان دنوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بولے: جمعہ کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے''۔

''وقال الضحاك من زار قبر ایوم السبت قبل طلوع الشمس علم المیت بزیارته قیل له کیف ذاك قال لمکان یوم الجمعة''۔(رواه ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور والبیھقی شعب الایمان)۔ ''ضحاک نے کہا جو شخص شنبہ کے دن قبل طلوع آفتاب کسی قبر کی زیارت کو جائے تو وہ مردہ اس کو جان لیتا ہے۔ کسی نے کہا یہ کیوں کر؟ کہا روز جمعہ کی برکت سے''۔

''عن عثمان بن سودة و کانت امة من العابدات و کان یقال لھار اھبة قال لماماتت کنت

آتيها في كل جمعة فادعولها و استغفر لها ولا هل القبور فراء يتها ليلة في منامي فقلت يا امه! كيف انت فقالت يا بني ان الموت لشديد كربة وانا بحمد الله في برزخ محمود افترش فيه الريحان و اتوسد فيه السندس والا ستبرق فقلت الك حاجة؟ قالت نعم۔ فقلت ماهي؟ قالت لاتدع ماتصنع من زيارتنا و الدعاء لنا فاني انس بمجيئك يوم الجمعة اذا اقبلت من اهلك زائرا فاب شرو بيشر بذلك من حولي من الاموات" (رواه ابن ابی الدنیا و البیهقی شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ جلد ۱۰)

''عثمان بن سودہ سے روایت ہے اوران کی ماں عابدہ تھیں جن کولوگ راہبہ کہا کرتے تھے۔عثمان نے کہا کہ جب ان کا انتقال ہوا تو میں ہر جمعہ کوان کی زیارت کے لئے جاتا تھا اوران کے اور قبرستان والوں کے لئے دعا واستغفار کرتا تھا۔ایک دن میں نے ان کوخواب میں دیکھا۔کہااے ماں! آپ کس طرح ہیں؟ کہااے میرے بیٹے !موت کی تکلیف سخت ہے اور خدا کے فضل سے میں پسندیدہ مقام میں ہوں یہاں ریحان کا بچھاون ہے ،سندس واستبرق کے گاؤ تکیے ہیں۔میں نے پوچھا کہ آپ کو کسی بات کی خواہش ہے؟ بولیں ہاں! پوچھا کیا؟ کہا کہ تم جو میری زیارت ودعا کو آیا کرتے ہو،اس کو کبھی نہ چھوڑنا۔تمہارے جمعہ کے دن آنے سے مجھے انس ہوتا ہے ،دل بہلتا ہے ۔جب تم اپنے گھر سے میری زیارت کوآتے ہوتو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میرے گردوپیش جومردے ہیں،سب مجھ کو اس کی خوشخبری سناتے ہیں''۔

انیسواں طریقہ: سال بہ سال ہرسرے سال پر زیارت کو جانا

''عن عبادبن ابی صالح ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ياتی قبور الشهداء باحد علیٰ راس كل حول فيقول سلام عليكم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قال و جاء ها ابو بكر ثم عمر ثم عثمان رضی الله عنهم فلما قدم معاوية بن ابی سفيان حاجاًجاء هم قال و كان النبی صلى الله عليه وسلم اذا واجه الشعب قال سلام عليكم بما صبر تم فنعم اجر العاملين"۔ (رواه ابن ابی شيبه وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۳۳) ''ابن ابی شیبہ نے عباد بن ابی صالح سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور کی زیارت کوتشریف لایا کرتے اور سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔راوی نے کہا حضور کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا کرتے تھے۔جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لئے آئے اور مدینہ طیبہ پہونچے تو ان کے پاس آئے۔راوی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھاٹی کے سامنے آتے تو سلام علیکم بماصبر تم فنعم اجر العاملین فرماتے''۔

"و عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی احدا کل عام فاذاتفوہ الشعب سلم علیٰ قبور الشہداء فقال سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار"۔رواہ ابن المنذروابن مردویہ۔''ابن منذروابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کو واحد تشریف لایا کرتے۔جب گھاٹیاں سامنے آتیں تو شہدائے اُحد کی قبروں کو سلام کرتے اور سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار فرمایا کرتے۔

"و عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشہداء علیٰ راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابو بکر و عمر و عثمان (رواہ ابن جریر)"۔''ابن جریر محمد بن ابراہیم سے راوی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لایا کرتے اور ان کو سلام کرتے اور اسی طرح حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کرتے''۔

ان احادیث میں اگرچہ خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کا ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے مگر یہ طریقہ چاروں خلفا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم بھی ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد۵ص ۲۹۵ میں فرماتے ہیں:''و عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشہداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار الخلفاء الا ربعة ھکذا کانو ا یفعلون"۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لاتے اور سلام فرماتے:سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار اور خلفائے اربعہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے''۔

"وروی ابن ابی شیبة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشہداء باحد علیٰ راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"۔''ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام فرمایا کرتے''۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۸۴۳)

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ ان حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کا دستور کہ ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جایا کرتے اور ان پر سلام کرتے ،مسلمانوں کے اس فعل حسن ومندوب کی دلیل اور اصل اصیل ہے کہ ہر سال بزرگان دین کا عرس کرتے اور لوگ سال بسال بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوا کرتے ،سلام،دعا استغفار وتلاوت قرآن شریف ،صدقہ وتقسیم شرینی واطعام طعام کا ثواب ان لوگوں کو ایصال کرتے

ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی کے اس اعتراض:
''وعرس بزرگان خود بر خود مثل فرض دانستہ سال بہ سال بر مقبرہ اجتماع کردہ، طعام وشیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر را وثنا بعدی کنند''۔ ''اپنے بزرگوں کے عرس میں خود پر فرض سمجھ کر ہر سال مزار پر جمع ہو کر وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم کر کے قبروں کو بتوں کی طرح پوجتے ہیں''۔ کے جواب میں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں:
''قولہ عرس بزرگان خود را لخ این طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ۔ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ رائج کس فرض نمی داند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں باہداء ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام و شیرنی امر مستحسن وخوب ست باجماع علماو تعیین روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات ست وخلف را لازم ست کہ سلف خود را بایں نوع بر واحسان نماید چنانچہ در احادیث مذکورست کہ ولد صالح یدعولہ''۔
''اپنے بزرگوں کے عرس کو الخ یہ اعتراض، اعتراض کئے ہوئے مسئلہ کے حالات نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ بجز شرعی فرائض مقررہ کے کوئی شخص عرس کو فرض نہیں جانتا ہے۔ ہاں صلحا کے مزارات سے صرف شرکت اور زیارت اور ان کی امداد (ان کو ثواب تلاوت قرآن دعائے خیر کھانا تقسیم کر کے اور شیرینی تقسیم کر کے) حاصل کرنا مستحسن اور امر خیر ہے جیسا کہ علما کے اجماع سے ثابت ہے۔ البتہ عرس کا دن مقرر کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دن محض ان کے دنیا سے دار آخرت کے جانب منتقل ہونے کا دن یاد رکھا جائے ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو باعث فلاح و نجات ہے اور خلف پر واجب ہے کہ اپنے سلف کے لئے اس طرح پر نیکی کرے جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے: نیک اولاد وہ ہے جو اپنے سلف کے لئے دعا کرے''۔
اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر ''درمنثور'' سے ابن منذر اور ابن مردویہ کی حدیث بروایت انس رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن جریر بروایت محمد بن ابراہیم جو اوپر مذکور ہوئیں سند میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح ص ۴۲۔

بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا کہ اس سے امید مغفرت ہے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۱۰۲ میں فرماتے ہیں: ''قال الشیخ محی الدین بن العربی انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من قال لا الہ الا اللہ سبعین الفا غفر اللہ تعالیٰ لہ ومن قیل لہ غفر لہ ایضا فکنت ذکرت التھلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لا حد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیھم شاب مشہور بالکشف فاذا ھو فی اثناء

الاکل اظهر البکاء فسألته عن السبب فقال اری امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهلیلة المذکورة لها فضحك فقال انی اراها الأن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفه و صحة کشفه بصحة الحدیث''۔

''سیدی شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہونچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے اتنے مرتبہ کہا جائے، اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی۔ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ ان میں ایک نوجوان کے کشف کا شہرہ تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے وہ رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً جوان ہنسنے لگا اور کہا کہ اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین بن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانا اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی''۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۲ ص ۲۷ مکتوبات چہار دہم میں فرماتے ہیں: ''بیاراں و دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ لا الہ الا اللہ بروحانیت اخوی خواجہ محمد صادق و روحانیت مرحومہ ہمشیرہ اوام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشد و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے۔ از دوستاں دعا و فاتحہ مسئول ست (الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم)''۔ ''ساتھیوں اور احباب سے فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ لا الہ پڑھ کر خواجہ محمد صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشیں اور اپنی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشیں۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے''۔

ملفوظات حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ ج ا ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حدیث صحاح ہے۔ ''من قال لا اله الا الله مائة الف مرة وجعل الثواب للمیت غفر الله لذلك للمیت وانكان موجبا للعقوبة''۔ ''جو شخص لا الہ الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے اگرچہ وہ عقوبت کا مستحق ہو''۔

اسی میں ہے: ''فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار کلمہ پڑھیں اور اس طرف رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے کہتے ہیں''۔

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے: ''بعد اس کے فرمایا کہ دعا گو نے واسطے برادرم حاجی دین محمد کے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہا۔ میرا ایک یار ہے او چھ سے برابر آتا ہے اور مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اور شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا

ہے۔ اس نے دعا گو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن و فراخ کر دیا۔''

اسی کے جلد۲ص ۲۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے: ''قوله عليه الصلاة والسلام من قال لا اله الا الله مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفرله وان كان موجبا للعقوبة'' ۔ ''جو کوئی لا الہ الا اللہ کو سو ہزار یعنی ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخشا جائے اگر چہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو''۔

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سو تسبیح ہزار ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں۔ سو آدمیوں کو دیتے ہیں وہ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش دیتے ہیں۔ ذرا دیر میں تمام ہو جاتا ہے۔ دعا گو نے بھی ہزار دانے کی تسبیح جمع کی ہے۔ اس جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا۔ مجرب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہو جائے گا۔

شیخ مدرسہ دیو بند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔ اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس ص ۳۸ میں لکھتے ہیں: ''حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بھی کلمہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علما کی تحریر، مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے لئے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہو کر قرآن شریف کے علاوہ لا الہ الا اللہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں تا کہ من قیل لہ کے تحت اس کی مغفرت ہو اور ازانجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لئے بہت سی تسبیحوں کی ضرورت ہو گی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔ اس لئے آسانی کے خیال سے چنا کا شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا فقرا پر تصدق کر دیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا بھی میت کو ثواب پہونچے۔

اکیسواں طریقہ: قرآن شریف پڑھ کر بخشنا

اب رہا یہ کہ اس کے لئے کسی سورہ کا پڑھنا خاص طور پر بھی آیا ہے یا جو سورہ یا آیت پڑھ کر اس کا ثواب بخشیں کافی ہے؟ تو کافی ہونے کے لئے تو سب کافی ہے۔

''عن ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرء حرفا من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول لكم الم حرف ولكن الف حرف ولام

حرف و میم حرف"۔ (رواہ الترمذی والحاکم والبخاری فی التاریخ) کما ھو مصرح فی الروایۃ الاخریٰ: اقرء والقرآن فانکم تو جرون علیہ اما انی لا اقول الم حرف ولکن الف حرف عشر ولام حرف عشر و میم حرف عشر فتلك ثلاثون رواہ ابو جعفر النحاس فی الوقف الابتداء والسنجری فی الا بانۃ والخطیب فی التاریخ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ"۔

''امام ترمذی اور حاکم و بخاری تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے راوی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھے، اس کو ایک حسنہ ملے گا اور ایک حسنہ کا ثواب دس گنا ہے ۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے تو جو شخص فقط الم پڑھے گا اس کو تیس نیکیاں ملیں گی ۔ ابو جعفر نحاس کتاب ''الوقف والابتداء'' اور سنجری کتاب ''الابانۃ'' اور خطیب بغدادی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قرآن شریف پڑھا کرو کہ تم کو اس کا اجر دیا جائے گا ۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، لام ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، میم ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے تو یہ تیس ثواب ہوئے''۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۰)

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ قبر پر جا کر ایک ختم کامل کرے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کو گئے تو ان کی تعریف کی اور ایک ختم قرآن شریف کیا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کار خیر ہمیشہ جاری رہے اور ان کے فرمانے کے مطابق ہوا۔ کما مر عن شرح الاحیاء نقلا عن القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم للعلامۃ شمس الدین المعروف با بن القطان اور ہندوستان میں بھی بعض بعض شہروں میں مروج ہے مثلاً بریلی شریف میں عرصہ تیس یا بتیس سال سے ہر جمعہ کے دن مزارات خاندان اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز پر جا کر طلبائے مدرسہ منظر اسلام واہل شہر دو ختم قرآن شریف کر کے اس کا ثواب پہونچاتے ہیں اور وہاں سے بہت پہلے تقریباً سو سال سے بدایوں مزارات خاندان جناب تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر محب الرسول قدس سرہ پر اہل شہر و طلبائے مدرسہ قادریہ جا کر جمعہ کو دو ختم قرآن شریف کیا کرتے اور اس کا ثواب ان بزرگوں کو بخشتے ہیں اور انصار کرام کا دستور العمل بھی حدیثوں سے ثابت ہے:

"اخرج الخلال فی الجامع عن الشعبی قال اکانت الا نصار اذامات لھم المیت اختلفوا الیٰ قبرہ یقرءون القرآن"۔ ''انصار کے یہاں جب کوئی مرتا تو لوگ اس کی قبر پر جاتے اور قرآن شریف پڑھتے''۔ (مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۸۲)

"وفی شرح اللباب ویقرء من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحۃ واول البقرۃ الیٰ المفلحون وآیۃ

الکرسی و آمن الرسول و سورہ یٰس و تبارك الملك و سورة التكاثرو الاخلاص اثنی عشرة مرة او احدی عشراو سبعا او ثلاثاثم یقول اللّٰھم او صل ثواب ماقرء ناہ الیٰ فلان او الیھم" (ردالمحتار جلد اول ص ۸۸٤)۔ "شرح لباب میں ہے اور پڑھے جو آسان ہو قرآن سے مثلاً سورہ فاتحہ، اول بقرہ مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یٰس، تبارک الملک، سورہ تکاثر، سورہ اخلاص ۱۲ یا ۱۱ یا ۷ یا ۳ بار پھر کہے خداوند جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا ان لوگوں کو پہونچا"۔

اور بعض بعض سورتیں کہ خاص طور پر حدیث شریف میں جن کے پڑھنے کا ثواب مذکور ہے، ان سورتوں کا پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے سبب بہت زیادہ باعث اجر ثواب ہے اور وہ بھی بہت ہیں جن میں بعض بعض اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

(الف) "عن علیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم قال من مر علی المقابر فقرء قل ھو اللہ احد، احد عشر مرة ثم وھب اجر ھاللا موات اعطیٰ الا جر بعدہ الاموات" (رواہ الدار قطنی عینی شرح ھدایه جلد۲ ص ١٦١١ و شامی جلد ۲ ص ۲٤۳) "دار قطنی حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اس کو ان مردوں کی بدولت ان مردوں کے برابر ثواب ملے"۔

(ب) "عن عبداللہ ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول اذامات احد کم فلا تحبسوہ واسر عوابه الیٰ قبرہ ولیقرء عند راسه فاتحة البقرة و عندرجلیه خاتمة البقرة۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان و قال والصحیح انه موقو ف علیه"۔ "بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی مرے تو اس کو مت روکو اور جلد قبر تک اس کو پہونچاؤ اور اس کے سرہانے ابتداء سورہ بقرہ مفلحون تک اور پائتی میں خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول سے آخر تک پڑھا کرو۔ یہ حدیث اگرچہ بیہقی نے مرفوعاً روایت کی مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے"۔

(ج) "عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من دخل المقابر ثم قرء فاتحة الکتاب وقل ھو اللہ احد والھکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ماقرئت من کلامك لا ھل المقابر من المومنین کانوا شفعاء له الیٰ اللہ تعالیٰ رواہ ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فوائد" (مرقات جلد ۲ ص ۳۸۲)۔ "ابو القاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص قبرستان جائے پھر سورہ فاتحہ، قل ھو اللہ احد، الھکم التکاثر

پڑھے پھر کہے خداوندا جو کچھ میں نے تیرا کلام پڑھا، اس کا ثواب مقبرہ والے مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو نذر کیا تو وہ لوگ خداوند عالم کے یہاں اس کے سفارشی ہوں گے"۔

(د) "عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقابر فقرء سورہ یٰس خفف اللہ عنہم و کان لہ بعدد من فیہا حسنات رواہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسندہ"۔ "عبدالعزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور سورہ یٰس پڑھے، اللہ تعالیٰ ان مردوں سے مواخذہ ہلکا فرمائے اور جس قدر مردے اس قبرستان میں ہیں ان کی تعداد کے مطابق اس شخص کو نیکیاں ملیں گی"۔ (مرقات جلد ۲ ص ۳۸۲)

(ہ) "عن سلمۃ بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلۃ الیٰ مقابر مکۃ فوضعت راسی علیٰ قبر فنمت فرائیت اہل المقابر حلقۃ حلقۃ فقلت قامت القیامۃ قالو الاولکن رجل من اخواننا قرء قل ھو اللہ احد وجعل ثوابہا لنا فنحن نقتسمہ منذ سنۃ۔ رواہ القاضی ابو بکر بن عبد الباقی الانصاری فی مشیختہ"۔ "قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری اپنے مشیخت میں سلمہ بن عبید سے راوی کہا: حماد مکی نے کہا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا اور سو رہا تو میں نے قبرستان والوں کو حلقہ حلقہ دیکھا۔ میں نے کہا کیا قیامت قائم ہوگئی؟ بولے نہیں لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ہو اللہ پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو ہم سال بھر سے اس کو تقسیم کر رہے ہیں"۔ (مرقات جلد ص ۳۸۲)

(و) "عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم من زار قبر والدیہ او احدھما فقرء عندہ اوعندھما یٰس غفرلہ رواہ ابوبکر بن البخاری فی کتاب السنن"۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱ ص ۸۷۵)

"ابوبکر بن نجار کتاب السنن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس سورہ یٰس پڑھے، اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے"۔

بائیسواں طریقہ: میت کیلئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا

میت کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشنا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار جلد ۲ ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں: "وروی الدار قطنی ان رجلا سألہ علیہ الصلاۃ والسلام فقال لی ابوان ابرھما حال حیاتھما فکیف لی بر ھما بعد موتھما فقال

صلى الله علىٰ وسلم ان من البر بعد الموت ان تصلي لهما مع صلاتك و ان تصوم لهما مع صومك" ۔دارقطنی نے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ میرے ماں باپ ہیں ۔ان کی حیات میں تو ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح نکوئی کر سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی روزہ رکھو"۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تذکرہ الموتی والقبور ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں: "و ابن ابی شیبا زحجاج بن دینار روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود از جملہ نیکی کردن با پدر و مادر آن ست کی نماز گذاری برائے آنہا با نماز خود و روزہ خود داری برائے آنہا با روزہ خود و صدقہ دہی از طرف آنہا با صدقہ خود"۔

"ابن ابی شیبہ حجاج ابن دینار سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے ہی سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ نماز پڑھو ان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھو ان کے لئے اپنے روزے کے ساتھ اور صدقہ دو ان کی طرف سے اپنے صدقہ کے ساتھ"۔

"و عن مالك بن دينار قال دخلت المقبره ليلة الجمعة فاذاانا بنور مشرق فيها فقلت لااله الاالله نرىٰ ان الله عزوجل قد غفرلاهل المقابر فاذاانابها تف يهتف من البعد و هو يقول يا مالك بن دينار هذه هدية المومنين الىٰ اخوانهم من اهل المقابر قلت بالذى انطقك الاخبرتنى ماهو قال رجل من المومنين قام هذه الليلة فاسبغ الوضوء وصلىٰ ركعتين وقرء فيهما فاتحة الكتاب و قل يا ايها الكفرون و قل هو الله احد و قال اللّٰهم انى قد وهبت ثوابها لاهل المقابر من المومنين فادخل الله علينا الضياء والنور والفتح والسرور فى المشرق و المغرب قاله مالك فلم ازل اقرء هافى كل جمعة فرائيت النبى صلى الله عليه وسلم فى منامى يقول لى يا مالك قد غفرالله لك بعد دالنور الذى اهديته الىٰ امتى ولك ثواب ذلك ثم قال لى و بنى الله لك بيتا فى الجنة فى قصر يقال له المنيف قلت وما المنيف قال المطل علىٰ اهل الجنة رواه ابن النجار فى تاريخه"۔

"ابن النجار اپنی تاریخ میں مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں ۔انہوں نے کہا کہ میں شب جمعہ کو قبرستان میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک نور تاباں ہے ۔میں نے کہا لا الہ الا اللہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس قبرستان والوں کی مغفرت فرمادی ۔اتنے میں سنا کہ دور سے ایک ہاتف غیبی کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ہدیہ ہے جو اپنے بھائی اس قبرستان والوں کے پاس بھیجا ۔میں نے کہا قسم اس ذات کی جس نے تجھ کو گویائی بخشی مجھے خبر دے کہ واقعہ کیا ہے؟ اس

نے کہا ایک مسلمان شخص اس شب میں کھڑا ہوا اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور ان دونوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یاایھا الکفرون اور قل ھواللہ احد پڑھا اور کہا کہ خداوندا میں نے اس کا ثواب قبرستان والے مردوں اور عورتوں کو بخشا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشنی اور نور، کشادگی اور سرور مشرق ومغرب میں داخل کیا۔ مالک کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر جمعہ کو اسے پڑھنے لگا پس میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے مالک! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا بقدر تعداد اس نور سے جو تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے اس کا ثواب ہے پھر مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے ''قصر منیف'' میں گھر بنوایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ قصر منیف کیا؟ فرمایا، جنتیوں پر سایہ کرنے والا۔ (شرح احیاء العلوم ج۲ ص ۳۷۲)

تیسواں طریقہ: کنواں کھودوا کر مردے کی طرف سے وقف کر دینا

''عن سعد بن عبادة قال یارسول الله ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بیراً وقال هذه لام سعد رواه ابو داؤد والنسائی'' ۔ ''ابوداؤد اور نسائی حضرت سعد بن عبادہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ام سعد کا انتقال ہو گیا تو کون صدقہ ان کے لئے بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا پانی بس انہوں نے کنواں کھودوا اور کہا یہ ام سعد کے لئے ہے'' (مشکوٰۃ ص ۱۶۹)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد۲ ص ۳۷۷ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''(فای الصدقة افضل) ای لروحها (قال الماء) انما كان الماء افضل لانه اعم نفعا فی الامور الدینیة والدنیویة خصوصا فی تلك البلاد الحارة ولذلك منّ الله تعالیٰ بقوله وانزلنا من السماء ماء طهورا كذا ذكره الطیبی''۔ ''کون سا صدقہ ام سعد کی روح کے لئے افضل ہے؟ حضور نے فرمایا کہ پانی اور پانی کو اس لئے افضل صدقہ فرمایا کہ اس کا نفع دین اور دنیوی سب کاموں میں عام ہے، خصوصاً ان گرم ملکوں میں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول انزلنا من السماء ماء طهورا میں پانی اتارنے پر احسان رکھا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے ذکر کیا''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اصل اس دستور ورواج کی ہے جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ مسجدوں میں نمازیوں کے غسل ووضو کرنے کے لئے گھڑا لوٹا وغیرہ بھیجتے ہیں کہ اگر کنواں نہ کھودوایا تو ہمارا بھرا گھڑا مسجد میں رہے گا۔ کوئی پیاسا پانی پئے گا، کوئی وضو غسل کرے گا تو اس کا ثواب بھیجنے والے کو یا جس کی طرف سے بھیجا گیا ہے، اس کو ملے گا خصوصاً جن گھڑوں لوٹوں سے میت کو غسل دیتے ہیں، اس کو تو غسل دینے کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے مسجدوں میں بھیج دینے کا عام دستور ہے۔ البتہ بعض جگہ اس گھڑے اور لوٹے کو جس سے میت کو غسل دیتے ہیں، میت کے ساتھ قبرستان لے جاتے ہیں اور قبر کی مٹی برابر کرنے کے بعد اس گھڑے میں بڑا سوراخ کر کے

میت کے سرہانے اور لوٹے میں سوراخ کر کے میت کے پائنتی میں رکھ دیتے ہیں کہ یہ اضاعت مال اور گناہ ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا

''عن ابن عباس ان رجلا قال یا رسول الله! ان امی توفیت افینفعها ان تصدقت عنها قال نعم قال فان لی مخرفا فاشهدك انی قد صدقت به عنها۔ رواه الترمذی ص ۸۵ وقال هذاحدیث حسن وبه یقول اهل العلم''۔ ''ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہوگیا۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو ان کو مفید ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! اس شخص نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے۔ میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اہل علم کا بھی یہی قول ہے''۔

''عن عائشة رضی الله عنها ان رجلا قال للنبی صلی الله علیه وسلم ان امی افتلتت نفسها واظنها لو تکلمت لتصدقت فهل لها اجران تصدقت عنها قال نعم'' (رواه البخاری ص ۱۵٤ و مسلم ص ۳۲٤)''امام بخاری ومسلم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا دفعۃً انتقال ہوگیا۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو ضرور صدقہ کرتیں، تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں!''

علامہ نووی شرح مسلم ص ۳۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ''وفی هذاالحدیث ان الصدقة عن المیت تنفع المیت ویصل ثوابها وهو کذلك باجماع العلماء و کذا اجمعوا علی وصول الدعاء و قضاء الدین بالنصوص الواردة فی الجمیع''۔ ''اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ دینا، مردہ کو فائدہ بخش ہے اور اس کا ثواب مردہ کو ملتا ہے، اس کو پہونچتا ہے۔ اس پر علما کا اجماع ہے اور اسی طرح اجماع ہے دعا کے پہونچنے، دین کے ادا ہونے پر ان نصوص سے جو ان سب پر وارد ہوئیں''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۲۴۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''و یستفاد منه ان الصدقة عن المیت تجوزوانه ینتفع بها''۔ ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس سے مردہ کو نفع پہونچتا ہے''۔

اسی میں ایک دوسری جگہ ہے: ''وروی احمد عن عبدالله بن عمروان العاص بن وائل نذر فی الجاهلیة ان ینحر مائة بدنة وان هشام ابن العاص نحر عنه خمسین و ان عمرواً سأل رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال اما ابوک فلو اقر بالتوحید فصمت و تصدقت عنه نفعه ذلک“
(عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۴۶)”امام احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا کہ ان کے باپ عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانا تھا کہ سو اونٹ قربانی کریں گے اور ہشام ابن عاص نے ان کی طرف پچاس اونٹ قربان کیا اور عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ توحید کا اقرار کرتا تو تم روزہ رکھتے اور اس کی طرف سے صدقہ کرتے تو نفع دیتا“۔

اور اسی میں ہے ص ۲۴۶:”و عن ابن ماکولا من حدیث ابراھیم ابن حیان عن ابیه عن جدہ عن انس رضی اللہ عنه انه قال سئالت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت انا لندعو لموتانا و نتصدق عنهم و نحج فهو یصل ذلک الیهم فقال انه لیصل الیهم و یفرحون به کما یفرح احدکم بالهدیة“۔”ابن ماکولا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہونچتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک وضرور ان کو پہونچتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی ہدیہ بھیجنے سے خوش ہوتا ہے“۔

سبحان اللہ! یہ حدیث بھی عجیب وغریب جامع انواع ثواب ہے۔ اس لئے کہ ایصال ثواب تین طرح سے ہوسکتا ہے۔ بدنی، مالی، دونوں کا مجموعہ، اس حدیث نے تینوں کو جمع کردیا ندعو لموتانا عبادت بدنی ہے۔ نتصدق عنهم ثواب مالی نحج عنهم عبادت مجموعہ مالی و بدنی ثابت ہوا کہ مردے کو ہر قسم کا ثواب پہونچتا ہے، بدنی ہو یا مالی یا دونوں کا مجموعہ۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور جلد اول ص ۷۶۳ میں فرماتے ہیں:”مستحب ست کہ تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز و تصدق از میت نفع می کند او را بے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ ست دران احادیث صحیحہ خصوصا آب و بعضے از علما گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ و دعا و در بعض روایات آمدہ ست کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم“۔

”مستحب ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے۔ اس کے دنیا سے گذرنے کے بعد سات روز تک میت کی جانب سے صدقہ کرنا میت کو نفع پہونچاتا ہے۔ اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں خصوصا بعض علما نے فرمایا ہے کہ نہیں پہونچتا ہے میت کو مگر صدقہ اور دعا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی شب کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی جانب سے لوگ صدقہ کرتے ہیں کہ

نہیں واللہ تعالیٰ اعلم"۔

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے جو لوگ کھانا وغیرہ پکوا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں تو یہ میت کی طرف سے صدقہ ہے تو چاہئے کہ صرف فقرا کو دیا جائے۔ لیکن متعارف ہے کہ اعزہ اقارب دوست احباب اغنیاء وغیرہ سب کھاتے اور سب کو کھلاتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ صدقہ واجب نہیں جو فقرا کے ساتھ خاص ہو، اغنیا کے لئے ناروا بلکہ صدقہ نافلہ ہے اور کار خیر ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ایک حدیث ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طعام میت میں شریک ہوئے تو اگر یہ ناجائز ہوتا یا قابل احتراز ہوتا تو خود حضور اقدس صلی اللہ وسلم ہرگز نہ شریک ہوتے۔

"عن عاصم بن كليب عن ابيه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة فرايت رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو على القبر يوصي الحافر يقول اوسع من قبل رجليه اوسع من قبل راسه فلما رجع استقبله داعي امرأته فاجاب ونحن معه فجئ بالطعام فوضع يده ثم وضع القومُ فاكلوا فنظرنا الىٰ رسول الله صلى عليه وسلم يلوك لقمة في فيه ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغير اذن اهلها فارسلت المرءة تقول يارسول الله !اني ارسلت الىٰ النقيع و هو موضع يباع فيه الغنم ليشترى لي شاة فلم توجد فارسلت الىٰ جارلي قد اشترى شاة ان يرسل بها الىٰ ثمنها فلم يوجد فارسلت الى امراءته فارسلت الي بها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اطعمي هذا الطعام الا سرىٰ"۔ رواه ابو داؤد البيهقي في دلائل النبوة۔

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ گورکن کو فرماتے ہیں: پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو، سر کی طرف سے فراخ کرو۔ جب بعد دفن واپس ہوئے ۔اس میت کی بی بی نے ایک آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے، نوش جان فرمایئے آپ نے قبول فرمایا اور ہم سب آپ کے ساتھ تھے، وہاں گئے کھانا سامنے آیا۔ آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر سب جماعت نے بڑھایا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دہن مبارک میں لقمہ چبا رہے ہیں اور فرو نہیں کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ اس بکری گوشت ہے جو بغیر اجازت مالک کے لی گئی ہے۔ عورت نے یہ کہلا بھیجا کہ یارسول اللہ! میں نے آدمی نقیع میں بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری خریدی جائے تو وہاں نہ ملی۔ تب میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو بکری اس نے خریدی ہے، وہ مجھ کو بقیمت دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں نہ تھا تو میں نے اس کی بی بی کے پاس آدمی بھیجا تو اس نے بے اجازت شوہر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا''۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۴۸۲ میں فرماتے ہیں: ''هذا الحديث بظاهره يرد على ماقرره اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث و بعد الاسبوع''۔ ''عاصم بن کلیب کی یہ حدیث کھلے طور پر رد کرتی ہے اس مسئلہ کو جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ پہلے روز اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کھانا تیار کرنا مکروہ ہے''۔

پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب والوں کے قول اور حدیث میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں: ''فلينبغي ان نقيد كلامهم بنوع خاص من اجتماع يوجب استحياء اهل الميت فيطعمونهم كرها اويحمل على كون بعض الورثة صغيرا اوغائبا اولم يعرف رضاه اولم يكن الطعام من عند احد معين من مال نفسه''۔ ''حنفیہ جو طعام میت کو مکروہ بتاتے ہیں، وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اجتماع ایک خاص قسم کا ہو، جس سے اہل میت شرمائیں اور شرما کر ان لوگوں کو کھلائیں یا جبکہ بعض ورثہ نابالغ ہوں یا غائب ہوں یا اس پر راضی نہ ہوں یا کم از کم رضامندی معلوم نہ ہو یا کسی خاص شخص کی طرف خود اس کے مال سے وہ کھانا تیار نہ کیا گیا ہو''۔

ہدایہ فصل صدقہ ج ۳ ص ۴۹۰ میں ہے: ''قد يقصد بالصدقة على الغني الثواب''۔ ''اغنیا کا کھلانا جس طرح ان کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے کبھی اس سے مقصود حصول ثواب بھی ہوتا ہے''۔

مجمع البحار جلد دوم ص ۲۳۸ میں ہے: ''الصدقة ماتصدقت به على الفقراء اى غالب انواعها كذلك فانها على الغني جائزة عندنا يثاب به بلاخلاف''۔ ''صدقہ اس کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جائے یعنی غالب انواع اس کا فقراء کے لئے ہوتا ہے، ورنہ غنی کو دینا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس پر بلا خلاف اجر و ثواب ملے گا''۔

خود حدیث شریف میں ہے كل معروف صدقة ہر معرف کام کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ اغنیا کو کھانا کھلانا منکر نہیں بلکہ معروف ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ اسی وجہ سے مسلمانوں میں مروج ہے کہ میت کی طرف سے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر فقراء کو کھلاتے یا تقسیم کرتے ہیں اور اس میں کبھی کبھی اغنیا کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا

''عن عائشة رضى الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امر بكبش اقرن يطاء في سواد و يبرك في سواد فاتى به ليضحي به قال يا عائشة! هلمي المدية ثم قال اشحذيها بحجر ففعلت ثم اخذها و اخذ الكبش فاضجعه ثم ذبحه ثم قال بسم الله اللهم تقبل من محمد و من

امة محمد ثم ضحیٰ به"۔ رواه مسلم ج ۲ ص ۱۵٦ ۔ ''امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے لئے ایک بکرا سینگ والا لایا جائے جس کے دونوں پاؤں سیاہ ہوں، پیٹ سیاہ ہو، آنکھیں سیاہ ہوں یعنی وہ بکرا سر سے پاؤں تک سیاہ ہو، تو ایسا بکرا لایا گیا۔ ارشاد ہوا: اے عائشہ چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا پھر حضور نے وہ چھری لی اور اس بکرے کو پکڑا اور لٹایا پھر ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ خداوندا اس کو قبول فرما محمد اور امت محمد کی طرف سے پھر قربانی کی''۔

ملا علیٰ قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲٦۱ میں لکھتے ہیں: ''قال الطیبی المراد المشارکة فی الثواب مع الامة لان الغنم الواحد لا یکفی عن اثنین فصاعدا"۔ ''علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس سے مراد امت کو ثواب میں شریک کرنا ہے۔ اس لئے کہ ایک بکری دو آدمی یا زیادہ کی طرف سے کفایت نہیں کرتی''۔

''وعن جابر قال ذبح النبی صلی الله علیه وسلم یوم الذبح بکبشین اقرنین املحین موجوئین فلما وجههما قال انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض علیٰ ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریك له وبذلك امرت و انا من المسلمین اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله الله اکبر ثم ذبح رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجة والدارمی"۔ ''یہ محدثین حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لئے دو بکرے سینگ والے خوبصورت آختہ ذبح فرمائے۔ جب ان کو لٹایا دعا پڑھی اللّٰهم انی وجهت وجهی الخ اور فرمایا کہ خداوندا یہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لئے ذبح کیا گیا ہے محمد اور امت محمد کی طرف سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا''۔

ملا علیٰ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳٦۵ میں تحریر فرماتے ہیں:

"(عن محمد) ای صادرة عنه (وامته) ای العاجزین عن متابعته فی سنة اضحیته وهو یحتمل التخصیص باهل زمانه والتعمیم المناسب لشمول احسانه والاول یحتمل الاحیاء والاموات اوالاخیر منهما ثم المشارکة امامحمولة علیٰ الثواب وا۔۱ علیٰ الحقیقة فیکون من خصوصیة ذلك الجناب والاظهر ان یکون احدهما عن ذاته الشریفة والثانی عن امته لضعیفة۔"

''یہ قربانی صادر ہے محمد اور ان کی امتیوں کی طرف سے جو سنت اضحیہ میں آپ کی متابعت سے عاجز ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ فقط انہیں لوگوں کی طرف سے ہو جو حضور کے زمانہ میں تھے یا سب کو عام ہو اور یہی شمول احسان کے اعتبار سے مناسب ہے اور اول احتمال رکھتا ہے زندوں اور مردوں سب کو یا فقط مردوں کو۔ پھر مشارکت یا تو فقط ثواب

میں ہے یا حقیقۃً قربانی مراد ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ ایک حضور کی طرف سے ہوا اور دوسری قربانی آپ کی امت ضعیف کی جانب سے۔''

''وفی روایۃ لاحمد وابی داؤد والترمذی ذبح بیدہ وقال بسم اللہ اللہ اکبر اللھم ھذا عنی و عمن لم یضح من امتی''۔ ''امام احمد وابوداؤد وترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے خود اپنے دست حق پرست سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا۔ خداوندا یہ قربانی میری طرف سے اور میری ان امتیوں کی طرف سے جنھوں نے قربانی نہ کی۔''

''وعن حنش قال رایت علیا یضحی بکبشین فقلت لہ ماھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ رواہ ابو داؤد والترمذی نحوہ''۔ ''ابوداؤد اور ترمذی نے حنش بن عبداللہ سبائی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ دو بکرا قربانی کیا۔ میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں تو میں ایک جانور ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد۲ص ۳۶۵ میں فرماتے ہیں:

''(انا اضحی عنہ) بعد موتہ امابکبشین علیٰ منوال حیوتہ او بکبش احدھما عنہ والاخر عن نفسی (فانا اضحی عنہ) قال ابن الملک یدل علیٰ ان التضحیۃ تجوز عمن مات''۔ ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو فرمایا کہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ حضور کے وصال کے بعد جس طرح آپ اپنی حیات میں دو جانور قربانی کیا کرتے تھے، اسی طرح میں بھی حضور کی طرف سے دو جانور قربانی کرتا ہوں یا دو میں سے ایک حضور کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ ابن ملک نے کہا کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہے''۔

ردالمحتار جلد۵ص ۲۲۰ میں ہے: ''وان تبرع بھا عنہ لہ الاکل لانہ یقع علیٰ تلک الذابح والثواب للمیت''۔ ''اگر کسی نے میت کی طرف سے تبرعا قربانی کی تو اس سے کھانا جائز ہے کیونکہ یہ قربانی ملک ذابح پر واقع ہوئی اور مردہ کو قربانی کا ثواب ملے گا۔'' واللہ تعالیٰ علم۔

جواب سوال سوم: ایصال ثواب کے متعدد طریقے سوال (۱) اور (۲) کے جواب میں تحریر کئے گئے۔ ان میں بعض بعض طریقے تو جملہ صحابہ کرام وصحابیات حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ وبنات طاہرات حضرت رقیہ وام کلثوم وحضرت خبیب وحضرت حمزہ وحضرت جعفر طیار ودیگر شہدائے جنگ بدر وخیبر واحد وحنین وتبوک وغیرہا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایصال ثواب کے لئے خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ صحابہ واہل بیت نے

کیا۔ جس کی قدرے تفصیل گزشتہ جواب سے ظاہر اور تفصیل مزید واقف سیر و تاریخ سے پوشیدہ نہیں اور نہ فقط ایک ہی مرتبہ بلکہ ان میں بعض بعض تو بار بار تے گئے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت ہر سال کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس سنت سنیہ کو جاری رکھا۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی زیارت کو جایا کرتیں، وہاں نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں، دعا کرتی تھیں۔

امام محمد بن محمد غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں: ''وعن جعفر بن محمد عن ابیہ ان فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور عمها حمزة فی الایام فتصلی وتبکی عنده''۔ ''حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی پردادی حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (والد کے) چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم کی قبر کی زیارت کو جایا کرتیں تو وہاں جاکر نماز پڑھتیں اور ان کے پاس روتی تھیں''۔

علامہ سید مرتضی زبیدی شرح میں فرماتے ہیں: ''وروی البیهقی فی الشعب عن الواقدی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزور الشهداء باحد فی کل حول واذابلغ رفع صوته فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار ثم ابو بکر کل حول یفعل مثل ذلك ثم عمر ثم عثمان و کانت فاطمة رضی اللہ عنها تاتیه وتدعوا و کان سعد بن وقاص یسلم علیهم ثم یقبل علیٰ اصحابه فیقول الا تسلمون علیٰ قوم یردون علیکم السلام''۔ ''بیہقی شعب الایمان میں واقدی سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب وہاں پہونچتے، بلند آواز سے فرماتے سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار کہتے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان بھی ایسا کیا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ کی زیارت کو آتیں اور دعا کرتیں تھیں اور حضرت سعد بن وقاص بھی شہدائے احد پر سلام کیا کرتے تھے اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے تم اس قوم پر کیوں نہیں سلام کرتے جو تمہارے سلام کا جواب دیں''۔

شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۳ میں ہے: ''وروی ابن ابی شیبة عن ابی جعفر ان فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور قبر حمزة رضی اللہ عنهما ترمه وتصلحه و قد تعلمته بحجر۔ و رواه بحیٰ نحوه عن ابی جعفر عن ابیه علی بن الحسین و زاد فتصلی هناك وتدعو وتبکی حتی ماتت۔'' ''ابن ابی شیبہ حضرت ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کیا کرتیں اور اس کی مرمت کرتیں، اصلاح درستگی کرتیں اور پتھر کے ذریعے علامت بنادی

تھی'' اور یحییٰ نے مثل روایت سابق ابوجعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن حسین امام زین العابدین سے روایت کیا اور اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ وہاں پڑھتیں، دعا کرتیں، روتیں۔ یہ دستور وطریقہ ہمیشہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوا۔''

معلوم ہوا کہ دو چار بار کون پوچھتا ہے، ہمیشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، حضرت امیر معاویہ، سعد بن وقاص مع جماعت احباب اور مدت العمر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھم اجمعین شہدائے احد کی سالانہ زیارت کو آیا کرتے اور سلام کرتے اور دعا کرتے رہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا اپنے احباب واصحاب سے یہ کہنا الا تسلمون علیٰ قوم یردون علیکم السلام اس حدیث کی تصدیق ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور شہدائے احد کی زیارت کی اور فرمایا:

''ان عبدك و نبيك يشهدان هولاء شهداء وانهم من زار هم او سلم عليهم الىٰ يوم القيمة ردوا عليه''۔ ''خداوندا تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں۔ قیامت تک جو شخص ان کی زیارت کرے گا اور ان پر سلام بھیجے گا یہ لوگ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

''رواه البيهقي في الدلائل و قال العطاف و حدثتني خالتي انها زارت الشهداء فسلمت عليهم فسمعت رد السلام فقالو والله اذانعر فكم كما يعرف بعضنا بعضا قالت فشعرت''۔ ''عطاف بن خالد راوی حدیث کہتے ہیں کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی پس ان پر سلام کیا تو جواب سلام سنا اور ان لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح ہمارا بعض بعض کو پہچانتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔''

''و عن هاشم بن محمد العمری من ولد عمر بن علیٰ قال اخذنی ابی بالمدينة الىٰ زيارة قبور الشهداء فی يو م جمعة بين الفحر والشمس فكنت امشي خلفه فلما انتهیٰ الیٰ المقا بر رفع صوته فقال سلام عليكم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قال اجيب وعليك السلام يا ابا عبدالله !افالتفت ابی الیّ فقال انت المحيب ؟فقلت لا فحعلنی عن يمينه ثمه اعاد السلام ثم جعل كلما سلم يرد عليه حتی فعل ذلك ثلاث مرات فخر ساجدا۔'' (رواه البيهقی) ''امام بیہقی ہاشم بن محمد عمری سے روایت کرتے ہیں کہا۔ کہ میرے والد مدینہ طیبہ میں مجھے جمعہ کے دن درمیان طلوع فجر وطلوع شمس یعنی صبح صادق کے وقت شہدائے احد کی زیارت کے لئے گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جب وہ قبرستان پہونچے، آواز بلند کی

اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار کہا۔ راوی نے کہا تو کسی نے آپ کے سلام کا جواب دیا و علیکم السلام یا اباعبداللہ اس جواب کو سن کر میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں پھر مجھے اپنی دہنے طرف کرلیا پھر سلام کیا تو جب جب سلام کرتے، جواب پاتے تھے۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ کیا تو آپ سجدہ میں گرے"۔

"و عن فاطمة الخزاعية تقول لقدراء بتنی و غابت الشمس بقبور الشهداء و معی اخت لی فقلت لها تعالی نسلم علیٰ قبر حمزة فوقفنا علیٰ قبره فقلنا السلام علیك یا عم رسول الله صلی الله علیه و سلم فسمعنا کلامارد علینا و علیکم السلام و رحمة الله قالت وما قربنا احد من الناس" (رواه البیهقی) "فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ ایک دن آفتاب ڈوبتے وقت شہدائے احد کے قبور پر میرا گزر ہوا اور میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ میں نے کہا آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے چلیں۔ ہم دونوں بہن ان کی قبر پر ٹھہرے اور ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ پر سلام ہو۔ پس ہم نے سنا کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں اور ہمارے آس پاس کوئی آدمی نہ تھا"۔

(وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۱۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعد کے مسلمان تابعین تبع تابعین، رجال ونساء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الی یوم الدین برابر سال بہ سال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ودیگر شہدائے احد کے مزارات پر جا کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام جن کے اسمائے طیبہ سوال میں درج ہیں اور ان کے علاوہ وہ حضرات صحابہ عظام جن کے اسمائے گرامی درج نہیں، ان کے حالات بھی اگر بتفصیل کتب سیر وتواریخ میں دیکھے جائیں تو ہر ایک کے لئے ایصال ثواب کے گزشتہ طریقوں سے نہ صرف ایک دو بلکہ متعدد طریقے اور وہ بھی نہ صرف ایک بار بلکہ بارہا کرنا ثابت ہوگا اور اگر بالفرض نہ سہی تو عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ سیکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں، واقعات روزمرہ ہوا کرتے اور تاریخ میں ان کا ذکر نہیں تو کیا وہ سب باتیں شدہ بے شدہ ہو جائیں گی۔ ہاں ماننے اور عمل کرنے کے لئے مطلق ثبوت کافی ہے، اگرچہ ایک شخص ایک فرد کے لئے ہو ع

در خانہ کس ست یک حرف بس ست

اور قبر پر کھجور کی شاخ کا رکھنا تو بارہا ثابت ہوتا ہے۔ جن جن حدیثوں سے قبر پر جریدہ رکھنا ثابت ہوتا ہے، امام نووی کا خیال ہے کہ وہ سب ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔ شراح بخاری اس کا رد کرتے اور بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعات

متعدد ہیں۔

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد اص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں: "وفیہ نظر لمافی حدیث ابی بکرۃ عند الامام احمد والطبرانی انہ الذی اتیٰ بالجریدۃ الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ قطع الغصنین فدل ذلک علیٰ المغائرۃ ویوید ذلک ان قصۃ الباب کانت بالمدینۃ وکان معہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ وقصۃ جابر کانت فی السفر وکان خرج لحاجتہ فتبعہ جابرو حدہ فظھر التغایر بین حدیث ابن عباس وجابربل فی حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ المروی فی صحیح ابن حبان مایدل علیٰ الثالثۃ ولفظہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مربقبر فوقف فقال ایتونی بجریدتین فجعل احدھما عند راسہ والاخری عند رجلیہ"۔ "امام نووی کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اس میں نظر ہے۔ اس لئے کہ ابوبکرہ کی حدیث میں جسے امام احمد طبرانی نے روایت کیا، یہ ہے کہ ابوبکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جریدہ لائے تھے اور انہوں نے اس کو دو حصہ کیا تھا تو یہ مغائرت کی دلیل ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کا واقعہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت صحابہ کرام کی تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ سفر میں ہوا۔ اس وقت حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے کہ حضرت جابر تنہا ساتھ ہو لئے تو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر کی حدیث میں صاف مغائرت ظاہر ہوگئی بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیح ابن حبان میں مروی ہے، وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تیسرا واقعہ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے تو ٹھہرے اور فرمایا کہ کھجور کی دو شاخیں لاؤ۔ پس ایک کو میت کے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں"۔

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: "وفی حدیث ابی بکرۃ عند احمد والطبرانی انہ الذی اتیٰ بھا الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اماما رواہ مسلم فی حدیث جابر الطویل المذکور فی اواخر الکتاب انہ الذی قطع الغصنین فھو فی قصۃ اخریٰ غیر ھذہ فان تغایر حدیث ابن عباس و حدیث جابر وانہما کانا فی قضیتین مختلفین ولا یبعد تعدد ذلک وقدروی ابن حبان فی صحیفۃ من حدیث ابی ھریرۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مربقبر فوقف علیہ فقال ایتونی بجریدتین فجعل احدھما عند راسہ والاخریٰ عند رجلیہ فیحتمل ان تکون ھذہ قصۃ ثالثۃ"۔

"ابی بکرہ کی حدیث میں امام احمد اور طبرانی کے نزدیک یہ ہے کہ ابی بکرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شاخ لائے تھے لیکن وہ جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے یعنی جناب جابر کی حدیث جو طولانی ہے اور کتاب کے آخر

میں درج ہے کہ انہوں نے دو ٹکڑے کیا تھا، یہ دوسرے قصہ میں ہے جو ان کے علاوہ ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس کی حدیث اور حضرت جابر کی حدیث میں مغائرت ہے اور یہ کہ یہ دونوں دو مختلف قصوں میں واقع ہوئے ہیں اور قصوں کا متعدد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، جبکہ ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ کے حدیث کے ایک صحیفے میں روایت فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس گزرے تو حضور اس پر ٹھہرے پھر فرمایا: لاؤ دو شاخیں پھر حضور نے کر دیا اس میں سے ایک کو سرہانے اور دوسری کو پائنتی تو احتمال اس بات کا ہے کہ یہ قصہ خود ایک تیسرا قصہ ہو"۔

علامہ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۸۷۷ میں اس پر بہت بسط و تفصیل سے کلام فرماتے ہیں: "منها ان فی متن هذا الحدیث ثم دعا بجریدة فکسرها کسرتین یعنی اتیٰ بها و کسر ها وفی حدیث جابر رضی الله عنه رواه مسلم انه الذی قطع الغصنین فهل هذه قضیة واحدة او قضیتان الجواب انهما قضیتان و المغائرة بینهما بوجوه الاول ان هذه کانت فی المدینة و کان مع النبی صلی الله علیه وسلم جماعة و قضیة جابر کانت فی السفر و کان خرج لحاجة فتبع جابر وحده الثانی ان هذه القضیة انه علیه الصلاة والسلام غرس الجریدة بعد ان شقها نصفین کما فی روایة الاع... من الاتیة فی الباب الذی بعده و فی حدیث جابر امر علیه الصلوٰة والسلام جابرا فقطع غصنین من شجرتین کان النبی صلی الله علیه وسلم استتر بهما عند قضاء حاجة فالقیٰ غصنین عن یمینه و عن یساره حیث کان النبی صلی الله علیه وسلم جالسا وان جابر اساله ذٰلك فقال انی مررت بقبرین یعذبان فاحببت بشفاعتی ان یرفع عنهما مادام الغصنان رطبین الثالث لم یذکر فی قصة جابر ما کان السبب فی عذابهما الرابع یذکر فیه کلمة الترجی فدل ذٰلك کلها علیٰ انها قضیتان مختلفتان بل روی ابن حبان فی صحیحه عن ابی هریرة انه صلی الله علیه وسلم مر بقبر فقال ایتونی بجریدتین فجعل احدهما عند راسه والاخریٰ عند رجلیه فهذا الظاهر یدل علیٰ ان هذه قضیة ثالثة فسقط بهذا کلام من ادعیٰ ان القضیة واحدة کما مال الیه النووی والقرطبی"۔

"علامہ عینی نے حدیث جریدہ کی شرح اور اس کے فوائد حدیثیہ بیان کر کے (الاسئلہ والاجوبہ) کی سرخی سے چند سوالات کر کے ان کے جوابات دیئے ہیں۔ منجملہ ان سوالوں کے ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے متن میں "ثم دعا بجریدة فکسرها کسرتین" ہے۔ یعنی ایک جریدہ لائے اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے مسلم نے روایت کیا، یہ ہے کہ خود جابر ہی نے اس کے دو ٹکڑے کئے تو یہ ایک ہی واقعہ ہے یا دو واقعے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو قصے ہیں اور دو واقعہ ہونے کی چار دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ

مدینہ طیبہ کا ہے اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اور حضرت جابر کا واقعہ سفر کا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے اور فقط حضرت جابر ساتھ ہو لئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ متن والے واقعہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شاخ کو دو آدھا کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا جیسا کہ باب آئندہ میں بروایت اعمش مصرح ہے اور جابر والی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دو درختوں سے دو شاخ لیا جس سے پردہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کیا تھا پھر جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دونوں شاخوں کو داہنے بائیں ڈال دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جابر نے حضور سے سوال کیا تب حضور نے فرمایا کہ میں دو قبروں پر گزرا، دیکھا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے تو میں نے دوست رکھا کہ میری سفارش سے ان دونوں شخصوں پر سے عذاب اٹھا دیا جائے جب تک وہ دونوں تر و تازہ رہیں۔ **تیسری دلیل**: دلیل مغایرت اور ان کے دو واقعہ ہونے کی یہ ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں عذاب کا سبب نہیں بیان فرمایا۔ **چوتھی دلیل**: یہ ہے کہ اس حدیث میں کلمہ ترجی مذکور نہیں تو یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دو واقعے علیحدہ علیحدہ ہیں بلکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے پس فرمایا کہ کھجور کی دو شاخ لاؤ۔ جب آئی تو ایک کو حضور نے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں رکھا تو یہ حدیث اپنے ظاہر لفظوں سے دلالت کرتی ہے کہ یہ تیسرا واقعہ ہے تو اس سے ساقط ہو گیا کلام اس شخص کا جس نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک واقعہ ہے جیسا کہ اس طرف علامہ نووی اور علامہ قرطبی مائل ہوئے۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شہدائے احد کی قبروں کی زیارت اور وہاں جا کر سلام کرنا، دعا کرنا، نماز پڑھنا وغیرہ بار ہا بلکہ بکرات و مرات ثابت ہے، اسی طرح قبر پر جریدہ رکھنے کا واقعہ بھی ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ بار ہا دو دو، تین تین مرتبہ ہوا۔ خود آپ نے کیا، آپ کے حکم سے صحابہ کرام نے کیا، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

رہا یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لئے کیا طریقہ برتا گیا اور کس طریقہ سے حضور کو ایصال ثواب کیا گیا۔

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ (جن کا جامع علوم ظاہری و باطنی ہونا، ان کی تصنیفات شرح آداب المریدین، مکتوبات صدی و مکتوبات دو صدی و مکتوبات بست و ہشت و ملفوظات معدن المعانی و مخ المعانی و خوان پر نعمت وغیرہ سے ظاہر و باہر ہے) کے ملفوظات مسمّی بہ مخ المعانی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ مجلس سی ونہم ص ۱۱۱ میں ہے: ذکری در نقل و عرس حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ بحوالہ تفسیر زاہدی بعد بیان واقعات دفن

مذکور و مسطور ہے:

"و بعد از نقل میان صحابہ اختلاف در امر خلافت افتاد کہ خلیفہ رسول خدا کہ باشد۔ مہاجرے می گفت از مہاجران باشد و انصاری می گفت کہ از انصاریاں باشد۔ بعضے صلح می انگیختند کہ یکے مہاجرے باشد و دیگر انصاری۔ دریں اختلاف نہ روز گزشت وایں نہ روز نہ حرم بودند۔ ہر یکے ہر روز طعامے بنام رسول علیہ السلام چنانچہ موجود بود، کردند و در حرم رسول چنداں اسباب از کجا بودے کہ طعام چنداں کردندے کہ بہمہ رسیدے۔ الغرض بعد از نہم روز صحابہ ہر یکے استدلال بریں یک چیز کردند کہ در آنچہ حضرت رسالت زحمت غالب شد از سبب ملال زحمت نتوانستند کہ در مسجد حاضر شوند و بوجود حضرت رسالت کرا مجال بودے کہ امامت کردے و چوں وقت نماز در آمد، بلال بخدمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اشارت فرمود کہ ابوبکر صدیق را بگوئے تا امامت کند۔ بلال ایں فرمان با امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسانید، ایشاں امامت کردند۔ ہمبریں صحابہ استدلال کردند کہ پیغامبر خدا امر ابوبکر صدیق را و نماز کہ یکے از ارکان دین ست، امام فرمود و بریں کار امین گردانید و خلیفہ خود گردانید کہ امامت نماز فرمود، پس جائیکہ در کار دین اورا امام گردانید و امین داشت در کار دنیا بر طریق اولیٰ امام ما باشد۔ بدیں بیا سود قرار گرفت و اجماع منعقد شد بر خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بعدہ خلافت برایشاں متعین شد۔ پس دو روز بعد از نقل اختلاف در دفن گزشت و نہ روز دریں اختلاف گزشت، جملہ یازدہ روز گزشت و دوازدہم بعد آنکہ اختلاف خلاف برخاست و ابوبکر صدیق متعین گشت، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بروح رسول علیہ الصلاۃ والسلام طعام ساختند و طعام آں مقدار ساختند کہ تمام اہل مدینہ را بس کردہ شود۔ در مدینہ افتاد امروز چیست؟ گفتند الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امروز عرس رسول خدا است و دروازدہم عرس مشہور شد۔"

"حضور کے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کے درمیان خلافت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا یعنی یہ کہ رسول خدا کا خلیفہ کون ہو؟ مہاجرین کہتے تھے کہ مہاجروں میں سے ہونا چاہئے اور انصار کہتے تھے کہ انصاریوں میں سے ہونا چاہئے اور بعض صلح پیدا کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک مہاجر اور دوسرا انصاری ہونا چاہئے۔ اس اختلاف میں نو دن گذر گئے۔ ان نو دنوں میں حضور کی نو بیویاں تھیں جن میں سے ہر ایک ہر روز جو کچھ کہ موجود ہوتا، اس میں سے ایک کھانا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے کرتی تھیں، حرم رسول میں اتنے اسباب کہاں تھے کہ اتنا کھانا کرتے جو سبھی تک پہنچ سکتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ نویں روز کے بعد صحابہ میں سے ہر ایک نے اس ایک چیز پر استدلال کیا کہ جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زحمت غالب ہوتی، اس کے بارے میں بسبب رنج و ملال اتنی زحمت نہ کر سکے کہ مسجد میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کس کی مجال تھی کہ امامت کرتا اور جب نماز کا وقت آ گیا، جناب بلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت بلال نے یہ فرمان امیر المومنین ابوبکر صدیق تک پہونچایا، انہوں نے امامت کی۔ اسی بناپر صحابہ نے استدلال کیا کہ پیغمبر خدا نے دین کے رکنوں میں سے ایک رکن یعنی نماز میں خاص کر ابوبکر صدیق کو امام بنایا ہے اور اس کام کا امانت دار شمار کیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حتیٰ کہ جناب صدیق نے نماز کی امامت فرمائی۔ لہذا جبکہ دین کے کام میں ان کو امام مقرر کیا اور امین بنایا، دنیا کے کام میں بہتر طور پر ہمارے امام ہوں گے۔ اسی بناپر یہ بات طے ہو گئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہوگیا جس کے بعد خلافت ان کے حوالہ کردی گئی پھر دوروز اختلاف خلافت اٹھ جانے کے بعد دفن کرنے میں گذر گئے اور نوروز اختلافِ خلافت میں گزرے، مجموعی طور پر گیارہ روز گزرے اور بارہویں روز بعد اس بات کے کہ خلافت کا اختلاف اٹھ چکا تھا اور ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر ہو چکے تھے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی پاکیزہ روح کے لئے اتنا کھانا تیار کیا جو تمام اہل مدینہ کو کافی ہو مدینہ میں یہ شور اٹھا کہ آج کیا ہے؟ لوگوں نے کہنا شروع کیا آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے، آج رسول خدا کا عرس ہے اور بارہویں دن عرس مشہور ہوگیا''۔

حضرت مخدوم الملک قدس سرہ العزیز کی اس عبارت اور صاحب تفسیر زاہدی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ازواج مطہرات نے کیا اور نہ فقط ایک مرتبہ بلکہ نو ازواج نے نو مرتبہ کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ و جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایصال ثواب و عرس لیا اور اس مقدار سے کھانا پکوایا کہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہوا اور نہ فقط اسی زمانہ میں ہو کر رہ گیا بلکہ اس کے بعد بھی صحابۂ عظام و مشائخ کرام و علمائے فخام بلکہ جملہ اہل اسلام برابر طرح طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے رہے اور اب تک کرتے ہیں۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد اول ص ۸۴۵ میں ابن تیمیہ کے اس خیال کا (کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اہدائے ثواب ناجائز ہے) رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وقد بالغ السبکی وغیرہ فی الرد علیه فان مثل ذلک لا یحتاج لا ذن خاص الاتریٰ ان ابن عمر کان یعتمر عنه صلی اللہ علیه وسلم عمرا بعد موته من غیر و صیته و حج ابن الموفق و ہو فی طبقة الجنید عنه سبعین حجة و ختم ابن السراج عنه صلی اللہ علیه وسلم اکثر من عشرة آلاف ختمة وضحیٰ عنه مثل ذلک''۔ ''علامہ تقی الدین سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ کے رد میں بہت مبالغہ کیا کہ اس قسم کی بات میں خاص اذن کی ضرورت نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر حضور کے وصال کے بعد مدت

الغرہ بے وصیت برابر عمرہ کرتے رہے، حضرت ابن موفق نے جو حضرت جنید کے طبقہ میں ہیں، حضور کی طرف سے حج کیا، ابن سراج نے حضور کی طرف سے دس ہزار مرتبہ سے زیادہ قرآن شریف ختم کیا اور اسی قدر حضور کی طرف سے قربانی کیا۔"

بلکہ آج تک دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی فاتحہ کرتا ہے تو پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے الگ فاتحہ کرتا ہے پھر امت کو حضور کا طفیلی بنا کر بطفیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایصال کرتا ہے تو حضور کے لئے ہر روز کتنے فاتحے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے اعداد وشمار کوئی نہیں بتا سکتا اور یہ طریقہ بزرگان دین اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ مجدد کی مکتوبات جلد سوم مکتوب بست وہشتم ص ۵۵ میں ہے: "باید کہ ہر گاہ صدقہ بمیت نیت بکند، اول باید کہ بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام ہدیہ سازد وبعد ازاں بمیت تصدق کند کہ حقوق آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام فوق حقوق دیگراں ست ونیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ ست بطفیل آن سرور علیہ وآلہ الصلوات والتحیات وایں فقیر در بعضے صدقات موتی کہ در تصحیح نیت خود را عاجز می یابد، علاجے بہ ازیں نمی یابد کہ آں صدقہ را بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام تعین نماید۔ آن میت را طفیلی ایشاں سازد، امید ست کہ ببرکت تو سط ایشاں قبول افتد۔"

"چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کرے تو پہلے آں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کر کے ہدیہ کرے۔ اس کے بعد میت کے صدقہ کی نیت کرے۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بلند ترین ہیں اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اس طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں صدقہ قبول ہو جانے کی امید ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقوں میں جب اپنی نیت کے صحیح کرنے میں خود کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو آن حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے مخصوص کردے اور جس مردے کے لئے نیت کرتا تھا، اس کو ان کا طفیلی بنادے کیونکہ توسط کی برکت سے قبول ہو جانے کی امید ہے۔"

اور مسلمانوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا رواج ودستور، وہ کیا ہے ایصال ثواب ہی تو ہے۔ نیز اذان سن کر اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامہ الخ پڑھنا تو عام مسلمانوں میں اس قدر کثرت سے رائج ہے کہ شاید ہی کوئی نمازی مسلمان اس سے غفلت کرتا ہو۔ یہ تو دن رات میں پانچ دفعہ ہر مسلمان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ہے جو زمانہ حضور اقدس صلی اللہ علیٰ وسلم سے الیٰ یومنا ھذا جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک جاری رہے گا۔

اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولانا محمد کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ

الغافلون و صل علیٰ جمیع الا نبیاء والمرسلین والملائکة المقربین والعباد الصالحین و علینا معهم اجمعین الیٰ یوم الدین۔

جواب سوال چہارم: امام اعظم کا فرزند ارجمند اور امام ابو یوسف کو ایصال ثواب کی وصیت

ایصال ثواب کا طریقہ خود امام الائمہ، سراج الامہ نے اپنی صاجزادی کو بتایا، اپنے شاگرد رشید کو بتایا۔ وہ ایسی بہترین ترکیب ہے کہ اسی پر اگر سب حنفی حضرات عمل کیا کریں تو کافی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے صاجزادے کو بیس باتوں کی وصیت فرمائی تھی جن میں ہر ایک آب زر سے لکھنے کے قابل اور ہر حنفی کے عمل کے لائق ہے۔ اس وصیت نامہ کو شیخ احمد ضیاء الدین مصطفیٰ کمشخانوی نقشبندی مجددی خالدی نے اپنی کتاب ''جامع الاصول فی الاولیاء وانواعھم'' میں درج فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۵۳۔ یہ کتاب مطبع دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصری میں ۱۳۳۱ھ میں چھپی ہے۔ یہ وہ وصایا ہیں جن کے بارے میں امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''یا بنی ارشدك الله تعالیٰ وایدك اوصیك بو صایا ان حفظتها و حافظت علیها رجوت لك السعادة فی دینك انشاء الله تعالیٰ''۔ ''اے میرے بیٹے! خدا تجھ کو راہ دکھائے اور تیری مدد کرے۔ میں تجھ کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تو ان کو یاد رکھے اور ان پر ہمیشہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے دینی سعادت کی امید کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ''۔

اسی وصیت نامہ میں ہے: ''والثالث عشران تو اظب علیٰ قراءة القرآن کل یوم و تهدی ثوابها الیٰ الرسول صلی الله علیه وسلم ووالدیك واستاذك وسائر المسلمین''۔ ''تیرہویں بات یہ ہے کہ ہر روز قرآن شریف کی تلاوت پر مواظبت کرو اور اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین اور اپنے استاذ اور تمام مسلمانوں کو ہدیہ کرو۔''

اور جو وصیت نامہ اپنے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، اسے علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے اخیر میں درج کیا ہے۔ یہ وصیت نامہ بہت طویل ہے: ''واذکر الموت واستغفر الاستاذ من اخذت عنهم العلم و داوم علیٰ التلاوة و اکثر من زیارة القبور والمشایخ والمواضع المبارکة'' (الاشباہ والنظائر ص ٦٥٤) ''ہمیشہ موت کو یاد کیا کرو اور اپنے استاذ اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ہمیشہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور بکثرت قبروں کی زیارت کیا کرو اور مشائخ کی زیارت کرو اور مقدس و متبرک مقامات کی زیارت کو جایا کرو۔''

فقہ کی کتابیں تو ایصال ثواب کے طریقوں سے بھری ہیں، جن میں سے بعض بعض عبارتیں اوپر گزریں اور

تطویل کے خوف سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہ دیکھی اور جب خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نہ فقط تصریح بلکہ اپنے صاجزادے کو تاکیدی حکم، شاگرد رشید کو ہدایت موجود تو اگر بالفرض فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو، جب بھی مضائقہ نہیں کہ لاعطر بعد عروس۔

خداوند عالم کا ہزار شکر ہے کہ مسئلہ ایصال ثواب کے متعلق چاروں سوالوں کے جواب سے فراغت ہوئی اور آیات قرآنیہ کے ارشادات، نصوص نبویہ کے افادات، علمائے کرام کی تصریحات نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کے طریقے خود قرآن شریف سے ثابت، احادیث سے ثابت، علمائے کرام کی عبارات سے ثابت، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ثابت، خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت، دیگر صحابہ کرام کے معمول سے ثابت، علمائے عظام کے دستور تعامل سے ثابت، عام مسلمانوں کے مراسم ورواج سے ثابت، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع واتفاق ہے۔

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے:

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر زبردست روشنی ڈالی ہے۔ معتزلہ کے دلائل کا ذکر کر کے ان کے مفصل جوابات دیے ہیں۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۰۷ میں ہے: ''وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات خلافاللمعتزلة تمسکا بان القضاء لایتبدل و کل نفس مرهونة بما کسبت والمرء مجزی بعمله لابعمل غیرها ولنا ماروی فی الاحادیث الصحاح من الدعاء للاموات خصوصافی صلاة الجنازة وقد توارثه السلف فلولم یکن للاموات نفع فیه لما کان له معنی وقال علیه السلام مامن میت تصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الا شفعوا فیه وعن سعدبن عبادة انه قال یا رسول الله ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل؟ قال الماء فحفربیراوقال هذه لام سعد وقال علیه السلام الدعاء یردالبلاء والصدقة تطفی غضب الرب وقال علیه السلام ان العالم والمتعلم اذامرا علیٰ قریة فان الله یرفع العذاب عن مقبرة تلك القریة اربعین یوما والا حادیث والآثار فی هذاالباب اکثر من ان یحصیٰ''۔

''مردوں کے لئے زندوں کے دعا کرنے اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ دینے میں مردوں کا نفع ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ اہل سنت کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک زندوں کا عمل مردوں کے لئے بالکل بے اثر غیر مفید ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قضا بدلی نہیں جاتی اور ہر نفس اپنی کمائی کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر آدمی کو اس کے عمل

کی جزا ملے گی، نہ دوسرے کے عمل کی اور ہماری دلیلیں وہ صحیح حدیثیں ہیں جن میں مردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے، خصوصاً نماز جنازہ میں کہ اس کو سلف سے خلف تک لوگ برابر کرتے چلے آئے ہیں تو اگر اس میں مردے کا کوئی نفع نہ ہوتا تو نماز جنازہ پڑھنے کے کوئی معنی نہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مردہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد سو ہو نماز پڑھے اور ہر ایک اس مردہ کی شفاعت کرے تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا تو کون سا صدقہ ان کے لئے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ بس انہوں نے کنوا کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا بلا کو ٹالتی ہے اور صدقہ خدا کے غضب کو بجھاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عالم اور طالب علم جب کسی بستی میں گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس بستی کے گورستان پر سے چالیس دن عذاب اٹھالیتا ہے اور اس بارے میں آثار اور حدیثیں حد شمار سے باہر ہیں۔"

اس جگہ کسی خاص صورت کے متعلق یہ شبہ عام خیالوں میں گزر سکتا ہے کہ اگر یہ کار خیر باعث اجر و ثواب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وغیرہم تم سے پہلے کیے ہوتے، اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ دیندار تھے، جس کی قدرے جھلک ان سوالوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اب اس قسم کے شبہات و توہمات کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ شبہ نہ صرف قرن اول بلکہ خلفائے راشدین بلکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کے وقت پیدا ہو کر صاف و صریح جواب سے دفع ہو چکا ہے جو نہ صرف ہائی کورٹ کی نظیر بلکہ پریوی کی نسل کی نظیر کی طرح ہے جو کسی کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتی۔

امام بخاری صحیح بخاری جلد دوم باب جمع القرآن میں فرماتے ہیں: "عن زيد بن ثابت قال ارسل الى ابو بكر مقتل اهل يمامة و اذا عمر بن الخطاب عنده فقال ابو بكر ان عمراتانى فقال ان القتل قد استحر بقراء القرآن وانى اخشىٰ ان يستحر القتل بالقراء فى المواطن فيذهب كثير من القرآن وانى ارىٰ ان تامر بجمع القرآن فقلت لعمر كيف تفعل شيئالم يفعله رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال عمر هذا والله خيرفلم يزل يراجعنى حتى شرح الله صدرى لذلك ورايت فى ذلك الذى راى عمر فقال زيد قال ابو بكر انك شاب عاقل لا نتهمك و قد كنت تكتب الوحى لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو كلفونى نقل جبل من الجبال ماكان اثقل على مماامرنى به من جمع القرآن قلت كيف تفعلان شياء لم يفعله رسول الله صلى

الله عليه و سلم قال والله هو خير فلم يزل ابو بكر يرافعني حتىٰ شرح الله صدري للذي شرح له صدر ابي بكر و عمر فتتبعت القرآن اجمعه من العصيب واللخاف وصدرالرجال ووجدت اخر سورة التوبة مع ابي خزيمة الانصاري لم احدها مع غيره لقد جاء كم رسول من انفسكم حتىٰ خاتمة برأة فكانت الصحف مع ابي بكر حتى توفاه الله ثم عند عمر حياته ثم عند حفصة بنت عمر"۔ (رواه ابو داؤد الطيالسي وابن سعد والامام احمدفي مسنده والمديني و الترمذي والنسائي وابن جرير وابن ابي داؤد في المصاحف وابن المنذر وابن حبان والطبراني في الكبير والبيهقي في شعب الايمان، كنز العمال جلد اول ص ۲۷۹)

''جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جناب امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یوں ہی لڑائیوں میں حافظ شہید ہوتے گئے تو بہت سا حصہ قرآن شریف کا جاتا رہے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کروگے؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے سے موافق ہوگئی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید کو بلا کر قرآن شریف جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم جوان عقلمند شخص ہو، ہم تم کو متہم نہیں جانتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف لکھا کرتے تھے، تم قرآن شریف کو تلاش کرو اور جمع کرو حضرت زید کہتے ہیں: بخدا! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں اور دشوار نہ ہوتا جس قدر کہ ان کا یہ حکم قرآن شریف کا جمع کرنا مجھے شاق گزرا۔ میں نے کہا: آپ دونوں کس طرح وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا، حضرت ابوبکر نے فرمایا، بخدا وہ کام بہتر ہے۔ پھر ہمیشہ مجھ سے ابوبکر بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن شریف تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو جمع کرنے لگا کھجور کی شاخ اور باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اور آخر سورہ توبہ یعنی لقد جاء کم رسول من انفسکم آخر تک کو فقط ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے سوا اور کہیں نہ ملا تو یہ قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دیدی پھر تا زندگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے وصال کے بعد حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا''۔

اس وقعہ اور اس حدیث نے مسلمانوں کے لئے ایک شاہراہ عام کھول دی کہ کسی کام کے کرنے کے لئے اس امر کو نہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کام کیسا ہے؟ کار خیر ہے یا شر، اگر کار خیر ہے؟ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین عظام نے نہیں کیا ہو تب بھی کرنا چاہئے۔ اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ جمع قرآن شریف اس کی پہلی مثال ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موقع پر یہ دیکھتے ہیں کہ قرون ثلثہ میں ہوا یا نہیں؟ لیکن جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہوتا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا۔ ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے۔ بلکہ یہی جواب فرمایا گیا کہ اگر چہ حضور نے نہیں کیا، پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن شریف باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ مخالفین جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کوئی بات خلاف شرع نہ ثابت کر سکے تو جمع قرآن کی بدعت کا الزام دھرا۔ افسوس کہ جو اعتراض مخالفین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے، آج وہ اعتراض سنی حضرات خود اپنے ہم مذہب و ہم مشرب سنیوں پر کرتے ہیں''۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ ص ۹ باب جمع القرآن میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''وقد تسول بعض الرافضة ان يتوجه الاعتراض على ابى بكر بما فعله من جمع القرآن فى المصحف فقال كيف جاز ان يفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى علبه وسلم والجواب انه لم يفعل ذلك الابطريق الا جتهاد السائغ الناشى عن النصح منه لله و لرسوله ولكتابه ولامة المسلمين ولعامتهم''۔ ''رافضیوں کو شیطان نے بہکایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع قرآن کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں جائز ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ فعل اپنے اجتہاد سے کیا جس کا منشا اللہ و رسول کی کتاب، امت اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے''۔

اسی میں ہے: ''واذا تامل المنصف مافعله ابو بكر من ذلك جزم بانه يعد فى فضائله و نبوة بعظيم منقبته لثبوت قوله صلى الله عليه وسلهم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها فما جمع القرآن احد بعده الاكان لهمثل اجره الىٰ يوم القيمة''۔ ''اور جب انصاف پسند شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کام میں تامل کرے گا تو یقین کرے گا کہ یہ فعل ان کا ان کے فضائل و کمالات میں شمار کرنے کے قابل ہے اور ان کے عظیم الشان منقبت و تعریف کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

کہ جو شخص جاری کرے کوئی اچھا کام تو اس شخص کے لئے اس کام کا اجر ہے اور ان لوگوں کا اجر جو اس کام کو کریں گے تو آپ کے بعد جتنے لوگ قرآن شریف جمع کریں گے، لکھیں گے، اس کا اجر وثواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"

چونکہ اس قسم کا شبہ طریقت، شریعت، عقائد، اصول سب میں ہوسکتا ہے۔ اسی لئے ہر فن والوں نے اس شبہ کی دفع کی طرف توجہ کی اور اپنی کتابوں میں اس شبہ کا جواب لکھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی القول الجمیل میں طریقہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے اوراد واشغال ذکر کرکے فرماتے ہیں: "ولا تظنن ان النسبة لا تحصل الا بهذه الاشغال بل هذه طرق لتحصيلها من غير حصر فيها و غالب الرای عندی ان الصحابة والتابعين كانوا يحصلون السكينة بطرق اخرىٰ (الىٰ قوله) و هذا المعنى هو المتوارث عن رسول الله صلى الله عليه و سلم من طريق مشائخنا لا شك فى ذلك وان اختلف الالوان و اختلفت طرق تحصيلها"۔

مولوی خرم علی صاحب بلہوری اس کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس پوری عبارت کا ترجمہ اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کا فائدہ بیان کرکے لکھتے ہیں:

"مترجم کہتا ہے کہ حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں، وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طریق اس کے تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بہ سبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی جیسے صحابہ کرام کو قرآن وحدیث کے فہم میں قواعد صرف ونحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں"۔ واللہ تعالیٰ اعلم (القول الجمیل مع ترجمہ شفاء العلیل ص ۹۰)

مترجم صاحب حضور خورشید رسالت پر حاشیہ لکھتے ہیں "اس کی مثال ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے، ہر چیز پڑھ لے سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہوگیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کے لئے۔ پس صحابہ رضی اللہ

عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کیے ہوئے تھا، کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کے لئے نہ تھی۔ فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا، اب چلوں میں وہ حاصل نہیں ہوتا اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضور کے حاصل کرنے کے لئے۔"

اسی میں ص ۴۱ پر مولانا حاشیہ میں فرماتے ہیں: "اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیأت واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے، جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔"

جناب شاہ ولی اللہ صاحب و جناب شاہ عبدالعزیز صاحب و مترجم صاحب کی ان تمام عبارتوں کو پیش نظر رکھنے والا باآسانی اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ جب تک آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، ایصال ثواب کے لئے کسی خاص طریقے کی حاجت نہ تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط نماز پڑھا دینا ہی گنہگار سے گنہگار کی نجات کے لئے کافی تھا۔ کما یدل علیہ حدیث: "ان ھذہ القبور مملوۃ ظلمۃ وانا انورھا بصلاتی علیھا۔ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں اور میں نماز پڑھ کر ان کو منور کرتا ہوں"۔

لیکن جب آفتاب رسالت غروب کر گیا تو طرح طرح کی ترکیب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے علما ومشائخ نے قرآن وحدیث سے اخذ کر کے ایصال ثواب کے طریقے نکالے جس سے دفع سیئات ورفع درجات ہوا۔ اس پر اعتراض اپنے کمال دانشمندی کا ثبوت دینا اور اکابر اولیائے کرام خصوصاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کو مورد اعتراض وہدف ملامت بنانا ہے۔ اس قسم کے شبہ کا رد نہ صرف صوفیائے کرام ہی نے کیا بلکہ جن علمائے کرام نے عقائد میں کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی اس شبہ واہیہ کا رد کیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں: "وقد کانت الاوائل من الصحابۃ والتابعین رضوان اللہ علیھم اجمعین لصفاء عقائدھم ببرکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقرب العھد بزمانہ وقلۃ الوقائع والاختلافات وتمکنھم من المراجعۃ الی الثقات مستغنین عن تدوین العلمین وترتیبھما ابوابا وفصولا وتقریر مقاصدھما فروعا واصولا الی ان حدثت الفتن بین المسلمین الخ" (شرح عقائد ص ۳) "سلف صالحین، صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قرب زمانہ رسالت کی برکت سے اور واقعات واختلافات کے کم ہونے اور ثقہ لوگوں کی طرف مراجعت کا موقع پانے کی وجہ سے ان دونوں علموں کے جمع کرنے اور ان کو باب وفصل میں ترتیب دینے اور مقاصد کو فروع واصول پر مقرر کرنے سے

مستغنی تھے۔ یہاں تک مسلمانوں میں فتنے پیدا ہوئے اور ائمہ دین سے بغاوت اور راویوں کا اختلاف اور بدعت و خواہش نفسانی کی طرف میلان ظاہر ہوا اور فتاویٰ و واقعات زیادہ ہوئے اور مبہم اور مشکل باتوں میں علما کی طرف رجوع کرنے لگے، تب علما نظر و استدلال اور اجتہاد و استنباط کی طرف متوجہ ہوئے''۔

علامہ سعد الدین تفتازانی کی غرض اس عبارت سے اسی شبہ واہیہ کا استیصال ہے جیسا کہ اس کے محشیوں نے تصریح کی۔

علامہ حسن شہید حاشیہ شرح عقائد ص ۶ میں لکھتے ہیں: ''قوله قد كانت الخ دفع لمايوهم كون ذلك العلم مردودو اوحر امالئلا يحجم الشارع عن شروعه و كان ماسبق تمهيد اه۔ حاصله ان الا بحاث الكلامية بدعة لعدم اشتغال الاوائل بهاو الالنقل الينا لتوفر دواعيه كما نقل اشتغالهم بالمسائل الفقهية و كل بدعة ردبخبره عليه الصلاة والسلام و حاصل الدفع ان اريد عدم اشتغالهم بها مطلقا فهو باطل لان الآيات على اثبات الصانع و صفاته و اثبات النبوة و الردعلى المنكرين اكثر من ان يحصى فكيف يمكن ان يقال انهم لم يخوضوا فى هذه الا دلة و ان اريد عدم اشتغالهم بها على تدوينها و على تقرير مقاصدها فروعا و اصولا كما اشتغلنا نحن فمسلم لكن هى فى هذا الامر كالفقد و ليس لكونها مردودة بل لما ذكره من صفاء الخ فاشتغالنا بالفقه اه''۔

''شارح کا یہ قول قد كانت الخ جواب اس وہم کا ہے جو متوہم ہوتا ہے کہ یہ علم مردود و حرام ہے۔ یہ دفع اس لئے ہے کہ شروع کرنے والا شروع کرنے سے باز نہ رہے اور گزشتہ مضمون اسی کی تمہید ہے۔ خلاصہ اعتراض و وہم کا یہ ہے کہ ابحاث کلامیہ بدعت ہیں۔ اس لئے کہ سلف صالحین اس کی طرف مشغول نہ ہوئے ورنہ ضرور ہم تک منقول ہوتا، کیونکہ اس نقل و روایت کے دواعی کثیر ہیں۔ جس طرح ان کا فقہ کے ساتھ مشغول ہونا منقول ہوا اور جب وہ مشغول نہ ہوئے تو بدعت ہوا اور ہر بدعت بحکم حدیث نبوی علیٰ صاحب الصلاۃ والتحیۃ مردود ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عدم مشغولی سے مراد مطلقاً عدم مشغولی ہے تو یہ بالکل باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت کے اثبات اور منکرین کے رد کی آیتیں حد شمار سے باہر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ سلف صالحین نے ان آیات میں غور و خوض نہ کیا اور اگر یہ مراد ہے کہ علم و فن مدون نہ کیا، اصول و فروع معین نہ کیا، جس طرح ہم لوگ اس کے ساتھ مشغول ہیں تو بیشک یہ مسلم ہے مگر یہ عدم مشغولی اس وجہ سے نہیں کہ یہ علم مردود ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو شارح علیہ الرحمۃ نے ذکر کی کہ صفائے عقائد کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی تو ہم لوگوں کا اس علم کے ساتھ مشغول ہونا بدعت حسنہ ہے، جس طرح فقہ کے ساتھ مشغول ہونا''۔

علامہ خیالی اسی مضمون کونہایت ہی نفیس قل و دل طریقے سے بیان کرتے ہیں: ''وقد کانت الاوائل تمھید لبیان الشرف وغایۃ مع الاشارۃ الیٰ دفع مایقال من ان تدوین ھذا العلم لم یکن فی عھد النبی علیہ السلام و لافی عھد الصحابۃ والتابعین ولو کان لہ شرف و عاقبۃ حمیدہ لما اھملوہ'' ۔''مصنف کاقول و قد کانت الاوائل الخ اس علم کے شرف اورفضیلت کی تمہیداوراس کی غایت کابیان اوراس اعتراض کے دفع کے طرف اشارہ ہے کہ علم کلام کی تدوین نہ زمانہ رسالت میں ہوئی ،نہ عہد صحابہ وتابعین میں ۔تواگراس علم میں کوئی خوبی ہوتی اوراس کاانجام محمود ہوتا توسلف صالحین ہرگزاس کوچھوڑ نہ دیتے'' ۔(خیالی ص ۹)

اسی طرح مولاناعبدالحق صاحب خیرآبادی شرح مسلم الثبوت میں منطق کے متعلق اس شبہ کودفع فرماتے ہیں ۔ملاحظہ ہوص ۳۱: ''و یعلم ان النظر قدیقع فیہ الخطاء من جھۃ الصورۃ وقد یقع من جھۃ المادۃ فلا بد من عاصمہ عن الخطاء والعقل الکامل عاصم عن الخطاء بحسب الفطرۃ السلیمۃ و لایحتاج فی العصمۃ الیٰ المنطق اصلاکما ھو للصحابۃ و من تبعھم اذببرکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقرب نزول الوحی کانت عقولھم کاملۃ غیر مشوبۃ بالوھم واذھانھم کانت قویۃ وقرائحھم جیدۃ واما امثالنا فلبعد زماننا عن زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وظھور الفسق والفساد و کثرۃ المشاجرات والاختلافات محتاجون فی العصمۃ عن الخطاء من جھۃ الصورۃ الیٰ المنطق و من جھۃ المادۃ الیٰ مباحث الامور العامۃ والجواھر والاعراض فوجب لنا ھذہ العلوم بعد وجوب النظر ایضا اھ''۔

''جاننا چاہئے کہ نظر میں کبھی غلطی صورت کی جہت سے واقع ہوتی ہے اورکبھی مادہ کے جہت سے توایسے علم کی ضرورت ہوئی جوخطاسے بچائے اورعقل کامل باعتبارفطرت سلیمہ خطاسے بچانے والی ہے اورایسے شخص کومنطق کی اصلا ضرورت نہیں جیسے صحابہ وتابعین تھے ۔اس لئے کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اورنزول وحی سے قرب زمانہ کی برکت سے ان کی عقلیں کامل تھیں ،آمیزش وہم سے مبراتھیں اوران کے اذہان قوی تھے اورطبیعتیں جیدتھیں لیکن ہم جیسے لوگ توزمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری ،فسق وفسادات کے ظہور،مشاجرات واختلافات کی کثرت کی وجہ سے خطاسے بچنے کے لئے صورت کے اعتبارسے منطق اورمادہ کے اعتبارسے مباحث امورعامہ ،جواہرواعراض کے محتاج ہیں توہمارے لئے وجوب نظر کے بعدبھی ان علوم کی ضرورت ہے اوران علوم کاجاننا واجب ہے''

بالجملہ ہرعلم وفن والے علماءزمانہ رسالت اورصحابہ وتابعین کے لئے بوجہ آفتاب رسالت وقرب عہد بابرکت شرف ومزیت مانتے اورجانتے ہیں کہ جوباتیں ان کوبے کسب وحت حاصل ہوتی تھیں ،ان کے لئے ہم لوگوں کومجاہدہ وریاضت سعی ومشقت کرنی ہوگی ۔یہ خیال خام ہے کہ جب انہوں نے نہ کیاتوہم کوکرنا ناروا ہوگا بلکہ بوجہ بعدزمانہ خیرو

برکت عہد رسالت ریاضت ومحنت اور اوضاع واطوار میں تا حد اجازت شرع جدت کرنی ہوگی اور یہ سب جائز وکار خیر مطابق شرع شریف ہی سمجھا جائے گا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم'' ص ۷ لکھتے ہیں: ''اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشند ولہٰذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طرق ودر تجدید اشغال کوششہا کردہ اند۔ بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست، تعیین کردہ شود۔''

دیکھئے جو لوگ بدعت پر سخت دار وگیر کرتے ہیں، وہ بھی نئے نئے طریقے اور او واشغال کے نکالنے اور ان اشغال جدیدہ کو درج کتاب کر کے دوسروں کو ان نئے نئے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان نئی نئی باتوں پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اگر یہ طریقے شرعاً جائز ہوتے تو تم سے پہلے صحابہ ضرور کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب باتوں کا ضرور حکم دیتے، یہ سب اوہام وخیالات ہیں۔ شیطان کی ایک زبردست چال یہ ہے کہ نہی عن المنکر کے پردہ میں عمل بالمعروف سے روکتا ہے۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ خداوندا! اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے شرع کے موافق جائز کاموں کی توفیق دے اور ممنوعات ومنہیات شرعیہ سے بچا آمین ثم آمین۔

قصد تھا کہ ان چاروں سوالوں کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کردیئے جائیں مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' (۱۳۵۴ھ) رکھا جائے۔ خداوندا! اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل وتصنیفات کی طرح قبول فرما اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس سے فائدہ پہونچا وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو حسبی ونعم الوکیل وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سید نا محمد والہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ الفقیر ظفرالدین القادری الرضوی

غفرلہ وحقق املہ لثمان خلون من جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ۔

☆☆☆☆☆

مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ از کلکتہ رسولپور، پر گنہ گڑھ مریٹھ، مرسلہ منشی فدا حسین وحافظ عبدالحکیم وشیخ محبوب الٰہی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دربارۂ عرس متعارفہ مروجہ جو صوفیائے زماں روز انتقال اولیاء اللہ وغیرہ بزرگان کے مقابر پر ہمیشہ بقید تاریخ رحلت وصال مزبورہ بہ ثبوت اس کے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ہر سال قبور شہدائے اُحد پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار اہتمام بلیغ رکھتے ہیں۔ پس علمائے دین وائمہ مجتہدین واصحاب متصوفین متقدمین ومتاخرین اس امر میں جن کے قول وفعل باتفاق جمہور امت محمدیہ اولے الفضل والکمال وارباب الوجد والحال قابل التسلیم واجب العمل ہوں، جبکہ مجالس ہجوم زناں و تماشائے مرداں، آثار شرکیہ وارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ لہو ولعب وطوائفان رقاصات آلات مزامیر وغیرہ سے خالی ہوں، کیا حکم قائم رکھتے ہیں اور قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟ اعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وائمہ ہدیٰ میں سے آیا کسی کی قبر کے ساتھ یہ عمل واقع ہوا یا الحال دیار عرب وعجم وغیرہ میں سلسلہ ہذا جاری ہے یا نہیں؟ اور موجد اس کا کون شخص ہوا ہے؟ مجوزین جواس پر حدیث مذکور پیش کر کے استدلال لاتے ہیں، طرف ثانی سے ممنوع ہونے میں کیا جواب ہے؟ ہندوستان میں جن مقابر بزرگان پر ایام عرس وغیرہ میں طوائفان مزین ہو کر باساز ومزامیر رقص ومجرا کیا کرتی ہیں ونیز اکثر گروہ نسوان اہل قبور سے بطریق حاجت برآری یعنی شرک منت ونیاز وزیارت مجتمع ہوتی رہتی ہیں۔ والیانِ ملک اسلام اور مسلمانانِ اہل اختیارات وذی قوت ایسے لوگوں کو غیر ملحوظ احترام شریعت غراء اور رخنہ انداز ملت بیضا اور معلن بہ فسق وگناہ ہیں، بزجر وسختی روک دیے جائیں یا نہیں؟ اور در صورت عدم ممانعت ہر مسلمان صاحب قدرت سے مواخذہ روز حشر باقی رہے گا یا نہیں؟ عورتوں کو زیارت قبور کے باب میں واضح کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی رضی لنا الاسلام دینا وجعلنا من خیر الامم قطعا ویقینا۔ وافضل الصلوات، اکمل التسلیمات علیٰ من نزل علیہ الکتاب لکل شیء تبیینا وارسلہٗ داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا مبینا۔ کمل فیہ الکمال ونزھہ من کل عیب وشین فھو لکل من وافیٰ یوم القیامۃ شرف وملجأ وزین سید نا النبی الامی خاتم النبیین عروس مملکۃ رب العلمین ہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدً اعبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ اولی الجاہ الذین جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ ومنھم من قاتلوا وقتلو اقتالوا امالا ینالہٗ ذوالطول۔ ان زارھم النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم والخلفاء الراشدون علیٰ رأس کل حول وعلی ابنہ الامین المکین محی الاسلام والملۃ والشریعۃ والدین واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین الی یوم الدین وعلینا معھم وبھم یا ارحم الراحمین۔ وبعد!

فیقول العاجز الیٰ اللہ القوی احد خدام الباب الرضوی عبید المصطفی ظفر الدین

المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی العظیم ابادی البهاری المجروی۔ عامله الله بلطفه الخفی و فضله الوفی فی الحاضر و الآتی مستعینا باللہ الکریم ورسوله الکریم وابنه الغوث محی الدین واولیائه اجمعین فی فتح الباب ودفع الحجاب عن وجه الصواب مسمی الجواب بالاسم التاریخی "مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس" اللّٰهم اجعله خالصا لوجه الکریم ومکفر الذنوب بکرمك العمیم وهادیا للضالین والمضلین۔ آمین! انك علیٰ کل شئ قدیر وبالاجابة جدیر۔

عرس متعارف مذکور فی السوال کہ ہجوم زنان وتماشائے مردمان آثار شرکیہ وارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ ولہو لعب وطوائفان رقاصان وآلات مزامیر وغیرہ سے خالی ہو، بلاشبہ جائز ودرست ہے کہ الامور بمقاصدها کما فی الاشباه والنظائر لافضل المتاخرین مولانا زین العابدین بن نجیم الحنفی۔ اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب فاتحہ وقرآن خوانی ہے، تحصیل خیر وبرکات ہے اور یہ دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔ اہل سنت وجماعت کثر هم الله تعالی کی کتب تو اس سے مملو ومشحون ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ وہابی پارٹی کو بھی اس میں کلام کا موقع نہیں کہ سرگروہ طائفہ

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں: "نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست۔ چہ ایں معنی بہتر وافضل است"۔

ناصر ملت وہابیہ رشید احمد صاحب کے فتاوی رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں ہے: "ایصال ثواب ہر روز درست اور موجب ثواب ہے"۔

ان کے محرر مذہب مولوی خلیل احمد صاحب انبہٹی کے براہین قاطعہ ص ۱۳۳ میں ہے:

"اور مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب مستحسن اور مندوب ہے"۔

رہا تحصیل خیر وبرکات، کوئی جاہل سا جاہل بلکہ پاگل سا پاگل بھی بشرطیکہ وہابی نہ ہو، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے فائدے کی طلب ٹھیک نہیں اور یہ برا ہے اور ممنوع ہے۔ باقی تخصیص وتعیین یوم رحلت اور ہر سال کے بعد اسی دن کو کہ یوم انتقال ہے، خاص کرنے کا جواز متعدد اسناد سے ثابت۔

سند اول ودوم: "حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ہر سال کے سرے پر شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ کما اخرجه محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراهیم قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یاتی قبور الشهداء علیٰ رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار، وابو بکر و عمر

عثمان اه كذا اخرجه ابن المنذر وابن مردويه عن انس رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان ياتى احد اكل عام فاذاتفوه الشعب سلم على قبور الشهداء فقال سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار قاله الامام الجليل الجلال السيوطى الشافعى فى الدرالمنثور فى تفسير القران بالماثور و زاد الامام فخر الملة والدين الرازى الشافعى خاتم الخلفاء امير المومنين على بن ابى طالب كرم الله تعالى وجهه الكريم فقال والخلفاء الاربعة هكذا يفعلون"۔

"ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال اُحد تشریف لے جاتے اور جب گھاٹیاں سامنے آتیں قبور شہداء کو سلام کرتے۔ سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار فرماتے یعنی سلامتی ہو تم پر اس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا، پس کیا اچھا ہے عاقبت کا گھر، اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ایسا ہی کرتے"۔ والحديث نقله الحافظ ابن حجر المكى فى حسن التوسل عن ابن الحاج بهذا اللفظ "قال كان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يزور الشهداء باحد فى كل حول واذابلغ الشعب رفع صوته فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار ثم ابو بكر رضى الله تعالى عنه ورواه ابن ابى شيبة فى مسنده عن عبادبن ابى صالح رضى الله تعالى عنه۔

اس استدلال پر مولوی اسحٰق صاحب دہلوی کے مائۃ مسائل مطبوعہ مصطفائی ۱۲۸۳ھ ص ۲۹ پر یہ شبہ دیکھنے میں آیا کہ اولاً یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ اس کتاب کی ہے کہ "اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح، حسن، ضعیف، بلکہ موضوع بھی موجود ہے۔ معہذا یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو نزدیک محدثین کے صحیح نہ ہوئی اور تا وقتیکہ اس کی صحت کا یقین نہ ہولے، کسی چیز کے جواز و عدم جواز پر استدلال نہیں لانا چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے اور بر تقدیر صحت، حدیث مجمل ہے کہ اس حول کے دو معنی ہیں۔ اول سن یعنی یکم محرم اور اول سن موت صاحب قبر سے۔ اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو۔ پس حدیث لاتجعلوا قبری عيدا ای لا تجتمعوا عند قبری كا جتماعكم للعيد کے معارض ہے" اہ مترجماً۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ مولوی صاحب نے ان چند سطری عبارت میں کتنی غلطیاں کھائیں، علم وفضل کے جوہر دکھائے، محدثیت کے گل کھلائے۔ اولاً یہ کہنا کہ یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو، محض عامیانہ کلام ہے اور بے اصل محض ہے۔ کیا صحاح کی سب حدیثیں صحیح ہی ہیں کہ محل سخن نہ ہوں؟ نہیں نہیں۔ بلکہ صحاح میں بھی ہر طرح کی حدیثیں موجود حتی کہ بعض محدثین نے بعض احادیث صحیح بخاری کو موضوع تک کہا ہے۔ دیکھو حدیث اسرا مروی از شریک کہ

عبدالحق جمع بین الصحیحین میں اور امام قاضی عیاض مالکی وغیرہما نے اس حدیث میں کلام فرمایا اور ابوالفضل بن طاہر نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا اور اس میں ابن حزم سے نقل کیا: قال لم نجد البخاری و مسلم فی کتابیهما شیا لا یحتمل مخرجا الا حدیثین ثم علیهما فی تخریجه الوهم وقال الخطابی لیس فی هذ الکتاب حدیث اشنع ظاهرا ولا ابشع مذاقا من هذا الفصل وقد جزم ابن القیم فی الهدیٰ بان فی روایة شریک عشرة اوهام۔

اسی طرح صحیح مسلم شریف میں حدیث دربارۂ قصہ اسلام ابی سفیان عکرمہ ابن عمار کے مروی کہ ابن حزم نے کہا هذا حدیث موضوع لاشك فی وضعه آه قال فی تصحیح المسائل ۔ صحاح کو صحاح کہنا امر تغلیبی ہے کہ اکثر احادیث ان کی صحاح ہیں۔

شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب مقدمہ اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''دریں کتب ستہ اقسام حدیث از صحاح وحسان وضعاف موجود است وتسمیہ آں بصحاح ستہ بطریق تغلیب است''۔ ''کتب صحاح ستہ (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ابوداود (۴) ترمذی (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور انہیں صحاح ستہ کہنا امر تغلیبی واکثری ہے''۔

ثــانیــاً یہ کہنا کہ ''بلکہ اس کتاب کی ہے کہ اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح وحسن وضعیف بلکہ موضوع بھی موجود ہے''۔ محض لچر اور پوچ ہے کہ حال صحاح کا بھی یہ ہے کہ ان میں صحیح، حسن وضعیف ہر طرح کی حدیثیں بلکہ بعض صحاح مثل جامع ترمذی وابن ماجہ میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جن پر حکم وضع کیا گیا کہ حدیث صحیح نہ صحاح میں محصور، نہ صحاح حدیث صحیح پر مقصور۔ پس اس حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا اور محمد بن جریر طبری اور ابن مردویہ اور ابن منذر اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم کی کتاب میں ہونا ہرگز ہرگز باعث طعن وعدم قبول نہیں۔ البتہ اگر نقاد حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہوتا تو ایک بات تھی یا حکم امتناعی کلی دیا ہوتا کہ ابن جوزی یا سوائے صحاح کے کوئی حدیث قابل قبول نہیں، تو یہ عذر البتہ قابل قبول ہوتا۔ و اذلیس فلیس ۔علاوہ بریں جب اجلہ اکابر علما مثل امام جلال الدین سیوطی و ابن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم وخاتم الحفاظ ابن حجر ومولانا شاہ عبدالعزیز و امام فخر الملۃ والدین رازی وصاحب شرح لباب المناسک وابن عابدین شامی وغیرہم نے اسے قبول کیا اور رد نہ فرمایا تو پھر بلاوجہ کیونکر رد ہو سکتی ہے؟ آخر وہ تو مولوی صاحب سے علم وفضل میں زائد ہی تھے، جنہیں حدیث کی تصحیح وتحسین وتضعیف کا مرتبہ خود صاحب حدیث سے حاصل تھا صلی الله تعالیٰ علیه وعلی اله وبارك وسلم۔

ثالثاً یہ کہنا کہ ''معہذا محدثین کے نزدیک یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو محدثین کے نزدیک صحیح نہ

ہوئی'' بھی ایسا ہی ہے۔ کیا ہر حدیث کا متصل الاسناد مرفوع ہونا ضرور ہے؟ متصل الاسناد مرفوع ہونا داخل ماہیت صحیح ہے؟ کیا کوئی موقوف یا مرسل حدیث صحیح نہیں ہوتی؟ حدیث صحیح کی تعریف جو شیخ محقق وغیرہ نے التصحیح مابثبت بنقل عدل تام الضبط غیر معلل و لا شاذ فرمائی ہے صحیح نہیں؟ کیا اتنے قید کی اور ضرورت ہے و رفع الیٰ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم بسقط راو من الرواۃ من البین؟ پھر ذرا انصاف سے فرمایئے تعلیقات صحیح بخاری کے لئے کیا حکم ہوتا ہے؟

رابعاً اس حدیث میں مولوی صاحب نے کون سا ارسال یا انقطاع ثابت کیا کہ متصل الاسناد ہونے کا انکار کیا ہے؟ کیا نہ دیکھا کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصلاً روایت کیا ہو۔

خامساً مرفوع نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ صراحتاً حدیث میں فعل اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مروی۔ پھر مرفوع نہ ہو، چہ؟ شاید مولوی صاحب نے حدیث میں اسمائے خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی دیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آنکھ بند کرلی یا ان کے مذہب میں جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ائمہ صحابہ کا نام بھی مروی ہو تو حدیث موقوف ہو جایا کرتی ہے؟

سادساً باوصف ادعائے حنفیت عدم اتصال اسناد سے صحت حدیث نہ ماننا عجب العجاب ہے۔ ہمارے ائمہ کرام نیز ائمہ مالکیہ و جمہور ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اتصال سند ہرگز شرط صحت نہیں۔ کتب اصول اس کی تقریر وتحریر سے مملو ومشحون ہیں۔

سابعاً جناب مولوی صاحب کو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ ہمارے امام الائمہ، مالک الازمہ، سراج الامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث کا مرفوع ہونا بھی ہرگز شرط احتجاج نہیں کہ وہ آثار صحابہ کو بھی حجت جانتے ہیں کماھو منصوص علیہ فی کتب الاصول۔

ثامناً یہ کہنا کہ'' تاوقتیکہ کہ اس کی صحت کا یقین نہ ہولے، کسی چیز کے جواز وعدم جواز پر استدلال لانا نہیں چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے''، کس درجہ خلاف عقل وفہم سے بعید ہے۔ استدلال کے لئے حدیث صحیح باستدلال محدثین ہونا ہرگز ضرور نہیں۔ حسن اور ضعیف مروی بطرق عدیدہ بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف فرد بھی معتبر ہے۔

شیخ محقق مقدمہ اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:'' احتجاج درکلام بجز صحیح لذاتہ مجمع علیہ است وہمچنین بحسن نزد عامۂ علماء وآں ملحق ست بصحیح در احتجاج اگر چہ در رتبہ کمتر است۔ وچوں حدیث ضعیف بعد وطرق بمرتبہ حسن برسد، آن نیز حجت بہ است۔ وآنکہ مشہور است کہ حدیث ضعیف در فضائل اعمال معتبر است، نہ در غیر آں، مفرد آنش مراد است نہ مجموع کہ آں بعد وطرق داخل حسن است، نہ ضعیف صرح بہ الائمۃ اھ۔ پس نہ ہر حدیث کا متصل الاسناد

مرفوع ہی ہونا ضرور، نہ استدلال حدیث صحیح ہی پر منحصر ومقصور۔ بہتیری (اکثر) حدیثیں موقوف ومرسل بھی ہیں خصوصا تعلیقات بخاری کہ شیخ محقق قدس سرہ نے فرمایا: ''قالوا تعليقات البخاري متصلة صحيحة''۔ مقدمہ اشعۃ اللمعات میں ہے: ''وتعلیقات درتراجم صحیح بخاری بسیاراست وہمہ آن صحیح است وحکم اتصال دارداھ''۔

اسی طرح بکثرت مسائل کی دلیل میں حدیث موقوف ہی منقول۔ مگر شائد مولوی صاحب نے معنی لغوی کے اعتبار سے فرمایا ہوگا کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے، یعنی غلط حدیث سے استدلال صحیح نہیں یا جان بوجھ کر مصلحتا ایسا لکھ دیا۔ غرض بہر حال! مجھے ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یہ چلتی کاروائی دیکھ کر یہ نہ کہنے لگیں۔

فان كان لا يدري فتلك مصيبة

وان كان يدري فالمصيبة اعظم

ثامنا احادیث صحاح ستہ کیا سب متصل الاسناد مرفوع ہی ہیں کہ ان سے استدلال کیا جاتا ہے؟

تاسعا حدیث کے لئے تنگی دائرہ کو اتنی وسعت دی کہ فقط صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی صحاح پر قناعت نہ کی بلکہ یہ جبروتی حکم نافذ ہوا کہ جب تک صحت حدیث پر یقین نہ ہو لے اسناد روا نہیں۔ مولوی صاحب! صحت پر یقین تو احادیث بخاری پر بھی نہیں ہوسکتا جبکہ آحاد ہو۔ یقین کے لئے تواتر یا کم از کم وہ شہرت درکار ہے جسے اصول حنفیہ میں شہرت کہتے ہیں۔ شہرت اصول شافعیہ بھی مرتبہ ظن آحاد سے زیادت نہیں رکھتی۔

عاشرا خدا جانے ان حضرات کو يجوز للوهابي مالا يجوز لغيره کا فتوی کہاں سے مل گیا ہے؟ حضرت کی اسی مأتہ مسائل واربعین میں کتنی استناد ان روایات سے موجود جو صحاح نہیں اور ان سے جو متصل الاسناد نہیں اور ان سے جو مرفوع نہیں۔ اپنے لئے سب کچھ حلال اور دوسرے پر محض بزور زبان یا غیظ وجلال ناجائز ہے، حرام ہے، استدلال جائز نہیں۔

مأۃ مسائل صفحہ ۳۸ جواب سوال بست وسوم (اعمال عباد از خیر وشر بر اقربا ومعارف ایشاں می رود یا نہ واوشاں درحق احیا خود ہا دعاے کنند یا نمے کنند) میں ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' امام جلال الدین سیوطی سے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا۔ اسی کے صفحہ ۴۲ جواب سوال بست وپنجم (ثواب قرآن شریف ودیگر اعمال صالحہ باموات می رسد یا نہ؟) میں حدیث دار قطنی۔ اسی کے صفحہ ۶۳ جواب سوال سی وسوم (سجدہ کردن قبر را برائے تعظیم مقبور در شرع حرام ست یا کفر یا شرک کبیرہ) میں احادیث امام احمد ابن حنبل، بیہقی عن عبد اللہ بن ابی اوفی وطبرانی، حاکم، بیہقی عن قیس بن سعد وحاکم عن بریدہ، واحمد عن معاذ، وطبرانی عن سراقہ بن مالک وابن ابی شیبہ عن عائشہ وبیہقی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہم۔ اسی کے صفحہ ۱۰۱ جواب سوال ہشتاد وپنجم (مقرر کردن حافظ فی روپیہ سہ ختم قرآن یا چہار چہ حکم دارد جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) میں حدیث بیہقی سے دلیل لائے اور ذرا بھی

خیال نہ کیا کہ ایں احادیث از صحاح نیست کہ محل سخن نباشد بلکہ از اں کتب است کہ در آں کتب حدیث ہر قسم صحیح وحسن و ضعیف بلکہ موضوع ہم یافتہ می شود۔ اسی طرح اسی مائۃ مسائل کے صفحہ ۴۴ سوال بست وپنجم مذکور کے جواب میں ہے:'' وروی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یموت الرجل ویدع ولدا فیر فع لہ درجۃ الخ ۔اسی کے صفحہ ۵۵ سوال بست ونہم (نماز گذاردن بر طرف راس قبر یا پائین قبر گناہ، کدام گناہ) کے جواب میں ہے: ورای عمر انس بن مالک یصلی عند قبر فقال القبر القبر والعمریأ مرہ بالاعادۃ ۔اسی کے صفحہ ۶۶ جواب سوال سی و ششم (شامیانہ وخیمہ استادہ کردن بر قبر چہ حکم دارد، جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) کی دلیل میں ہے: ورأی ابن عمر فسطاطا علیٰ قبر عبدالرحمٰن فقال انزعہ یا غلام! فانما یظلہ عملہ اہ وغیرہ مسائل میں حدیث موقوف تحریر فرمائی اور اس کا لحاظ نہ کیا: معہذا نزد محدثین ایں حدیث متصل الاسناد مرفوع ہم نیست پس نزد ایشاں صحیح نہ باشد فیکہ یقین بر صحت آں نشد در مقام استدلال بر جواز شے وعدم آں آوردن نشاید۔ اسی طرح مسائل اربعین مطبوعہ مطبع محمدی ۱۲۶۱ھ کے صفحہ ۷ جواب سوال یکم (وقت تولد طفل کہ در ہر دو گوش وے اذان واقامت می دہند واجب است یا سنت یا مستحب واگر نامش محمد یا احمد نہند، درست است یا نہ؟) میں احادیث مفتاح النجاۃ ومسند ابی یعلی وطبرانی وابن عدی سے دلیل لائے۔ اسی کے صفحہ ۱۵ جواب سوال ہفتم (تقسیم شیرینی وطعام بعد مکتب در مردمان برادری جائز است یا نہ؟) میں حدیث موقوف قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد آموختن سورہ بقر شتر رانحر نمودہ دوستان خود را خورانیدہ بود)۔

حادی عشر یہ فرمان کہ بر تقدیر صحت حدیث مجمل ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو بالکل بجا اور درست ہے۔ حدیث مذکور کو بحیلۂ اجمال نا قابل عمل بتانا بھی جناب مولوی صاحب ہی ایسے محدث کو زیبا ہے۔ لفظ حول میں اژدحام معانی اور اشتباہ مراد ہی کہاں؟ کیا حول بھی مشترک ہے کہ اول محرم، اول دن موت صاحب قبر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے؟ نہیں بلکہ حول کا معنی دورہ ہے، محرم سے ابتدا کی جائے یا صفر سے، ذیقعدہ ہو یا ذی الحجہ سے، یکم ہو یا دسویں، بیسویں یا بائیسویں۔ غرض جس جز سے ابتدا کی جائے، اس جز تک دورہ ایام وشہور آجانے کا نام حول ہے۔ فقہائے کرام جو در بارۂ وجوب زکوۃ حولان حول فرماتے ہیں، اس سے بھی یہی مراد کہ جس دن مالک نصاب ہو، اس کے ایک سال بعد زکوۃ واجب ہے۔ رہا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کب تشریف لے جاتے؟ جناب مولوی صاحب نے دو احتمال نکالے ہیں۔ ابتدائے محرم اور ابتدائے تاریخ موت صاحب قبر۔ مگر قبل تحریر فتویٰ یہ تو غور کر لینے کی بات تھی کہ تعین سنہ ہجری اور اس کی ابتداماہ محرم سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں

کب تھی؟ یہ تو زمانہ خلافت راشدہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرار پائی ہے۔ تو احتمال اول تو احتمال ہی ہو گیا۔ پس نہ رہا باقی مگر احتمال ثانی کہ تاریخ موت صاحب قبر سے سال کے بعد شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ اب بھی اعراس میں یہی ہوتا ہے اور ابتدائے سال وفات یوم وصال ہے تو اسی حدیث سے تعیین یوم وفات کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی اور یہ سنت ٹھہری اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ رأس کل حول سے مراد پہلی محرم ہر سال کی ہے تب بھی تو مذہب وہابیت کے گلے پر چھری چل گئی کہ وہاں تو بلا تعیین کی ٹھہری ہوئی ہے اور تعیین بدعت اور ہر بدعت ضلالت اور ہر ضلالت فی النار ہے۔ چنانچہ مولوی گنگوہی صاحب کے فتاوی رشیدیہ صفحہ ۸ میں ہے: ''طریقہ معینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعیین کر دینا درست ہے''۔ اور یہی مفہوم مولوی صاحب کی مائۃ مسائل اربعین کا ہے کہ فرماتے ہیں: ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست''۔ اور اس حدیث سے تعیین وتقرر ثابت۔ دن موت صاحب قبر کی نہیں۔ ابتدائے محرم ہی کی تعیین سہی۔

ثانی عشر حدیث مذکور کو حدیث لا تجعلو اقبری عیداً کے معارض کہنا بھی عجب بات ہے کہ جس امر کا وہاں حکم ہے، یہاں اس کی ممانعت ہے، نہیں، اس لئے کہ حدیث لا تجعلوا میں تو ممانعت اس امر کی ہے کہ میری قبر کے پاس مثل عید کے لہو ولعب کے ساتھ جمع نہ ہو کہ موجب غفلت وقسوت قلب ہے یا یہ کہ میری قبر کو تم عید نہ بنالو، یعنی جس طرح عید کے لئے سال میں صرف دو دن جمع ہوتے ہیں، میری زیارت کو صرف دو دن پر منحصر ومقصور نہ کرو بلکہ اکثر حاضر ہوا کرو کہ مہبط ہزاراں ہزار رحمت وبرکت اور ذریعہ حصول انواع سعادت ہے۔

ملا علی قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح لمشکوۃ المصابیح میں تحریر فرماتے ہیں: ''لا تجعلو اقبری عیداً هو واحد الاعياد اى لا تجعلو ازيارة قبری عيدا او لا تجعلو اقبری مظهر عيد فانه يوم لهو و سرور و حال زيارة خلاف ذلك وقيل يحتمل ان يكون للحث علىٰ كثرة زيارة ولا تجعل كالعيد الذى لا يأتى فى العام الا مرتين قال الطيبى نهاهم عن الاجتماع لها اجتماعهم للعيد نزهة وزينة اه''۔

اور حدیث مذکور كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يأتى قبور الشهداء الحديث میں یہ حکم کہاں کہ ہر سال میری قبر پر لہو ولعب وتماشا کناں جمع ہو یا قبر کو میری عید بنالو اور ہر سال دو ہی مرتبہ مثل عید کے جمع ہو بلکہ ہر سر سال قبور شہدائے احد تشریف لے جانا اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرمانا مذکور۔ پس ایسی حالت میں اس حدیث کو اس کے معارض جاننا بھی خوش فہمی ہی کا کام ہے۔

ثالث عشر اس حدیث کا مدلول صرف زیارت قبور جاننا اور جواز اعراس پر استدلال کو منع کرنا بھی تعجب خیز

امر ہے۔ آخر کان اور علیٰ راس کل حول بھی لفظ موضوع ہے۔ کچھ معنی رکھتا ہے یا یوں ہی زائد لغو فضول ہے۔ زیارت قبور تو یاتی قبور الشهداء ہی سے مفہوم ہوتی ہے۔ ان دونوں لفظوں کا کیا فائدہ ہے، وہ ہم سے سنئے۔ علیٰ راس کل حول تو دلالت تعیین و تخصیص یوم وفات پر کرتا ہے کما قدمنا اور لفظ کان قبل مضارع مداومت پر۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ص ۳۴۱ میں ہے: ''وجه الكراهة مخالفة فعله الذی كان عليه الصلوٰة والسلام يداوم عليه كما يفيده لفظ كان فيما نقدم من الحديث'' انتهیٰ۔ غرض اس حدیث کو جواز عرس میں پیش کرنا بے سود نہیں۔

رہا وہاں لوگوں کا مرتکب بدعات ولہو ولعب ہونا، باجے گاجے کھیل تماشے کرنا یہ ہرگز جزو عرس نہیں۔ یہ ضرور ممنوع و حرام ہیں اور اس کو داخل ماہیت عرس جاننا کم فہمی یا عناد ہے۔ جس طرح اکثر اعراس مع سماع و مزامیر و رقص فواحش ہوتے ہیں بہتیرے اعراس ان سب چیزوں سے خالی بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کا عرس برابر کرتے اور امور مذمومہ آلات لہو ولعب سے اس میں کچھ نہ ہوتا، جسے شاید مولوی صاحب نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس عرس مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا، اسی طرح بدایوں شریف میں برابر ۱۹؍ ماہ جمادی الاولیٰ کو عرس حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، ۲؍ جمادی الآخر کو عرس سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل رسول صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کا ہوا کرتا ہے۔ ہرگز ہرگز آلات لہو ولعب کچھ نہیں ہوتے۔ تو ان وجوہات سے نفس عرس ہرگز ممنوع و ناجائز نہیں ہوسکتا، نہ اس کے لئے تقرر یوم میں کوئی خرابی۔ مذمومات شرعیہ کو منع کرتے، کون منع کرتا ہے؟ یہ نفس و شیطان کا دھوکا ہی ہے کہ نہی عن المنکر کے پردے میں مناع للخیر بناتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

رابع عشر ہاں جناب مولوی صاحب! یہ فرمایئے کہ عبارت میں تعارض تناقض ہونا تو لازم وہابیت ہے۔ اسے تو شاید نفس کشی خیال فرما کر ایک نیک کام جان کر اختیار کیا ہوگا مگر استاد کشی کس مصلحت سے اختیار فرمائی۔ یعنی جس چیز کو استاذ و استاذ الاستاذ سب جائز و مستحسن بتاتے اور اس پر عمل درآمد کرتے آئے وہ آپ کے نزدیک ناجائز و ممنوع ہے۔ کیا آپ کے برابر بھی شاہ عبدالعزیز صاحب کو علم نہ تھا کہ انہوں نے اسی مسئلہ عرس میں اسی حدیث سے استناد کیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ حدیث تو صحاح کی نہیں کہ محل بحث نہ ہو بلکہ محمد بن جریر طبری کی کتاب کی ہے، جس میں ہر طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔ معہذا یہ متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں کہ قابل استدلال ہو۔ کیا یہ قواعد ان کو معلوم نہ تھے یا اب جدید آپ کے عہد محدثیت عہد میں وضع ہوئے ہیں۔ طرفہ یہ کہ خود اپنا اس پر عمل نہیں۔ اپنے لئے بیہقی، دارقطنی، طبرانی سب سے استناد جائز، آثار صحابہ سے استشہاد روا اور ہم سے خاص صحیح مرفوع متصل الاسناد کی فرمائیں۔ کیا آپ

کو معلوم نہیں کہ آپ کے نانا صاحب اسی حدیث سے اپنے فتویٰ مجموعہ زبدۃ النصائح میں استدلال لائے ہیں۔ حضرت معلوم تو ضرور ہے بلکہ آپ نے اپنی مأۃ مسائل میں انہیں کا رد کیا کہ فرماتے ہیں: ''بعضے مردم کہ بجواز اعراس دلیل می آرند'' بعض کا ایہام کیا اور تصریح کو خلاف مصلحت جان کر تصریح نہ کی کہ بعد تصریح نام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مقصود اصلی تقلید عوام ہاتھ سے جاتا ہے گا کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قول کے خلاف میرے قول کو کون پوچھے گا۔

سند سوم تعیین وتخصیص دو طرح کی ہوتی ہے۔ شرعی، عادی۔

اول: وہ کہ خود شرع مطہر نے کسی کام کے لئے کسی وقت کو خاص کر دیا ہو کہ اس کے سوا کسی دوسرے وقت میں نہ ہو سکے، جیسے ایام نحر اضحیہ کے لیے کہ اس سے تقدیم وتاخیر درست نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس وقت میں ہے دوسرے وقت نہیں جیسے ثلث لیل عشا کے لئے۔

دوم یہ کہ از جانب شرع اطلاق ہے۔ جب چاہیں بجالائیں کسی وقت گناہ نہیں، ہر وقت جائز ہے جیسے ایصال ثواب کہ روز ولادت اور روز وفات یا جس دن کرے، ہر روز درست ہے مگر جب خارج میں اس کا وجود ہوگا، کسی زمانے میں، کسی ہیئت خاص ہی کے ساتھ ہوگا کہ مطلق من حیث ہو ہو بلاتعیین وتخصیص خارج میں موجود نہیں ہوسکتا، جس طرح وجود مطلق بضمن افراد ہوتا ہے، زمانہ بغیر زید، عمرو، بکر کے انسان کبھی نہیں ہوسکتا، اسی طرح بغیر کسی زمانہ کسی ہیئت کے زمانیات کا وجود ممکن نہیں۔ جب انسان ہوگا تو زید عمرو وغیرہ ضرور ہوں گے۔ اسی طرح جب عرس ہوگا، کسی زمانہ، کسی تعیین وتخصیص ہی کے ساتھ ہوگا۔ سخت تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کو وقوع کذب باری تعالیٰ شانہ کے معنی درست بتانے کو اتنی معقول یاد رہی کہ وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے، انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوگا۔ (یہاں پر وہ صریح الفاظ کفریہ تھے جن پر علمائے حرمین شریفین نے تکفیر فرمائی۔ انہیں نقلاً بھی اپنے قلم سے لکھنا نامناسب جان کر قلم انداز کیا۔ ۱۲ منہ) اگر چہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ یہاں یہ منطق یاد نہ رہی کہ وجود نوع بے وجود فرد ناممکن ہے اور عرس جب ہوگا تو ضرور کسی ہیئت خاص تعیین وتخصیص ہی کے ساتھ ہوگا اور اگر نہیں تو اس یا وہ گوئی کے کیا معنی اور بلاتعیین کر دینا درست ہے۔ کیوں مولوی صاحب! عرس کرنا بھی اور بلاتعیین؟ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مہینہ پیشتر سے تعیین نہ کیجئے، ایک ہفتہ قبل بھی نہیں، تو ایک دن، ایک گھنٹہ، پانچ منٹ پہلے تعیین کرنی ضروری یا یہ فعل اضطراری ہے کہ بلا ارادہ وتخصیص وتعیین لوگ جمع ہوجائیں، فاتحہ درود ہونے لگے۔ جب امر اختیاری ہے تو انتظام کے لئے تعیین یوم، تخصیص تاریخ ضروری ہے۔ آخر اپنے مدرسہ دیوبندیہ کے لئے کوئی فتویٰ نہ دیا کہ طریقہ معینہ مدرسہ ہذا کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہٰذا بدعت ہوا اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت فی النار ہے اور بلاتعیین اوقات مدرسہ وافعال مدرسین واحکام منتظمین درست ہے یا اس کے لئے کوئی خاص حکم آیا ہے کہ (۱) ۲۳ ذی الحجہ ۷ بجے صبح

ہے تقسیم انعام کا جلسہ نہایت رونق کے ساتھ بہ موجودگی روسائے شہر وممبران مدرسہ وبعض دیگر خیر خواہان بیروں منعقد ہو (ب) طلبہ قرأت خواں شیرینی کے لئے دو روپے مدرسہ دیں اور دو روپے مولوی غلام محمد راندیری سے دلوائے جائیں (ج) دس دس بارہ بارہ روپے کے وظائف ایک مدت معینہ کے واسطے حاجتمند انٹرنس پاس طلبا کو دیے جائیں (د) ہر سال کم از کم ایک دفعہ عام ممبران مدرسہ کا اجتماع ضرور ہے (ہ) اہل مشورہ ایسے ہوں کہ ان کو شریک ہونے کا حتی الوسع التزام واہتمام ہو (و) وقت درس موسم سرما میں ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک اور ۲ بجے سے ۴ بجے تک اور موسم گرما میں ۶ بجے سے ۱۰ بجے اور ۳ بجے سے ۵ بجے تک ہو (ز) پابندی وقت درس کی جملہ طلبہ کو ضروری ہے (ح) امتحان سالانہ کے لئے شعبان کی تعیین ہو (ط) ۲۵ رشعبان سے ۳ شوال تک مدرسہ میں تعطیل ہو (ی) عربی خواندگی کی آٹھ جماعتیں ہوں اور ہر سال مقررۂ مندرجہ نقشہ کی خواندگی ضرور پوری ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر نہیں تو اپنے لئے دو دو روپیہ کی تعیین، مدت معینہ کی تعیین، انٹرنس پاس حاجتمند کی تعیین، ایک دفعہ عام ممبروں کے اجتماع کو ضروری جاننا، اہل مشورہ صاحب التزام واہتمام کی تعیین وغیرہ وغیرہ کہاں سے جائز کرلیں اور اُسے بدعت از کل بدعۃ ضلالۃ اور کل ضلالۃ فی النار بتا کر ناری جہنمی مستحق عذاب الیم نہ ہوئے؟

سند چہارم عامۂ مسلمین بلکہ علمائے دین بلکہ ائمہ مجتہدین بلکہ تابعین بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بلکہ خود حضور اقدس طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امور خیر کے لئے تعیین وتخصیص ایام واوقات فرماتے آئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قبا تشریف لے جانے کو یوم شنبہ معین فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: کان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یاتی مسجد قباکل سبت ماشیاً و راکباً روضہ شکر ولادت رسالت کو یوم دوشنبہ مقرر فرمایا۔

مسلم شریف میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: قال سُئل رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدت وفیہ انزل علیّ ای فاصومہ شکرا لھاتین النعمتین۔

سفر جہاد کے لئے روز پنجشنبہ کی تعیین فرمائی: کما فی الصحیح البخاری عن کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ انہ قال فلما کان رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج اذا خرج فی سفرا لا یوم الخمیس۔ انہیں سے ہے: ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خرج یوم الخمیس فی غزوۃ تبوک وکان یحب ان یخرج یوم الخمیس۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ وتذکیر کے لئے اسی دن کو مقرر کیا کما فیہ عن ابی وائل رضی اللہ تعالی عنہ قال کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا اباعبدالرحمٰن!

لوددت انك ذكرتنا كل يوم قال اما انه يمنعني من ذلك اني اكره ان املكم واني اتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا۔

علما نے ہدایت درس کے لئے روز چہار شنبہ کو خاص فرمایا کما فی تعلیم المتعلم للامام برھان الاسلام الزرنوجی حکاہ عن استاذہ الامام برھان الدین المرغینانی صاحب الھدایۃ وقال ھکذا کان یفعل ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال صاحب تنزیہ الشریعۃ وکذا کان جماعۃ من اھل العلم۔

غرض یہ سب توقیتات عادیہ سے ہیں جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سوائے روز شنبہ کے مسجد قبا جانا، سوائے روز دوشنبہ کے صوم شکر رسالت رکھنا، سوائے یوم پنجشنبہ کے سفر جہاد یا پند ونصیحت کرنا، سوائے یوم چہار شنبہ کے کتاب شروع کرنا جائز ہی نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس دن ہے اور دن نہیں۔ اسی طرح عرس کے لئے تعیین یوم وفات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اور دن ایصال ثواب نہ ہوگا یا ثواب میں کمی آجائے گی۔

پھر اسی دن کی تعیین وتخصیص کیوں؟ اولاً معلوم ہو چکا کہ یہی سنت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ، رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ اہل سنت وجماعت کثرھم اللہ تعالی کے لئے تو اسی قدر فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وخلفائے راشدین کافی ہے مگر منکرین کی تسکین خاطر کے لئے مولوی اشرف علی ورشید احمد وخلیل احمد کے پیر جناب حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کے فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت پیش ہے۔ بغور ملاحظہ ہو:

''چونکہ ایصال ثواب مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض وبرکات حاصل ہوئے ہیں، ان کا زیادہ حق ہے۔ ادھر اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت وتزاید برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی۔ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ان میں سے جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار کرلے۔ اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں۔ باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن وطعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے تعیین یوم میں۔ رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، جن کا اظہار ضروری نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب مفتی عبدالحکیم پنجابی کے اس اعتراض: ''کسانیکہ اقوال آنہا مطابق افعال شاں نیستند، عرس بزرگان خود مثل فرض دانستہ سال بسال بر مقبرہ اجتماع کردہ طعام وشیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر راوثنا بعد ملکید'' ملخصاً کے جواب میں رسالہ ذبیحہ مطبوعہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں فرماتے ہیں: ''قولہ عرس بزرگان خود الخ ایں طعن محض است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض

شرعیہ مقررہ راہیچکس فرض نمیداند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں باہدائے ثواب وتلاوت قرآن و دعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی مستحسن وخوب ہست باجماع علما وتعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز تذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات است وخلف را لازم است کہ سلفِ خود را بایں نوع بر واحسان نماید"۔

مجمع الزوایات میں ہے: "اراد ان یتخذ الولیمة فلیتخذ بادراك یوم موته ویحتاط فی الساعة التی نقل فیها روحه فی تلك الساعة فینبغی ان یطعم الطعام والشراب فان ارواحهم یفرحون بذالك ویدعون لهم"۔ "اگر کسی کے فاتحہ کرنے کا ارادہ ہو تو چاہیے کہ موت کے دن موت کے وقت کرے، جس وقت روح اس کی دار فانی سے منتقل ہو کر دار جاودانی کو گئی ہے، اس وقت کھانا کھلائے، پانی پلائے کہ اموات کی روحیں اس سے خوش ہوتی اور اس کے واسطے دعا کرتی ہیں۔

سند پنجم: علاوہ ادلہ مامضت و ماستاتی، اگر مان لیا جائے کہ جواز عرس کی کوئی دلیل نہیں تو کہیں ممانعت بھی تو نہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اصل اشیا میں اباحت ہے، جب تک کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، ممنوع نہیں ہو سکتی۔ قائل جواز متمسک باصل ہے، اسے دلیل کی کیا حاجت ہے؟ دلیل تو ان وہابی صاحبوں کو دینی چاہیے جو شرک، بدعت، ممنوع، حرام کی پکار پکار رہے ہیں۔

مشکوۃ شریف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: "کان اهل الجاهلیة یا کلون اشیاً و یترکون اشیاء تقذرا فبعث الله نبیه و انزل کتابه و احل حلاله و حرم حرامه فما احل فهو حلال و ماحرم فهو حرام و ما سکت عنه فهو عفو"۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: "از ینجا معلوم می شود کہ اصل در اشیا اباحت است"۔

ترمذی وابن ماجہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "الحلال ما احل الله والحرام ماحرم الله فی کتابه و ماسکت عنه فهو مما عفا عنه"۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: "فیه ان الاصل فی الاشیاء الاباحة"۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: "وایں دلیل است بر آنکہ اصل در اشیا اباحت است"۔

رد المحتار میں ہے: "وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفیه والشافعیة اه وتبعه تلمیذه العلامه قاسم و قد جری علیه فی الهدایة فی فصل الاحد ادو فی الخانیة فی اوائل الحظر والاباحة آه"۔

مدارک شریف میں تحت ارشاد باری تعالی: ''قل لا احد فیما اوحی الی محرما'' ہے: وہ فیہ تنبیہ علیٰ ان التحریم انما یثبت بوحی من اللہ و شرعہ لا بھوی النفس۔

اب ان سب حضرات مانعین کو دعوت عام دی جاتی ہے کہ چھوٹے بڑے جوان بڈھے سب مل کر اپنی مجموعی قوت سے ایک آیۂ قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی بصحاح یا اجماع یا تحریم قول امام اعراس متنازع فیہا ثابت کر دیں تو البتہ، ورنہ جب اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت نہ فرمائی تو یہ منع کرنے والے کون؟ مولوی اسحاق شاہ صاحب جو اصل اشیا میں حرمت یا توقف کے قائل ہوئے ہیں اور اباحت کو رائے طائفہ اور مذہب معتزلہ ٹھہرایا ہے، وہ ان کے قلت تدبر سے ناشی کہ وہ اختلاف زمانہ فترت میں ہے کہ زمانہ فترت میں اشیا میں اصل کیا حکم ہے، حرمت یا توقف یا اباحت۔

علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت کے منہیہ میں فرماتے ہیں: ''الذی یظھر من تتبع کلامھم ھو الخلاف قبل الشرع و من ثم لم یجعلو ارفع الاباحۃ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع بھا فتدبر اہ و اقرہ العلامۃ بحرالعلوم فی فواتح الرحموت و قررہ بتقریر آخر وقال فاذن لیس الخلاف الا فی زمان الفترۃ الذی اندرست فیہ الشریعۃ بتقصیر من قبلھم اہ'' ۔نہ اباحت شرعیہ کہ وہ محققین کی متفق علیہا ہے۔ پس ایسی حالت میں یہ کوئی خیال کر ہی نہیں سکتا کہ باوجود اس علم وفضل کے مولوی صاحب کو اباحت اصلیہ اور اباحت شرعیہ میں فرق وتمیز نہیں۔ تمیز تو ضرور ہوگی مگر اس زمانہ ہی کو زمانہ فترت خیال فرمایا ہوگا اور کیوں نہ ہو کہ سرگروہ طائفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی تقویۃ الایمان مطبع فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۲ھ کی صفحہ ۳۹ پر وہ حدیث جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا ہے کہ (زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزے کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالی ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے حتی کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مر جائیں گے جب زمین میں رتے کا فررہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہو جائے گی) لکھ کر صفحہ ۴۰ پر صاف لکھ دیا: ''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا''۔ میں کہتا ہوں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تو اب ان کے اصل پر زمانہ فترت میں کون سا شک باقی رہ گیا۔ لہٰذا یہ حکم دیا کہ ''اصل اشیا میں یا حرمت ہے نزدیک جمہور کے یا توقف ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے درر اور اشباہ سے یا اباحت ہے جیسا کہ وہ مذہب ایک طائفہ اور رائے معتزلہ ہے''۔ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے مولوی صاحب نے عوام کے دکھانے کو اگر چہ عبارات بھی تحریر فرما دی ہیں۔ مگر اس میں الامان وہ تحریف فرمائی کہ لوگ یہی کہیں گے کہ دیانت سے محض بعید ہے۔ ومن شاء الاطلاع علیٰ تحریفاتہ فعلیہ بتصحیح المسائل للسیف المسلول مولانا الشاہ فضل رسول البدایونی قدس سرہ الربانی۔

علاوہ بریں طرفہ یہ کہ دلیلیں مولوی صاحب کی خود متعارض کہ تفسیر احمدی سے اصل حرمت ثابت کی اور اشباہ اور درمختار سے توقف ثابت ہوتا ہے۔ واذا تعارضا تساقطا۔ دلیل تو دلیل مولوی صاحب کی کتب میں تو اقوال ہی متعارض کہ یہاں حرمت یا توقف کی ٹھہرائی اور اربعین میں اباحت پر رائے جمائی۔

صفحہ ۱۴ ساتویں سوال کے جواب میں ہے: ''پس وقت کتب تقسیم شیرینی وطعام مسنون نیست مگر آنکہ ایں تقسیم دریں وقت از قسم مباح باشد''۔

صفحہ ۲۲ چودھویں سوال کا جواب میں: ''از رسوم سلامی ورونمائی در شریعت محمدی اصل چیز ہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں قسم چیز ہا کہ دادن سلامی ورونمائی است مباح است''۔

اے کاش! وہاں بھی آپ کو یہی اصل یاد رہتی اور فرمادیتے: پس بر ہر سال عرس اولیا مسنون نیست مگر آنکہ ایں عرس از قسم مباح باش یا از رسوم اعراس وفاتحہ در شریعت محمدی اصل ایں چیز یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں قسم چیز ہا درآں کہ عرس وفاتحہ است، مباح است۔ غضب تو یہ کیا کہ حسب اقرار خود رسوم سلامی ورونمائی بے اصل ہے، شریعت محمدی میں اس کی اصل پائی نہیں جاتی پھر بھی مباح بتایا اور عرس کا تقرر کہ اصل اس کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت، ممنوع وناجائز فرمایا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی باتیں کوئی اور کرتا یا کوئی اور شخص لکھتا تو سب یہی کہتے صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذالم تستحی فاصنع ما شئت

ع بے حیا باش وآنچہ خواہی کن رواہ الامام احمد فی مسندہ والبخاری فی صحیحہ وابو داؤد وابن ماجۃ وابن عساکر فی تاریخہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ

مگر تعارض وتناقض تو شاید یہاں کوئی عیب نہ ہوگا۔ یہاں جائز تو وہاں حرام، یہاں مکروہ تو وہاں مسنون بتانا لازمۂ مذہب ہے۔ فتاوی رشیدیہ صفحہ ۸ کی عبارت تو دیکھ چکے کہ ''طریقہ متعینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعیین کردینا درست ہے۔'' بلاتعیین کو جائز بتانا۔ اب اسی کے صفحہ ۱۸۱ کی عبارت ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں: ''اور عرس کے باب میں بھی یہی جواب ہے کہ منع ہے''۔ اربعین میں مولانا ممدوح (مولوی اسحاق شاہ صاحب) لکھتے ہیں: ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست در تفسیر مظہری می نویسد لا یجوز ما یفعلہ الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السرج والمساجد الیہا ومن الاجتماع بعد الحول ویسمونہا عرسا الخ''۔ یہاں تعیین، بلاتعیین سب کا ایک ہی حکم کہ منع ہے۔

تعجب ہے کہ مولوی صاحب اپنی قدیمی عادت اجتہادی فتویٰ بے دلیل لکھنے کو کیوں چھوڑ بیٹھے اور عبارت لکھدی۔ شاید یہ خرق عادت اور آپ کی کرامت ہوگی لیکن مجھے تو بوجوہ سخت افسوس ہے۔

اولاً اس علم وفضل پر کہ بیس عالمگیری جیسی کتابیں آپ کے سینہ شریف میں بند ہیں، اربعین مردودہ علمائے دین سے دلیل لائے جو اس ہمہ دانی پر بالکل خلاف عقل ہے۔ اصل اشیا میں توقف ثابت کرنے کو قول غیر صحیح درمختار کو پیش کر دیا۔ کتاب کے معتبر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کا ہر ہر لفظ کالوحی ہو اور وہ اپنی ہر نوع مضمون میں معتمد و مستند ہو، نہ ہر قسم مضمون میں مستند ہونے سے یہ لازم کہ ہر فرد مضمون زلت قدم ولغزش قلم سے بری و مامون ہو۔ انبیاو مرسلین وملائکہ مقربین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا وعلیہم وسلم کے سوا کسی کے کلام میں عصمت نہیں آخر الانسان یساوق السہو النسیان تو ایک مشہور بات ہے۔ یہ مسئلہ صاحب درمختار کا چونکہ غیر صحیح تھا لہٰذا شراح نے اس میں کلام فرمادیا۔

علامہ شامی ردالمحتار میں تحت قول (لما ان الصحیح) فرماتے ہیں: ''اقول و فیہ نظر من وجوہ (الیٰ ان قال) الرابع ان نسبۃ الاباحۃ الیٰ المعتزلۃ مخالف لما فی کتب الاصول ففی تحریر ابن الھمام المختار الاباحۃ عند جمھور الحنفیۃ و الشافعیہ اہ و فی شراح اصول البزدوی للعلامۃ الاکمل قال اکثر اصحابنا و اکثر اصحاب الشافعی ان الاشیاء التی یجوز ان یرد الشرع باباحتھا و حرمتھا قبل ورودہ علیٰ الاباحہ وھی الاصل فیھا حتیٰ ابیح لمن لم یبلغہ الشرع ان یأکل ماشاء والیہ اشار محمد فی الاکراہ حیث قال اکل المیتۃ و شرب الخمر لم یحرما الا بالنھی فجعل الاباحۃ اصلا والحرمۃ بعارض النھی وھو قول الجبائی وابی ھاشم واصحاب الظاھر اہ''۔

ثانیاً مولوی صاحب کا مولانا ممدوح کی مردودہ عبارت سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا، تقریب تمام نہیں ہوتی کہ مولوی صاحب کا دعویٰ ممانعت عرس ہے اور مولانا ممدوح عرس کو جائز اور دن مقرر کرنے کو ناجائز فرماتے ہیں۔

ثالثاً قبل استشہاد یہ تو خیال کر لینا چاہئے تھا کہ ان مسائل مختلف فیہا میں قول علیل واجتہادی بے دلیل، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہی کا کہاں تک معتبر ومقبول ہے۔

رابعاً برتقدیر مستند ہونے قول قاضی صاحب کے مولوی صاحب کو انصافاً اس کی تفتیش ضروری تھی کہ اصل عبارت تفسیر مظہری کیا ہے کہ تصحیح نقل یعنی مطابق اصل ہونے کی توقع مولانا ممدوح سے بالکل نہیں کہ نقل میں عبارت بیچ میں سے جو مضر اپنے دعوے کی ہو دور کر دینا، کہیں بیچ میں ایک فقرہ مفید اپنے سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دینا، کہیں کسی کتاب کا نام لکھ کر ایک عبارت لکھ دینا جس کا اصلاً اس کتاب میں نام ونشان نہیں، کہیں قول مردود پر حوالے میں کفایت کرنا، یعنی لکھ دیا کہ فلانی کتاب میں یوں لکھا ہے، حالانکہ اس کتاب میں اس بات کو لکھ کر رد کر دیا ہے۔ یہ آپ کی عادت ہے۔ (دیکھو فتویٰ علمائے شاہجہان آباد مولوی مفتی محمد صدر الدین صاحب و جناب مولوی محمد مخصوص اللہ صاحب وغیرہ وغیرہ مسلکہ بسلک تحقیق الحقیقہ مطبع گلزار حسینی بمبئی)

خامساً بعد تسلیم ان دو باتوں کے کہ قاضی صاحب کا فرمان بجا اور درست ہے اور مولوی صاحب کے مولانا ممدوح نے نقل مطابق اصل فرمائی ہے۔ قاضی صاحب تو اجتماع بعد الحول کالا عیاد کو منع کرتے ہیں، نہ تقرر یوم عرس کو اور مولانا ممدوح کا دعویٰ منع تقرر یوم عرس ہے اور مولوی صاحب کا دعوی مطلق منع ہے۔ رہا قاضی صاحب کا یہ فرمان ویسمونہا عرساً یہ ان کی سمجھ ہے ورنہ ہرگز اولیائے کرام کے مزارات کا طواف کرنا، اسے سجدہ کرنا، چراغ جلانا، سال بھر کے بعد مثل عید کے جمع ہونا حقیقت عرس میں داخل نہیں۔ پس ایسی حالت میں عرس کی ممانعت پر مولانا ممدوح کی اربعین کی عبارت پیش کرنا کتنے بڑے عاقل کا کام ہے۔

سند ششم عرس کو جم غفیر و جماعت کثیرہ علما و مشائخ اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں اور جماعت کثیرہ گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی لقوله صلی الله عيه وآله وسلم لا تجتمع امتی الضلالة یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی و فی روایة ابن ابی عاصم عن انس رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: ان الله تعالی قداجارامتی من ان یجتمع علیٰ الضلالة وفی روایة ابن ماجه عنه رضی الله تعالی عنه انّه قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: ان امتی لن یجتمع علیٰ الضلالة۔

اسی واسطے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اتباع کا حکم دیا اس کی نصرت کا وعدہ فرمایا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ”ید الله علی الجماعة“ رواه الترمذی عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما۔

ابن ماجہ شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔ پیروی کرو بڑی جماعت کی کہ جو ان سے علیحدہ ہوا، جہنم میں پڑا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ”السواد الاعظم يعبر به عن الجماعة الكثيرة والمراد ماعلیه اکثر المسلمین“ اھ۔ پس جب اسے جم غفیر علما و صلحا کرتے چلے آئے تو ہرگز ہرگز یہ گمراہی وضلالت نہیں۔

سند ہفتم اس مطلب پر تصریحات ائمہ وعلماء سے بہتر تو ان ہی بزرگواروں (مولوی اسحاق صاحب و مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان) کی شہادت ہے ع مدعی لاکھ بھاری ہے گواہی تیری۔ اور وہ جو تعیین و تقرر کو ناجائز و ممنوع بتایا اس سے اس طرح کی تعیین و تخصیص ہوگی کہ لوگ اسے لازم جان لیں اور اعتقاد کرلیں کہ سوا اس دن کے اور کسی دن عرس ہو ہی نہیں سکتا، ورنہ تعیین و تخصیص یوم تو مولوی گنگوہی اور ان کے شاگرد صاحب مقدوح اور مولانا ممدوح کے

نزدیک بھی جائز بلکہ بہتر ہے۔

مائۃ مسائل صفحہ ۲۵ میں ہے: ''سوال، مقرر کردن روز برائے زیارت قبور از روز ہا در شرع جائز است یا گناہ کدام گناہ از گناہاں ؟ جواب: مقرر کردن روزے از روز ہائے ہفتہ بوضعیکہ لازم شمارد و برآں اہتمام سازد از احادیث وروایت فقہ کتب معتبرہ ثابت نشدہ، مگر در فتاوی عالمگیری ایں قدر نوشتہ اگر در چہار روز دوشنبہ و پنجشنبہ و جمعہ شنبہ زیارت کند بہتر است۔ عبارتہ ھکذا: افضل ایام الزیارۃ اربعۃ ایام الاثنین والخمیس والجمعۃ والسبت'' آہ۔

فتاوی رشیدیہ صفحہ ۵۲ میں دربارہ ایصال ثواب ہے: ''روز ولادت اور روز وفات بھی درست ہے''۔

اسی طرح مولوی صاحب موصوف کی اول سے آخر تک بغور دیکھی ہوئی مقرظ کتاب براہین قاطعہ صفحہ ۷۹ میں فاتحہ مرسومہ کی بابت ہے: ''یہ تخصیصات وتعینات رسوم صالحہ اس وقت تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو۔ کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کریں''۔

جس سے صاف ظاہر کہ صرف تعیین وتخصیص کو ناجائز وحرام نہیں جانتے بلکہ بہتر اور رسم صالح سمجھتے ہیں۔ ہاں! اس التزام واہتمام کو منع کرتے ہیں اور اگر نہیں تو لوگ اسے بھی ان حضرات کے تناقضات میں گن لیں۔ اور ہاں صاحبو! یہ کیسا انصاف ہے کہ سنیوں کو تو کبھی کبھی ترک کر دینے کی نصیحت ہو اور اپنے کاموں میں التزام واہتمام ضروری سمجھا جائے کما قدمنا۔

سند ہشتم تعامل علمائے حرمین شریفین ہے کہ جس بات پر وہاں کے حضرات بالاتفاق عمل کرتے اور اس کی عادت رکھتے آئے، وہ بھی حجت ہے۔ فقہائے متقدمین اور علمائے متدین مسائل شرعیہ میں اس سے احتجاج کرتے۔ اس کی موافقت کو مستحب اور اس کی مخالفت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

غنیہ شرح منیہ صفحہ ۴۰۴ بحث تراویح میں ہے: ''وھذا الانتظار مستحب لعادۃ اھل الحرمین''۔ ''ہر دو ترویحہ کے درمیان بقدر ایک ترویحہ کے انتظار کرنا مستحب ہے، بوجہ عادت اہل حرمین کے کہ عادت اہل مکہ کی ہر چار رکعت کے بعد طواف کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا اور عادت اہل مدینہ علی صاحبھا افضل الصلوۃ والتحیۃ کی چار رکعت تنہا نماز پڑھنا ہے''۔

ہدایہ میں ہے: ''والمستحب فی الجلوس بین الترویحتین مقدار الترویۃ وکذا بین الخامسۃ والوتر لعادۃ اھل الحرمین''۔

غنیہ میں ہے: (وان استراح علیٰ خمس تلیمات) ای عقیب عشر رکعات (قال بعضھم لا بأس بہ) ای لا یکرہ (قال اکثر المشائخ لا یستحب) ذالک لمخالفۃ اھل الحرمین وقولہ لا

یستحب کنایة عن الکراهة التنزیهیة"۔ "اور اگر جلسہ استراحت کیا دس رکعت کے بعد، بعضوں نے کہا کچھ حرج نہیں اور اکثر مشائخ نے فرمایا: مکروہ ہے بوجہ مخالفت اہل حرمین کے"۔

عینی شرح کنز میں ہے: "الا ستراحة علیٰ خمسة تسبیحات مکروه عندالجمهور لا نه خلاف فعل اهل الحرمین"۔

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: "فان استراح علی رأس خمس تسبیحات ولم یسترح بین کل ترویحتین اختلفوا فیه قال بعضهم لاباس به وقال بعضهم لایستحب ذالك لا نه مخالف لعمل اهل الحرمین"۔

اور بلاشبہہ افعال حسنہ حرمین شریفین میں بلکہ خاص اعراس وزیارت علما ومشائخ وصحابۂ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) ومقامات متبرکہ تعیین ایام وتواریخ عام طور پر بلانکیر رائج ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں نہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا آمنہ ام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم، یازدہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا خدیجہ بنت خویلد ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، دوازدہم ربیع الاول شریف کو زیارت مولد النبی الامین علیہ افضل الصلوات من رب العالمین، سیزدہم صفر کو زیارت وعرس سیدتنا میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسی طرح مدینہ طیبہ میں دوازدہم ربیع الاول شریف کو محفل میلاد فیض بنیاد یا عرس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، دوازدہم رجب المرجب کو عرس وزیارت اسد اللہ واسد رسولہ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۸ شعبان کو عرس سید ابو صالح مدنی قدس سرہ عظیم محافل وہجوم کثیرہ کے ساتھ جس میں علما وصلحا وسادات وعامۂ اہل حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً سبھی ہوتے۔ مزارات طیبات پر حاضر ہوتے، سلام عرض کرتے، فاتحہ پڑھتے، ان کو وسیلہ بناتے، ان کے طفیل میں حاجتیں پوری ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

سند نہم صحیحین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "احب العمل الیٰ الله ماداوم علیه صاحبه وان قل"۔ "محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ نزدیک وہ ہے جس پر عامل مداومت کرے، اگرچہ تھوڑا ہو"۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اسی عنوان سے ایک باب واضع کیا۔ باب احب الدین الیٰ الله ادومه۔ امام عینی اسی کے تحت فرماتے ہیں: الثالث فیه فضیلة الدوام علیٰ العمل والحث علیٰ العمل الذی ینمو القلیل الدائم علیٰ الکثیر المنقطع اضعافاً کثیره۔

اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کار خیر کو شروع کرکے اس کے ترک پر تہدید فرمائی۔ صحیحین میں ہے: "یا عبد الله لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك"۔ "اے عبد اللہ! فلاں جیسا نہ ہونا کہ قیام اللیل کرتا تھا پھر چھوڑ دیا"۔

اور یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ جس کام کے لئے دن تاریخ مقرر ہو، اس پر دوام ہوتا ہے جب وہ تاریخ آتی ہے۔ خیال آجاتا ہے ورنہ آج کل میں عمر تمام ہو جاتی ہے لیکن کام نہیں ہوتا۔ رب العزت جل جلالہ نے حج میں یہ تعیین ضروری نہ فرمائی کہ جس سال زادراہ کا مالک ہو، طاقت رکھے، اسی سال جائے یا دوسرے سال حج کرے یا کب کرنا چاہئے۔ بہتیرے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی قدرت دی ہے، امسال حج کریں گے، آئندہ سال حج کو جائیں گے، اسی طرح ہر سال قصد ہی کرتے رہ گئے کہ عزرائیل علیہ السلام نے ان کا کام تمام کر دیا اور فرض خدائے تعالیٰ کا باران کے سر ہی رہا۔ اسی غرض سے تاریخ مقرر کرکے ایصال ثواب معتاد ہوا کہ بوجہ مداومت احب العمل الی اللہ میں سے ہو جائے۔

سند دھم عرف عام اہل اسلام ہے کہ اسے علماو صلحا، فقرا و اولیا، مشائخ کرام و صوفیائے عظام شرقاً غرباً کرتے چلے آئے اور یہ بھی ایک دلیل استحسان کی ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: ”العادة محكمة واصلها قوله عليه السلام: ماراه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن“۔

اسی میں ہے: ”واعلم ان اعتبار العادة والعرف يرجع اليه في الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك اصلا“۔

برجندی میں ہے: ”العرف ايضاحجة حجة بالنص قال عليه السلام ماراه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن“۔

یہ ...ی میں ہے: ”لايكره الاقتداء بالامام في النوافل مطلقاً نحو القدر والرغائب وليلة النصف من شعبان و نحو ذالك لان ماراٰه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن خصوصا اذااستمر في بلاد الاسلام والا مصار لان العرف اذااستمر نزل منزلة الاجماع“ اھ۔

عینی شرح ہدایہ میں درباب عدم ارسال محرم صید ہے: ”وبذالك جرت العادة الفاشية وهي من احدى الحجج التي يحكم بهاقال عليه السلام: ماراه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن قلت والحديث رواه البزار والطبراني و الطيالسي والامام احمد في كتاب السنة عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه۔ قال السخاوي في المقاصد الحسنه هوموقوف حسن“۔

اور شک نہیں کہ عرس و فاتحہ کو علما و صلحا و عامۂ اہل اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے اور سے بہتر و مستحسن جانتے ہیں۔ حرمین شریفین کی حالت معلوم ہو چکی۔ ولیز الحرمین جدہ میں ہفدہم ۱۷ ر رمضان المبارک کو عرس حضرت سید علوی، بست و چہارم ۲۴ ر کو عرس سید ابو سریر، بست و ہفتم، کو عرس حضرت شیخ محمد عقیلی، یمن میں یکم شعبان سے ۱۵ دن

تک عرس حضرت شیخ محمد بن علوان جن کے نام کی برکت سے اشیائے گم شدہ کا مل جانا، علما نے فرمایا اور بارہا تجربہ ہوا اور برابر ہوتا ہے۔

ردالمحتار طبع استامبول جلد۳ صفحہ۵۰۱ میں ہے: "الانسان اذاضاع له شئی و ارادان یردالله سبحانه علیه فلیقف علیٰ مکان عال مستقبل القبلة ویقرء الفاتحة و یهدی ثوابها للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ثم یهدی ذالك لسیدی احمد بن علوان ویقول یا احمدیا ابن علوان ان لم ترد علیٰ ضالتی نزعتك من دیوان الاولیاء فان الله یردعلی من قال ببرکته اجهوری مع زیادة کذافی شرح المنهج للداؤدی رحمه الله آه قلت و قد جربته مراراً فوجدته صحیحاً و الحمد لله علیٰ ذلك"۔

بغداد مقدس میں حضور پرُ نور غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس شریف نہم ربیع الآخر شریف کو ہوتا ہے۔ شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب "ماثبت بالسنۃ" میں بعد ذکر تاریخ وفات حضور فرماتے ہیں: "قلت بهذه الروایة یکون عرسه تاسع ربیع الآخر و هذا هوالذی ادرکنا علیه سید نا الشیخ الامام العارف الکامل الشیخ عبدا لوهاب القادری المتقی المکی فانه قدس سره کان یحافظ فی عرسه رضی الله تعالیٰ عنه هذاالتاریخ اما اعتمادا علیٰ الروایة وعلیٰ ماراٰی من شیخه الشیخ الکبیر علی المتقی اومن غیره من المشائخ رحمة الله تعالی علیهم و قد اشتهر فی دیارنا هذاالیوم الحادی عشر و هوالمتعارف فی مشائخنا من اهل الهند من اولاده رضی الله تعالی عنه کذا ذکر شیخنا و سیدنا السید البهی الرضی ابو المحاسن سیدی الشیخ موسی الحسینی الجیلانی ابن الشیخ الکامل العارف المعظم المکرم ابی الفتح الشیخ الحامد الحسنی الجیلانی نقلا من اورادالقادریة تصنیف المخدوم الاعظم الاکرم الامجد الافخم ولی الله با لا تفاق الذی یقال له المخدوم السامی الشیخ عبدالقادر الثانی قدس الله تعالی روحه مما نقل فیها عن ابائه الکرام رحمة الله علیهم اجمعین"۔

اسی طرح ہندوستان میں پاک پٹن شریف میں پنجم محرم الحرام کو عرس حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اجمیر شریف میں ششم رجب المرجب کو عرس خواجہ غریب نواز معین الحق والملۃ والدین قدس سرہ، مارہرہ مطہرہ میں دہم ۱۰ محرم الحرام کو عرس صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ، ۱۸ ربیع الاول شریف کو عرس حضرت سید آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ، نیز دہم ۱۸ رذی الحجۃ الحرام کو عرس حضرت سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز، ۱۰-۱۱-۱۲ کو کلیر شریف میں، دوازدہم ربیع الاول شریف کو عرس حضرت علاء الدین

صابر صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، ردولی شریف میں ۱۱ رجمادی الآخرۃ سے ۱۳ تک عرس حضرت شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دہلی اور بدایوں میں کتنوں کی تعداد بتائی جائے، گنج اولیا ہے، شاید ہی کوئی تاریخ خالی جاتی ہوگی، جو کسی نہ کسی کا عرس نہ ہوتا ہو۔ مرادآباد میں بست وہفتم ۲۷ رصفر کو عرس شیخ المشائخ شاہ بلاقی صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، نہم جمادی الآخر کو عرس شاہ محبوب علی صاحب، رامپور میں یازدہم صفر کو عرس مولوی عاشق احمد صاحب، ۱۵-۱۶-۱۷ جمادی الآخر کو عرس مولانا مولوی ارشاد حسین صاحب قدس سرہ، بریلی میں یکم جمادی الآخر کو عرس مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کانپور میں ۲ رصفر کو عرس حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ۳ رجب کو عرس مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، گنج مرادآباد میں ۲۶ ربیع الاول شریف کو عرس مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ پھلواری شریف میں ۹ رشعبان کو عرس حضرت مخدوم شاہ درویش صاحب قدس سرہ، بہار شریف میں ۵ رشوال کو عرس حضور مخدوم الملک مخدوم شاہ شرف الملۃ والدین احمد یحیٰی منیری قدس سرہ، ۴ رجمادی الآخر کو حضرت جناب حضور شاہ امین احمد صاحب قدسنا اللہ بارواحھم و نفعنا فی الدارین ببر کاتھم کا عرس ہمیشہ بتعیین تاریخ وماہ وفات بلانکیر رائج ہے۔ وہابیہ لیام حذ لھم اللہ تعالٰی اپنی بڑکو نباح کلاب سے زیادہ نہ تصور فرمائیں۔

ماہ فشاند نور وسگ عوعو کند ہر کسے بر خلقت خود میں تند

قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر بہیئت کذائی موجود نہ ہونے سے کوئی چیز ممنوع وناجائز نہیں ہوسکتی۔ علما نے صدہا امور میں کہ قرون ثلثہ میں رائج نہ تھے باوجود محدث ہونے کے حکم جواز بلکہ استحسان دیا، مثلاً نماز میں تلفظ نیت باوجود یکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم، نہ خلفائے راشدین، نہ ائمہ مجتہدین سے ثابت، عامہ متون وشروح وفتاوی میں مستحب فرمایا۔

وقایہ میں ہے: "والقصد مع لفظه افضل"۔

مختصر وقایہ میں ہے: "و مع اللفظ افضل"۔

جوہرہ نیرہ میں ہے: "الذکر باللسان مع عمل القلب سنة فالاولی ان یشغل قلبه بالنية ولسانه بالذکر ویده بالرفع"۔

غرر الاحکام میں ہے: "والتلفظ مستحب"۔

درر الحکام میں ہے: "اما الذکر باللسان فلا یعتبر به ویحسن ذلك لاجتماع عزیمة"۔

غنیۃ ذوی الاحکام میں ہے: "قوله والتلفظ بها مستحب یعنی طریق حسن احبه المشائخ لا انه من السنة لانه لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا

عن احد من الائمة الائمة الاربعة بل المنقول انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان اذاقام الى الصلوة كبر فهذه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة"۔

حاشیہ درر لابی سعید خادمی میں ہے:"قوله ويحسن ذالك كونه حسنا هو اختيار الكافى والزيلعى واختير فى منية المصلى تبعاً للمجتبىٰ بترجيح استحبابه و فى الاختيار تبعاً للبدائع سنية"۔

محیط میں ہے:"الذكر باللسان سنة فينبغى ان يقول اللهم انى اريد صلوة كذافيسر ها لى وتقبلها منى"۔

بحر الرائق میں ہے:"قد اختلف كلام المشائخ فى التلفظ باللسان فذكر فى منية المصلى انه مستحب وهو المختار و صححه فى المجتبىٰ و فى الهدية والكافى والتبيين انه يحسن لا جتماعزيمه و فى الاختيار معزيا الىٰ محمدبن الحسين انه سنة وهكذافى البدائع"۔

درمختار میں ہے:"التلفظ عند الارادة بها مستحب وهو المختار وقيل سنة يعنى احب السلف او سنة علماء نااذلم ينقل عن المصطفىٰ والصحابة والتابعين بل قيل بدعة"۔

طحطاوی میں ہے:"لكنها حسنة علىٰ المعتمد لا سيئة"۔

ردالمحتار میں ہے:"قوله بل قيل بدعة، نقله فى الفتح و قال فى الحلية و نقل الا شبه انه حسنة عند قصد جمع العزيمة لانسان قديغلب عليه تفرق خاطره وقداستفاض ظهور العمل به فى كثير من الاعصارفى عامة الامصار فلا جرم انه ذهب فى المبسوط والهداية والكافى الىٰ انه ان فعله لجمع عزيمة قلبه فحسن فيند فع ما قيل انه يكره"۔

غنیۃ شرح منیہ میں بعد نقل اس بات کے کہ قرون ثلاثہ میں اس کا وجود نہ تھا، بدعت ہے، فرمایا:"فكونه بدعة لا ينافى كونه حسناً لقصد اجتماع العزيمة علىٰ ماشار اليه فى الهداية وصرح فى التجنيس"۔

مرقات شرح مشکوۃ میں ہے:"الا كثرون علىٰ ان الجمعه بينهما مستحب يسهل تعقل معنى النية واستحضارها" الخ۔

شرح اللمعات میں ہے:"فقہا گفتہ اند کہ اگر بزبان نیز گوید بہتر است ومستحب تا زبان با دل موافق وظاہرہ باطن مطابق بود۔ ونیز تعقل معنی نیت واستحضار آن در دل بذکر الفاظ آسان باشد"۔

اسی طرح تھویب کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا لیکن عامۂ کتب مذہب متون مثل تنویر الابصار، وقایہ، نقایہ، کنز، غرر، وافی، ملتقی، اصلاح، نور الایضاح، شروح مانند درمختار، ردالمحتار، طحطاوی، عنایہ، نہایہ، غنیۃ شرح منیہ،

صغیری، بحرالرائق، نہرالفائق تبیین الحقائق، برجندی، قہستانی، دررالحکام، کافی، مجتبیٰ، ایضاح، امداد الفتاح، مراقی الفلاح، حاشیہ المراقی للعلامۃ الطحطاوی، فتاویٰ مثل ظہیریہ، خانیہ، خلاصہ، خزانۃ المفتین، جواہر اخلاطی، عالمگیری وغیرہا میں جائز و مستحسن فرمایا۔

مختصر وقایہ میں ہے: ''التثو حسن فی کل صلوۃ''۔

تنویر الابصار علامہ غزی تمرتاشی میں ہے: ''یثوب الافی المغرب''۔

درمختار محقق علائی میں ہے: ''یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ''۔

غنیۃ میں ہے: ''واستحسن المتأخرون التثویب زادفی شرح الوقایۃ فی الصلوات کلھا''۔

اسی طرح خطبہ میں ذکر خلفائے راشدین اور عمین مکرمین رضی عنہم رب المشرقین۔

بحرالرائق میں ہے: ''وذکر الخلفاء الراشدین مستحسن بذالک جری التوارث و بذکر العمین''۔

درمختار میں ہے: ''یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین''۔

اور اسی قبیل سے خطبہ میں دعائے سلطان ہے، جسے بعض علما نے بمصلحتِ زمانہ واجب تک کہنا مجوز رکھا ہے۔

درمختار میں ہے: ''لا(ای لا یندب) للسلطان وجوزہ القہستانی''۔

ردالمحتار میں اس کی تائید فرمائی اور کہا: ''وایضا فان الدعاء للسلطان علی المنابر قد صارا لأن من شعار السلطنۃ فمن ترکہ یخشی علیہ ولذاقال بعض العلماء لوقیل ان الدعاء لہ واجب لما فی ترکہ من الفتنہ غالباً لم یبعد'' الخ۔

اسی طرح تسلیم بعد الاذان کہ ربیع الآخر ۷۸۱ یا ۷۹۱ ہجری زمانہ سلطان ناصر صلاح الدین سے شروع ہوئی اور اسے بدعتِ حسنہ فرمایا۔

درمختار میں ہے: ''التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدٰی و ثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا فی المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ''۔

ردالمحتار میں ہے: ''قولہ سنۃ ۷۸۱ھ کذافی النہر عن حسن بالمحاضرۃ للسیوطی ثم نقل عن القول البدیع للسخاوی انہ فی سنۃ ۷۸۱ھ وان ابتداءہ کان فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بامرہ''۔

اسی طرح مصافحہ بعد العصر۔ درمختار میں ہے: ''فی مسئلۃ المصافحۃ بعد العصر قولھم انہ بدعۃ ای حسنۃ مباحۃ

کما افادہ النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ"۔

اسی طرح مصافحہ بعد صبح۔ نسیم الریاض میں ہے: ''الاصح انہا بدعۃ مباحۃ"۔

اسی طرح قرآن شریف میں اسمائے سور اور آیات کی تعداد لکھنا، اسے مطلا کرنا۔

درمختار میں ہے: ''وجاز تحلیۃ المصحف لمافیہ من تعظیمہ وفیہ وعلی ھذا لاباس بکتابۃ اسامی السور وعددالآی والعلامات فھی بدعۃ حسنۃ"۔

جواہر اخلاطی پھر فتاویٰ علمگیریہ میں ہے: ''لاباس بکتابۃ آسامی السور وعدد الآی وھو وان کان احد اثافھو بدعۃ حسنۃ وکم من شئی کان احداثا وھو بدعۃ حسنۃ وکم من شئی یختلف باختلاف الزمان والمکان"۔

''قرآن مجید میں سورتوں کے نام اور آیتوں کی گنتی لکھنے میں حرج نہیں اور وہ اگرچہ نو پیدا ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت نئی چیزیں بدعت حسنہ ہوتی ہیں اور بہت چیزوں کا حکم زمانہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین میں نہ تھے، بدلتا رہتا ہے"۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: ''ان المسجد کان علیٰ عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبنیا باللبن وسقفہ الجرید وعمدہ خشب النخل"۔

بلکہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی۔ منڈی بنانے کا حکم ہوا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ''ابنوا المساجد واتخذو ھاجما"۔ ''مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو"۔ رواہ ابن ابی شیبۃ والبیھقی فی السنن عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً۔

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر متنبہ ہونے کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہوگئے۔ اس قسم کے امور کو علما و عامۂ مسلمین نے مستحسن رکھا و کما افتیٰ بہ سیدی مدظلہ۔

اسی طرح ختم تراویح کے دن باجماعت دعا کرنا آخر رکعت میں سورہ اخلاص تین بار پڑھنا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''تکلموا فی الدعاء عند ختم القرآن فی شھر رمضان بالجماعۃ واستحسنہ المتاخرون فلایمنع من ذلک وقراءۃ سورہ الاخلاص ثلاث مرات عند ختم القرآن استحسنہ مشائخ العراق الافی المکتوبۃ"۔

اسی طرح مجلس میلاد فیض بنیاد سرکار ابد قرار حضور سرور کائنات علیہ وعلیٰ الہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کہ خیر القرون میں اس ہیئت کذائی کے ساتھ معمول نہ تھی پھر بھی علمائے کرام نے اسے جائز و مستحسن فرمایا۔

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "یستحب لنا ایضا اظهار الشکر بمولده صلی الله تعالی علیه وسلم بالاجتماع واطعام الطعام ونحو ذالك من وجوه القربات واظهار المسرات"۔

امام ابوالخیر شمس الملۃ والدین سخاوی وشیخ القراء محمد ابن الجزری وامام شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی وغیرہم فرماتے ہیں: "واللفظ للمواهب لازال اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده علیه الصلوٰة والسلام ويعملون الولائم ويتصدقون في لياليه بانواع الصدقات ويظهرون السرور ويزيدون في المبرات ويعتنون بقراءة مولده الكريم ويظهر من بركاته كل فضل عميم"۔

امام حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن "الباعث علیٰ انکار البدع والحوادث" میں فرماتے ہیں: "ومن احسن البدع في زماننا هذا من هذا القبيل (ای البدعة المتفق علیٰ جواز فعلها والاستحباب بها ورجاء الثواب من حسنت نيته فيها) ما كان يفعل بمدينة اربل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولد النبي صلی الله تعالی علیه وسلم من الصدقات والمعروف واظهار الزينة والسرور فان ذالك مع ما فيه من الاحسان الى الفقراء يشعر بمحبة النبي صلى الله عليه وسلم و تعظيمه واجلاله في قلب فاعله وشكر الله علیٰ ما من به من ايجاد رسوله الذي ارسله رحمة للعالمين صلى الله عليه وسلم"۔

علامہ شیخ صدرالدین بن عمر شافعی فرماتے ہیں: "هذه البدعة لاباس بها ولايكره البدع الا اذا راغمت السنة واما اذا لم تراغمها فلاتكره ويثاب الانسان بحسب قصده في اظهار السرور والفرح بمولد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم"۔

الکوکب الانور علیٰ عقد الجوہر تالیف سید جعفر برزنجی مفتی شافعیہ میں ہے: "اعلم انه (ای عمل المولد) بدعة لانه لم ينقل عن احد السلف الصالح من القرون الثلاثة الفاضلة التي شهد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بخيرتها لكنها بدعة حسنة لما اشتملت عليه من الاحسان الكثير للفقراء ومن قراءة القران واكثار الذكر والصلوٰة علیٰ النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم واظهار الفرح و السرور به ولا حل ذالك لما ظهرت بعد تلك القرون الثلاثة لم يزل اهل الاسلام في سائر الاقطار يحتفلون في شكر مولده خصوصاً في ليلته بعمل المولد في ولائم مشتملة علیٰ كثرة المطاعم والاحسان والصدقات والمبرات مع الاكثار من قراءة القرآن المجيد والذكر و قراءة مولده"۔

امام محقق حافظ ابوزرعہ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: "الوليمة واطعام الطعام مستحب في كل وقت فكيف اذا انضم الىٰ ذلك السرور بظهور نور النبوة في هذا الشهر الشريف ولانعلم ذلك من السلف ولا

یلزم من کونہ بدعۃ کونہ مکروھا فکم من بدعۃ مستحبۃ بل واجبۃ اذا لم ینضم الیٰ ذلک مفسدۃ"۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی شرح ابن ماجہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں: "الصواب انہ من البدع الحسنۃ المندوبۃ اذا خلی من المنکرات شرعاً آہ وقال فی فتاواہ عندی ان اصل المولد من البدع الحسنۃ التی یثاب صاحبھا لمافیہ من تعظیم قدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظھار الفرح والاستبشار بمولدہ الشریف"۔

اسی طرح قیام وقت ذکرولادت پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مولانا عثمان حسن دمیاطی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: "القیام عند ذکر ولادۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فی قرائۃ المولد الشریف تعظیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم امر لا شک فی استحسانہ ویحصل لفاعلہ من الثواب الحظ الاوفر والخیر الاکبر"۔

عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر تالیف علامہ سید جعفر برزنجی میں ہے: "وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) الشریف ائمۃ ذو وروایۃ و (ذوو) رویۃ آہ مع زیادۃ ما بین الھلالین"

الکوکب الانور علیٰ عقد الجوہر تالیف سید جعفر برزنجی ابن ابن ابن المولف السید جعفر برزنجی میں ہے:

"ھذا القیام بدعۃ لا اصل لھا لکنھا بدعۃ حسنۃ لاحل التعظیم"۔

القول المنجی علیٰ مولد البرزنجی تالیف شیخ محمد بن احمد مفتی مالکیہ میں ہے: "جرت العادۃ بقیام الناس اذا انتھی المداح الیٰ ذکر مولدہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیھا من اظھار الفرح والسرور"۔

قال الصرصری نفعنا اللہ بہ۔

قلیل لمدح المصطفیٰ الخط بالذھب ... علیٰ فضۃ من خط احسن من کتب
وان تنھض الاشراف عند سماعہ ... قیاما صفوفاً او جثیاً علیٰ الرکب
اما اللہ تعظیما لہ کتب اسمہ ... علیٰ عرشہ یا رتبۃ سمت الرتب

امام مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس "النفحۃ العنبریۃ لا ثبات القیام فی مولد خیر البریۃ" میں فرماتے ہیں: قد استحسن اھل مکۃ المعظمۃ والمدینۃ المنورۃ زادھم اللہ شرفاً وتعظیماً ویقومون عند ذکر وضعہ علیہ السلام کما لا یخفیٰ علیٰ الحجاج وقال الامام ابوزید فی مولدہ: "استحسن العلماء القیام عند ذکر الوضع"۔ وقال العلماء الحنبلیۃ: "عند ذکر ولادتہ صلی اللہ

تعالی علیه وسلم القیام واجب لماانه تحضر روحانیته صلی الله تعالی علیه وسلم وعلی هذا عمل اهل مكة الشريفة فی زيارتهم موضع ولادته الشريفة''۔

اسی طرح تقلید شخصی کہ اب اہل سنت وجماعت میں ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالی عنہم میں منحصر ومحصور ہے۔ حالانکہ خیر القرون میں ہرگز اس طرح پر نہ تھی، بلکہ دوصدی کے بعد شائع ہوئی مگر علمائے کرام نے اس کے وجوب کا حکم فرمایا۔ جوان چہار مذہبوں سے خارج ہو، اسے بدعتی جہنمی فرمایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''انصاف فی بیان سبب الاختلاف'' صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں: ''بعد المائتين ظهر بينهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هو الواجب فی ذالك الزمان''۔ ''دوصدی کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں شائع ہوا۔ کم کوئی شخص تھا جو امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہ واجب ہے اس زمانے میں''۔

طحطاویہ حاشیہ درمختار میں ہے: ''هذه الطائفة الناجية قدا جتمعت اليوم فی مذاهب اربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله تعالى ومن كان خارجاً عن هذه الاربعة فی هذاالزمان فهومن اهل البدعة والنار''۔ ''اہل سنت کا گروہ ناجی۔ اب چار مذہب میں مجتمع ہے، حنفی مالکی شافعی حنبلی۔ اللہ تعالی ان سب پر رحمت فرمائے جوان چار سے باہر ہے، وہ بدعتی جہنمی ہے۔

''الى غير ذالك من الامور التى لم تكن فی خير القرن واحد ثت بعده ذالك وقد اباحها واستحسنها بل أو جبها العلماء۔

بالجملہ عرس مسئول عنہ کی اباحت وجواز میں شک نہیں کہ وہ مجموعہ امور مستحسنہ کا ہے۔ اور مجموعہ امور مستحسنہ کا مستحسن ہوتا ہے اور اجتماع سے کوئی حکم منافی آحاد کے پیدا نہیں ہوتا بلکہ حسن اس کا حسن، ہر واحد سے زیادہ ہو جاتا ہے جیسے بالوں کی رسی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور بڑی جماعت کی خبر باوجود ظنیت آحاد کے مفید یقین کی ہو جاتی ہے اور حدیث ضعیف تعدد وطرق سے حسن ہو جاتی ہے کما قد مناعن اشعة اللمعات۔ اور جب ان سب امور خیر کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے دعوت وہدایت فرمائی اور مزارات شہدائے کرام پر ہر سال تشریف لے جا کر اس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد اور کس موجد کی ضرورت ہے؟

(۲) جس جگہ ہو، ہند یا سندھ ایام اعراس وغیرہ میں قوالی ہوتی ہے یا طوائف مزین ہو کر باساز ومزامیر رقص ومجرا کیا کرتی ہیں۔ چونکہ خود ایسی قوالی حرام، حاضرین سب گنہگار ہوتے ہیں اور ان سب کا گناہ قوالوں پر اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے سر قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ

میں کچھ کمی واقع ہو یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف نہ ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا پورا گناہ الگ اور ان سب حاضرین کے برابر جدا او ران سب کا مجموعہ ایسا عرس کرنے والے پر۔ یہ وجہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا اور ان کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ کرتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے، اس لئے ان سب کا گناہ قوالوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا، نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے، بجاتے۔ لہذا قوالوں کا گناہ بھی اسی بلانے والے پر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: ''من دعا الیٰ ھدی کان لہ من لہ من الاجر مثل اجور من تبعہٗ لا ینقص ذلک من اجور ھم شیئا و من دعا الیٰ ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ لاینقص ذلک من آثامھم شیأ''۔ ''جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے، جتنے اس کا اتباع کریں، ان سب کے برابر ثواب پائے، بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔ اور جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے، جتنے اس کے بلانے پر چلیں، ان سب کے برابر اس کے اوپر گناہ ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف نہ ہو۔ رواہ الائمۃ احمد و مسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ۔

باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ شہیرہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے: حضور اقدس صلی تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحر والحریر و الخمر والمعازفحدیث صحیح جلیل متصل وقداخرجہ الائمۃ احمد و ابو داؤد و ابن ماجۃ والا سمٰعیلی و ابو نعیم باسانید صحاح لا مطعن فیھا و صححہ جماعۃ آخرون من الائمۃ کما قالہ بعض الحفاظ قالہ الامام ابن حجر المکی فی کف الرعاع (ہ افادہ سید نا العلام فی عطایا النبویۃ ۱۲ منہ)'' ضرور میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہونے والے ہیں کہ حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑے اور شراب اور باجوں کو''۔

بعض جہال بدمست یا نیم ملا ہوس پرست کہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبان خدا کا بر سلسلۂ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا تعالی سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیا رضی اللہ تعالی عنہ وعنہم وعنا بہم فوادالفوید شریف میں فرماتے ہیں: ''مزامیر حرام است'' مولانا فخر الدین زراوی، خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالی عنہما نے حضور کے زمانہ مبارک میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تحریر فرمایا۔ اس میں صاف ارشاد ہے: ''اما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالی عنھم فبرئی عن ھذہ التھمۃ و ھومجرد صوت

القوال مع الاشعار المشعرة من كمال صنعة الله تعالیٰ"۔ ''ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہے، ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی سے خبر دیتے ہیں''۔

للہ انصاف! ان امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا یا آجکل مدعیان خام کار کی تہمت بے بنیاد ظاہر الفساد ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جو لوگ اس کی ممانعت پر قدرت رکھتے ہیں انہیں منع کرنا لازم۔

مسلم شریف میں ہے: ''من رای منكم منكر آفليغيره بيده فان لم يقدر فبلسانه فان لم يقدر فبقلبه و ذلك اضعف الايمان وفی رواية وليس وراء ذلك حبة خردل من الايمان"۔ جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو چاہئے کہ مٹادے اپنے ہاتھ سے اور جو اس پر قدرت نہ رکھے تو زبان سے اس کی برائی بیان کردے اور جو اس پر بھی قدرت نہ رکھے تو چاہئے کہ دل سے برا جانے اور یہ بہت ہی ضعیف درجے کا ایمان ہے اور دوسری روایت میں ہے اور اس کے اندر رائی کے دانہ برابر ایمان نہیں۔ جس طرح امر بالمعروف اہم فرائض دینیہ ہے، اسی طرح نہی عن المنکر بھی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: ''كلا و الله لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر اوليضربن الله قلوب بعضكم علىٰ بعض ثم ليلعنكم كما لعنهم" ۔ ''یوں نہیں خدا کی قسم! یا تو تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے پر مارے گا پھر تم سب پر لعنت اتارے گا، جیسی ان بنی اسرائیل پر لعنت اتاری''۔ قال تعالیٰ: 'لعن الذين كفروا من بنی اسرائيل علیٰ لسان داؤد و عيسى بن مريم ذلك بما عصوا و كانوا يعتدون كانوا لايتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلون" ۔ ''بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت پڑی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے کا یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے ضرور یہ فعل ان کا سخت بُرا تھا''۔

علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت اس آیۃ کے فرماتے ہیں: ''و فيه دليل علیٰ ان ترك النهی عن المنكر من العظائم فيا حسرة علىٰ المسلمين فی اعراضهم عنه" ۔ ''اور اس آیت میں دلالت اس بات پر ہے کہ نہی عن المنکر نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ افسوس ہے مسلمانوں کے حال پر اس کے چھوڑ دینے میں''۔

اگر چہ مانا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ ہر شخص پر فرض، نہ ہر حال میں واجب بلکہ بعض صور میں شرع ہی اس کے ترک کی ترغیب دے گی جبکہ اس سے کوئی فتنہ اشد پیدا ہو۔

شرح عقائد جلالی بحث الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں ہے: ''و شرطه ای شرط وجوبه و ندبه ان

لایودی الیٰ الفتنة فان علم انه یودی الیها لم یجب ولم یندب بل ربما کان حراما"۔ "مگر جو لوگ ذی قوت اور اہل اختیارات ہیں کہ ان کے منع کر دینے سے لوگ رک جائیں گے، ان پر فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو لوگوں کو روک دیں۔ انہیں صرف قلب سے برا جاننا کافی نہ ہوگا"۔

فتاویٰ علمگیریہ میں محیط سے ہے: "ان الامر بالمعروف علیٰ وجوه ان کان یعلم با کبر رأیه انه لو امر بالمعروف ویقبلونه ویمتنعون عن المنکر فالا مرواجب علیه ولا یسعه ترکه"۔ "اگر جانتا ہے کہ اس کے امر بالمعروف کرنے کو لوگ قبول کریں گے، برائی سے باز آئیں گے تو اس پر امر بالمعروف واجب ہے، اسے چھوڑ نہیں سکتا"۔

شرح شفا ملا علی قاری میں ہے: "الا نکار القلبی لا یکون کافیاً الا للعاجز عن انکار بیدیه اولسانه"۔ "انکار قلبی کافی نہ ہوگا مگر اس شخص کے لئے جو عاجز ہے انکار لسانی یا ہاتھ سے منع کرنے سے اور جو شخص اس پر قدرت رکھتا ہے اور پھر باوصف قدرت ترک کرے گا، ضرور گنہگار ہوگا"۔

سائل کا مطلقاً اہل قبور سے استمداد کو شرک بتانا، اختلاط وہابیاں سے ناشی۔ اولیائے کرام سے انہیں واسطۂ فیض الٰہی جان کر استمداد و استعانت ہرگز گناہ تک نہیں۔ حدیثوں کی تو گنتی نہیں۔ بے شمار احادیث میں حکم استعانت وارد۔ خود رب العزت جل وعلا فرماتا ہے: واستعینوا بالصبر والصلوٰة۔ اور استعانت کرو صبر اور صلوٰۃ سے اور یقینی قطعی اجماعی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا حکم نہیں دیتا اور نہ شرک میں تفریق ہے کہ صبر وصلوٰۃ خدا تعالیٰ کے شریک ہو سکتے ہوں، انبیا و اولیا نہیں اور اگر یہ شرک ہی ہے تو جب خدائے تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر فرماتے ہیں تو ہم اس کے بندے ہیں، اس کا اتباع واجب۔ ایسے شرک پر جس کا اللہ تعالیٰ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں، ان چر توحیدیوں کی لاکھ توحیدیں قربان۔

قال الله تعالی: ما اتکم الرسول فخذوه۔ وقال الله تعالی: ومن یطع الرسول فقد اطاع الله۔ وقد افرد الحضرة الشیخ فی هذا الباب رسالة سماها "برکات الامداد لاهل الاستمداد"۔

متعدد احادیث میں زیارت قبور کو عورتوں کے لئے ناجائز فرمایا بلکہ لعنت تک آئی۔ قال هذا حدیث حسن صحیح والامام احمد فی مسنده وابن ماجة فی سننه والحاکم فی المستدرك عن حسان بن ثابت رضی الله تعالی عنه مگر بعد کو اجازت دے دی گئی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها رواه محرر المذهب النعمانی الامام محمد بن الحسن الشیبانی فی الا ثار عن امامنا الا عظم عن ابن بریدة الاسلمی عن ابیه رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم قال وبهذا ناخذ لا باس

بزیارۃ القبور للدعا للمیت ولذکر الآخرۃ وھو قول ابی حنیفۃ ومسلم وابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ"۔

علما کو اختلاف ہوا کہ اس اجازت میں عورت بھی داخل ہیں یا صرف مردوں کے لئے حکم ہوا۔ اصح مذہب میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "اختلف المشائخ فی زیارۃ القبور للنساء قال شمس الائمۃ السرخسی الاصح انہٗ لا بأس بھا"۔

جامع الرموز میں ہے: "وزیارۃ القبور مستحب للرجال و کذالک للنساء علی الاصح"۔

مختار الفتاویٰ میں ہے: "لاباس بزیارۃ القبور وھو قول ابی حنیفۃ وظاھر قول یقتضی الجواز للنساء ایضاً لانہ لم یخص الرجال"۔

کشف بزودی علامہ فخر الاسلام علی بن محمد جلد ۳ صفحہ ۱۸۶ میں ہے: "والاصح ان الرخصۃ ثابت للرجال و النساء جمیعاً"۔

بحر الرائق میں ہے: "الاصح ان الرخصہ ثابتۃ لھما"۔

درمختار میں ہے: "لا بائس بزیارۃ القبور ولوللنساء لحدیث کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا"۔

ردالمختار میں ہے: "قولہ وبزیارۃ القبور بل تندب کما فی البحر عن المجتبیٰ فکان ینبغی التصریح للا مر بھا فی الحدیث المذکور کما فی الامداد"۔

مگر غنیۃ وغیرہ میں اسے مکروہ فرمایا: ونصہ "ویستحب زیارۃ القبور للرجال و تکرہ للنساء"۔ علما نے اسے تطبیق دی اور فرمایا کہ اگر تجدید حزن وبکاء کے لئے ہے جیسی ان کی عادت ہے تو ناجائز وممنوع ہے اور اگر عبرت حاصل کرنے کے لئے اور قبور صالحین کے ساتھ برکت حاصل کرنے کی غرض سے ہے تو بوڑھیوں کو اجازت ہے مگر جوان عورتوں کے لئے اجازت نہیں جیسے مساجد میں حضور جماعت سے منع کی گئیں

شامی میں ہے: "وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ماجرت بہ عادتھن فلا یجوز و علیہ حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان للاعتبار والتر حم من غیر بکاء والتبرک بزیارۃ قبور الصالحین فلابأس اذا کن عجائز و یکرہ اذا کن شواب کحضور الجماعۃ فی المساجد اھ و ھو توفیق حسن"۔

مگر ازانجا کہ احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں، فتاویٰ رضویہ میں فرمایا: "اقول قبور اقرباء پر خصوصا بحال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزارات اولیائے کرام میں احد الشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے والہذا غنیۃ میں کراہت پر جزم فرمایا۔ البتہ خاکبوسی آستان عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قرب واجبات سے ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے"۔

خزانۃ المفتیین وفتاویٰ عالمگیریہ میں فتح القدیر سے ہے: "قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ انھا افضل المندوبات"۔

مناسک القاری شرح المختار میں ہے: "انھاقریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ"۔

شفائے امام قاضی عیاض مع شرح ملا علی قاری میں ہے: "(زیارۃ قبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سنۃ من سنن المسلمین مجمع علیھا) ای مجمع علیٰ کونھا سنۃ وممن ادعی الاجماع النووی وابن الھمام بل قیل انھا واجبۃ اہ واللہ تعالی اعلم قلت و کذا العلامۃ ابن حجر فی الجوھر المنظم فی زیارۃ قبر النبی المکرم۔

اللھم ارزقنا زیارۃ حرمك و حرمہ الابقی وادم علینا الاقامۃ بحرمۃ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم الیٰ ان نتوفیٰ و متعنا بشفاعتہ الاشفیٰ واوردنا حوضہ الاصفیٰ واسقنا بکاسہ الاوفیٰ امین واخردعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ و آلہ وصحبہ اجمعین الیٰ یوم الدین"۔

(اس فتوے پر آخیر میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اور مولانا عبدالمقتدر بدایونی علیہ الرحمہ کی تصدیقات بھی ہیں، لیکن ان کا یہاں ذکر کرنا بے محل ہے، اس لئے حذف ہوئیں۔ ۱۲ ساحل)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد۔ تحریرات فریقین نظر سے گذریں۔ محرمین فاتحہ نے جس حیاودیانت سے کام لیا ہے، عیاں ہے۔ عیاں را چہ بیاں۔ مسئلۂ فاتحہ کو علمائے اہل سنت کثر اللہ تعالیٰ امثالھم نے اس طرح ثابت فرمایا ہے کہ باحیا مخالف کو بھی بجز تسلیم، چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ بقدر ضرورت انہی حضرات کے فیوض سے فقیر غفرلہ المولی القدیر نے بھی اسے رسالہ "مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس" میں بعض تصریحات اور دس سندیں اس مضمون پر ذکر کیں۔ اگرچہ روئے سخن وہاں جانب عرس تھا مگر حکم، فاتحہ وعرس دونوں کا ایک۔ فالبیان والبیان والدلیل والدلیل۔ اس تحریر میں تمام

لغو و بے تعلق مباحث مناظرہ وجملہ ہائے ذاتی این وآن وبہ ہماں وفلاں سے قطع نظر اور صرف وضاحتِ مرام وازاحتِ اوہام مقصود۔ وما توفیقی الا بالملک المعبود۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ مجمل ومختصر جواب، موضح حق وصواب، دافعِ شک وارتیاب، نافعِ اولی الالباب ہو۔ ناظرین سے ماموں کہ براہ بشریت خطا پائیں، دامن عفو میں چھپائیں اور حق کے لئے بحکم "انظر الیٰ ما قال ولا تنظر الیٰ من قال" امید قبول۔ وما توفیقی الا باللہ العزیز الجلیل وھو حسبی و نعم الوکیل فاقول باللہ التوفیق وبہ الوصول الیٰ ذری التحقیق۔

اموات مسلمین وعلمائے عاملین وصلحائے کاملین وانبیاء ومرسلین علیہم التحیۃ والتسلیم کو فاتحہ ودرود وقرآن خوانی وطعام خورانی وغیرہا اعمالِ صالحہ کا ثواب پہنچانا گو بتعیین تاریخ ودیگر قیود جائزہ رائجہ ہو، بے شبہ جائز ومباح بلکہ مستحسن ومندوب وشرعاً مقصود ومطلوب ہے۔ جس کے لئے قطع نظر تمام اسناد ودلائل وتصریحاتِ معتمدان فرقۂ مخالفین وتلویحات ائمہ منکرین، اصل اشیاء میں مذہب صحیح ومعتمد ومختار جمہور حنفیہ کرام خصہم اللہ باللطف والاکرام پر اباحت ہونا ہی کافی ووافی دلیل ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے۔ اسے دلیل کی کیا حاجت؟ دلیل تو ان حضرات کو دینی چاہئے جو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرتے، حرمت یا لا اقل کراہت کی پکار پکارتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

رہا یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے بھی یا خواہ مخواہ قائل جواز متمسک باصل ہے؟ اجلۂ اکابر علمائے اہل سنت نے ایسے واضح اور صاف لفظوں میں ثابت فرمایا ہے کہ

گر آں جملہ را سعدی املا کند   مگر دفتر دیگر انشا کند

مگر بمضمون "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" ان میں سے صرف بعض کا افاضہ اور بنظر اتمام حجت تاکہ پھر کسی کو، پرانا مغالطہ، اور "دھوکے کی ٹٹی" کہنے کی جرأت نہ ہو، تحریرات معتمدین مخالفین بلکہ ائمہ منکرین کا اضافہ ضرور۔

قال عز من قائل: "هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" (البقرۃ ۲۹) "وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے" (کنزالایمان)

علامہ حافظ ابن ابوالبرکات نسفی مدارک التنزیل میں تحت اس آیہ کے فرماتے ہیں: "قد استدل الکرخی وابو بکر الرازی والمعتزلہ بقولہ خلق لکم علیٰ ان الاشیاء التی یصلح ان ینتفع بہا خلقت مباحۃ فی الاصل۔"

مشکوۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: "کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو (مشکوۃ المصابیح کتاب الصید، باب ما یحل اکلہ وما یحرم)"۔

شیخ محقق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: "از ایں جا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء اباحت است۔"

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں تحت حدیث "الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ

فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفی عنه رواه الحاکم فی المستدرک عن سلمان الفارسی" فرماتے ہیں:"
فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحة"

اشعۃ اللمعات میں ہے: "وایں دلیل است برآں کہ اصل در اشیاء اباحت است۔"

مرقاۃ میں زیر حدیث " ان الله فرض فرائض ولا تضیعوها وحرم حرمات فلا تنتهکوها وحد حدودا فلا تعتدوها وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنها" ہے: "دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحة۔"

علامہ قاسم ابن قطلوبغا، شاگرد رشید محقق علی الاطلاق اپنے بعض تعالیق پھر علامہ حموی "غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر" میں تحت قول "الاصل فی الاشیاء الاباحة" تحریر فرماتے ہیں: "ذکر العلامة قاسم بن قطلوبغا فی بعض تعالیقه ان المختار ان الاصل الاباحة عند جمهور اصحابنا۔"

ھدایہ فصل حداد میں ہے: "الاباحة اصل"۔

علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اشباہ میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا اور اس پر مسائل متفرع فرمائے۔ حیث قال: "ویتخرج علیها ما اشکل حله فمنها الحیوان المشکل امره والنبات المجهول سمیته۔"

حموی میں ہے: "قوله النبات المجهول الخ یعلم منه حل شرب الدخان"

ردالمحتار جلد اص ۱۰۹ میں ہے: "صرح فی التحریر ان المختار ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفية والشافعیة اه وتبعه تلمیذه العلامة قاسم وجری علیه فی الهدایة فی فصل الحداد وفی الخانیة من اوائل الحظر والاباحة وقال فی شرح التحریر" هو قول معتزلة البصرة وکثیر من الشافعیة واکثر الحنفیة لا سیما العراقیین قالوا" والیه اشار محمد فی من هدد بالقتل علی اکل المیتة او شرب الخمر فلم یفعل حتی قتل بقوله خفت ان یکون اثما لان اکل المیتة وشرب الخمر لم یحرما الا بالنهی عنهما فجعل الاباحة اصلا والحرمة بعارض النهی ویقول ایضا انه قول اکثر اصحابنا واصحاب الشافعی، الشیخ اکمل الدین فی شرح اصول البزدوی اه۔"

اس میں علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے: "لیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالیٰ باثبات الحرمة او الکراهة الذین لا بد لهما من دلیل بل فی الاباحة التی هی الاصل۔"

علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا امڈ رہے ہیں، کہاں تک کوئی لکھے۔ اب ایک دو فتوی وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگر چہ وہ وسعتِ علم وفسحتِ ذکاء وفہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں۔ اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چوبیسویں سوال "رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہبند باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟" کے جواب میں ہے "ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔

بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط"۔

یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ "فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے"۔ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ "بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز ادلہ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع وناجائز رہے گا"۔ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ "اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفرادہا جائز ہیں تو جو امور بانفرادہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کرکے یہ ہیئت بنالینا، دھوکے کی ٹٹی ہے"۔ نہ ٹکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ "یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ۱ س ۱۱) نہ یہ کہا کہ "یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی" ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسی طرح اسی کے ص ۳۷ سوال "رنگ انگریزی پڑیا کا جو بکس میں آتا ہے، رنگنا کپڑے کا اس سے درست ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو بوجہ رنگت کے یا کسی اور وجہ سے؟" کے جواب میں لکھتے ہیں: "رنگ انگریزی میں شراب پڑتی ہے۔ لہذا اس رنگ کا استعمال درست نہیں۔" اسی طرح اس کے ص ۸۵ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں "پڑیا کا رنگ تو بسبب نجاست شراب کے، مرد وعورت دونوں کو درست نہیں۔" دیکھئے حرمت بوجہ عارض شراب مانا، جو صاف بتا رہا ہے اصل میں اباحت ہے۔ ہاں اس عارض کی وجہ سے ناجائز ہوا۔ یہ نہ کہا کہ فقہ کی کتاب میں انگریزی پڑیا کے رنگ کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالکل بے اصل ہے، نہ یہ کہا کہ "بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے تو جب تک اس کا جواز ادلہ فقہیہ سے نہ ثابت ہو، ممنوع وناجائز رہے گا"۔ نہ یہ کہا کہ انگریزی پڑیا کا رنگ کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک اس کا منقول ہونا یا کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ ہو، تب تک یہ بدعت سیئہ رہے گا۔ وغیر ذلک من التقریرات التی لا طائل لہ تحتہا۔

اسی طرح ص...... پر سوال "کانچ کی چوڑیاں جو عورتیں پہنتی ہیں، جائز ہیں یا نہیں؟ کے جواب میں لکھا" درست ہیں۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ" دیکھئے حکم درتی دے کر، آیت شریفہ لکھ کر یہ پوچھا کہ اسے حرام کس نے کیا؟ یعنی جب حرام کسی نے نہیں کہا، تو اصل اباحت پر درست ہے، وہ تقریریں جاری نہ کیں۔

اسی طرح ص ۴۹ پر سوال، نمازی کے روبرو جوتیوں کا موجود رہنا کہ جو مستعمل ہوں، موجب کراہت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں لکھا ''مصلی کے آگے اگر جوتا مستعمل رکھا ہے، اس کی کوئی کراہت منقول نہیں۔ لہذا کچھ حرج نہیں''۔ کراہت کا نہیں منقول ہونا ہی اباحت کو بس ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ نفس تقریر جاری نہ کی کہ ''مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ دین سے منقول نہیں۔ اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو بدعت جانیں۔ لہذا مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، بدعت ولعنت ہے۔ وغیر ذلک من الاحکام۔

پس تقریر بالا سے جب ثابت ہو چکا کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اسے ''پرانا مغالطہ'' اور ''دھوکے کی ٹٹی'' کہنا صریح مغالطہ ہے۔ تو جب تک مخالفین فاتحہ بہیئت کذائی کی حرمت یا کراہت، ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہ کریں گے، اپنی اصل پر رہے گا۔ حرام یا بدعت یا مکروہ وغیرھا نہ ہوگا۔

رہا محشی روداد اور ''صاحب فاتحہ مروجہ کا فیصلہ'' کا عبارت درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا محض ''باد رہوا'' اور ''رو در قفا'' اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عز وجل فقیر نے اپنے رسالہ ''مواہب ارواح القدس'' میں بروجہ تام وما لا کلام کردیا ہے فلتطالع۔ صاحب ''دافع التلبیسات'' نے اسی مضمون کے متعلق زیر قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبد الرحیم کو لکھا: ''ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت وجہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذلک''۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف ''المرء یقیس علی نفسہ'' کی شہرت پر اکتفا کرکے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: ''الاصل فی الاشیاء الاباحۃ'' حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ۔

عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار، یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت وجہالت ہوئی؟ عبارتِ تحریر ابن ہمام والی یہ ہے '' المختار الاباحۃ عند جمھور الحنفیۃ والشافعیۃ'' اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

فاتحہ کے جواز میں دلیل کو پیش کرنا، بے موقع کیوں؟ کیا جو چیز یا اس کے تمام اجزاء، قرآن وحدیث سے ثابت ہوں وہاں اس قاعدہ کو پیش کرنا بے موقع لکھ دیا ہے یا صرف رائے شریف ہے؟ جسے تصنیفاتِ علماء تک دسترس، وہ اس کی صدہا نظیریں کتب ائمہ میں پائے گا۔ ایک نظیر حاضر ہے۔

زینت کے بارے میں کھلے الفاظ قرآن شریف کے ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ'' الآیۃ (الاعراف: ۳۲) ''تم فرماؤ! کس نے حرام کی اللہ کی زینت'' (کنز الایمان) موجود تھے۔ پھر امام برہان مرغینانی نے ام ولد اور منکوحہ بنکاح

فاسد پر عدم احداد کی دلیل میں فرمایا: "لانہا ما فاتہا نعمۃ النکاح لتظہر التعسف والاباحۃ اصل" (الھدایہ ۲/۴۰۸)۔ قرآن شریف سے ثابت ہونے کے بعد پھر الاباحۃ اصل پیش کرنا بے موقع ہے یا نہیں؟ اعظم گڑھی صاحب کا کہنا "تیسرا قول مسلم الثبوت اور اس کی شروح سے نقل کیا ہے باوجودیکہ حق تحریف خوب ادا کیا ہے"، منصف مزاج خیال کرسکتا ہے کس درجہ اپنے موقع محل پر ہے۔ اس نقل میں کیا تحریف ہوئی؟ کیا کوئی فقرہ درمیان سے اپنے مخالف گھٹا دیا یا کچھ الفاظ زائد کردیئے، کیا کیا؟ شاید اپنے خیال میں پورے مسئلہ سے دوسرے مسئلہ تک عبارت نہ لکھنے کو تحریف خیال کررہے ہیں۔

جناب من! ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ استدلال ایک جملہ سے ہو اور دلیل، صفحہ دو صفحہ یا کما بیش کی عبارت نقل کردی جائے۔ ہاں نقل میں کچھ الفاظ انھوں نے ضرور چھوڑ دیئے مگر وہ اہل سنت کو مضر، نہ وہابیہ کو مفید۔ اب میں آپ کے لئے پوری عبارت نقل کر کے پوچھتا ہوں کہ اس عبارت سے آپ نے کیا فائدہ اٹھایا اور مجیب کو کیا ضرر ہوا؟۔

فاضل بہاری فرماتے ہیں "واما الخلاف المنقول بین اہل الحق ان اصل الافعال الاباحۃ کما ھو مختار اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ او الحظر کما ذہب الیہ غیرہم وقال صدر الاسلام الاباحۃ فی الاحوال والحظر فی الانفس فقیل ہذا الخلاف وقع بعد الشرع بالادلۃ السمعیۃ ای دلت علیٰ ان ما لم یکن فیہ دلیل التحریم ماذون فیہ او ممنوع عنہ وفیہ ما فیہ"

بلکہ خدا انصاف دے تو آپ کو مجیب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ اس نے پوری عبارت نقل نہ کرنے سے آپ کی دو جہالت فاحشہ پر پردہ ڈالا۔ عبارت منقول کے قبل یہ الفاظ ہیں "واما الخلاف المنقول بین اہل الحق"۔ دیکھئے کیسا رد ہے آپ کے قنوجی صاحب کا کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ اہل حق کے درمیان جو خلاف ہے، جس کے دونوں فریق اہل حق۔ یا صاف لفظوں میں مسلم الثبوت کا دوسرا نسخہ دیکھئے "بین اہل السنۃ" تو جس کے قائل اہل سنت اور نہ صرف اہل سنت بلکہ علماء واکابر اہل سنت کہ عوام کیا اور ان کی بات کیا؟ تو ضرور یہ خلاف اکابر علماء اہل سنت میں ہے۔ مشتہر صاحب اپنی کمال عقل مندی ووسعت علم سے جسے پرانا مغالطہ اور "دھوکے کی ٹٹی" فرمارہے ہیں۔ سچ ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ع بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

اسی طرح اخیر کی عبارت بھی آپ کا کھلا رد ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر مان بھی لیا جائے کہ اکثر حنفیہ وشافعیہ کا مذہب اصل اشیاء میں تحریم کا ہے تو وہابیہ کو کیا مفید ہے؟ کہ صحیح مذہب پر یہ خلاف تو زمانہ فترت کا ہے۔ دیکھئے فاضل بہاری نے "قائلین بعد الشرع" کے قول کو "قیل" کے ساتھ تعبیر فرمایا، جو مشہور ہے کہ ضعف کی طرف جاتا ہے۔ پھر اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ صاف فرمایا "وفیہ ما فیہ"۔

حضرت بحر العلوم شرح میں فرماتے ہیں: "اذ یظہر من تتبع کلامہم ان الخلاف قبل ورود الشرع ومن ثم لم یجعلوا رفع الاباحۃ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع فتدبر"

حضرت بحر العلوم نے اس کی طرف اشارہ فرما کر اس مضمون کی ایک تمہید کے بعد بہت واضح طور پر تصریح فرمائی: "

فاذن لیس الخلاف الا فی زمن الفترۃ التی اندرست فیہ الشریعۃ بتقصیر من قبلھم"۔ کراڈ کیا، تو"فیہ مافیہ" ہی سے سمجھ لیں گے۔ مگر متوسطین اگر اس سے نہ سمجھ سکے تو"منھیہ" سے ضرور حق جان لیں گے۔ مگر آپ جیسے عالی دماغ، روشن خیال حضرات سے ضرور خیال تھا کہ"فیہ مافیہ" کا مطلب بجز"اس میں وہ ہے جو اس میں ہے" کچھ نہ سمجھیں گے اور اگر حاشیہ کا مطلب کچھ سمجھ بھی لیں تو ضرور"قدیر" دیکھ کر اسے اپنے پس پشت ڈال دیں گے۔ لہذا اضافہ فرمایا"فاذن الخ"

اب ذرا انصاف سے کہئے کہ مجیب نے تحریف کی یا اس نے آپ پر احسان کیا اور آپ نے احسان فراموشی فرمائی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جناب من! تحریف اسے کہتے ہیں جو قدیم زمانہ سے منکران فاتحہ کرتے چلے آئے۔"مشتے نمونہ از خروارے" بعض کبراء طائفہ کی بعض بعض تحریفات دیکھئے اور برعایت فرمایئے کہ دراصل تحریف اسے کہتے ہیں۔ میرا محض افتراء تھا جو مجیب کو لکھا"حق تحریف خوب ادا کیا"۔ سب وہابیہ کے پیشوا اور مولیٰ منتہیٰ سلاسل الوہابیہ، مولوی اسمٰعیل دہلوی کی"تقویت الایمان" ملاحظہ ہو۔ آیہ کریمہ"وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" الآیۃ (یونس: ۱۸) "اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے" (کنزالایمان) لکھ کر ترجمہ کیا"اور پوجتے ہیں وے اللہ سے ایسی چیز کو کہ نہ کچھ فائدہ دے، نہ کچھ نقصان۔" آفت کی ف لکھ کر یہ فائدہ چڑھایا"یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں، ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی۔" کہئے! وہ آیت کہ کفار کے حق میں نازل ہوئی، براہ دیانت مسلمانوں پر ڈھالنا، یعبدون من دون اللہ کا مطلب"جن کو لوگ پکارتے ہیں" لینا تحریف ہے کہ نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

آیہ کریمہ"اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا الآیۃ"(مریم: ۹۳)"آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے" (کنزالایمان) لکھ کر مطلب یہ لکھا"کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا" یہ کس لفظ کا مطلب ہے؟ اور اگر یہ سالبہ کلیہ صحیح ہو تو"وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَآءُ"، (الحشر: ۶) کا کیا مطلب ہے؟ اس سے بڑھ کر کھلی تحریف دیکھئے۔"وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا" (مریم: ۹۵) کا مطلب لکھا"اور ہر کوئی اپنے معاملہ میں اس کے روبرو اکیلا اکیلا حاضر ہونے والا ہے"۔ اور اگلی آیت"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا"(مریم: ۹۶) "بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھا کام کئے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا" (کنزالایمان) آیہ کریمہ"وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ" الآیۃ (الأنبیاء: ۲۵) "اور ہم نے تم سے پہلے کوئی کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے"۔ (کنزالایمان) لکھ کر فائدہ لکھا"یعنی جتنے پیغمبر اللہ کے ہیں، اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانئے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانئے"۔ کہئے! فاعبدون کا معنی"اللہ کو مانیے اور کسی کو نہ مانیے" اس کا کھلا مطلب کہ رسول، کتاب، ملائکہ، جن، دوزخ، جنت وغیرہا ضروریات کسی چیز کا ماننا روا نہیں، بلکہ نہ ماننے کا حکم، اور وہ بھی ایسا مستمر کہ سب شریعتوں میں اس کا حکم آیا۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کہئے صاحب یہ تحریف ہے یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

غرض یہ سوختنی کتاب تمام اسی قسم کی تحریف سے بھری پڑی ہے۔ جہاں آیت یا حدیث لکھ کر فائدہ چڑھایا، کوئی نہ کوئی آفت ڈھائی۔

اب دوسرے امام مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کو دیکھئے ان کی بھی "مائۃ مسائل" و "مسائل اربعین" اسی قسم کی تحریفات سے پُر ہے۔ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو آپ کے مولوی امداد مصنف رسالہ "امداد المسلمین" نے کی کہ صلوٰۃ الرغائب ونمازِ نصفِ شعبان کے بارے میں کہا: "اگرچہ بعض فقہاء نے جیسے صاحب درمختار وغیرہ، حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھ دیا ہے۔ لیکن ائمہ محققین واجلۂ فقہاء کرام مثلاً امام ابوشامہ اور امام یافعی اور ابن حجر مکی اور صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری اور شیخ عبد الحق دہلوی، غرض سب محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور یہ نماز مذموم بلکہ اس پر بہت کچھ تشنیع کی ہے اھ ملتقطا"۔ حالانکہ امام یافعی نے بابِ نقلِ قولِ ذم، اپنی تحقیق فرمائی کہ تنہا پڑھے اور سنت نہ جانے تو حرج نہیں۔

"حیث قال نعم لو صلاهما انسان وحده مع اعتقاده انهما ليس بسنة، لم ار بذلك باسا" اھ مختصراً۔

ملا علی قاری شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں: "ويحافظ الرواية وسائر السنن وكل ما ورد فضيلته كصلاة الرغائب وليلة النصف من شعبان وكانوا يواظبون عليها۔"

اسی طرح ملک مظفر سلطان اربل کہ مولد شریف میں غایت درجہ اہتمام بجالاتا، ڈپٹی صاحب نے اس جرم پر خفا ہو کر تاریخ ابن خلکان سے اس کا فسق ثابت کرنے کو چند فقرے نقل کئے اور ان کی نقل میں حسبِ دابِ طائفہ دو تین حرف جو مذمت پر دال تھے، نقل کئے۔ باقی تعریفوں کے عظیم دفتر ہضم۔ دیکھئے جہاں پر مذمت نقل کی، اسی جگہ اسی بیان میں یہ عبارت اڑا گئے "كان له فى فعل الخير غرائب ولم يسمع ان احدا فعل فى ذلك ما فعله" کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ "انه كان لا يتعاطى المنكر" کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ "كان كريم الاخلاق كثير التواضع حسن العقيدة"، کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ "لو استقصيت فى تعداد محاسنه لطال الكتاب فى شهرة معروفة غنية عن الاطالة"۔

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ "معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ وشافعیہ کے مکروہ ہے"۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: "فقہاء را در جواز معانقہ وکراہت آں اختلافے وتفصیلے ست وصحیح جواز اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد"۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ "تفہیم المسائل" ص ۲۷ پر انکار استمداد کے لئے "مطالب المومنین" سے نقل کیا "يكره الانتفاع بالقبر" اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ "قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں"۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: "يكره التمتع بالمقبرة وان لم يبق آثاره" قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔اسی لئے ''اگرچہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو،لہذا تصریح کردی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور براہ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنالیا؟۔کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!

جناب قنوجی نے اسی کے ص ۱۸، ۱۹ پر مسئلہ بناءعلی القبر میں عبارت تنویرالابصار " ولا یجصص ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لا باس بہ" کی نسبت دعویٰ کیا کہ لا باس بہ کی ضمیر تطیین کی طرف ہے نہ بناء کی۔اور براہ تغلیط عوام،طوالع الانوار کا حوالہ دے دیا حالانکہ طوالع میں خود مرجع دونوں بیان کیا ہے۔عبارت اس کی یہ ہے " قیل لا باس بہ ای بالتطیین والبناء" کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں کہ باوجودیکہ طوالع میں صاف خلاف مذکور تھا،اس کو ہضم کر کے اور الٹا الزام طوالع کے سر دھرا؟

اسی کے ص ۵۲ پر شد الرحال کے مسئلہ میں طوالع کی صرف اتنی عبارت نقل کی کہ امام الحرمین اپنے استاد سے منع نقل کرتے ہیں کہ کبھی مکروہ کہتے،کبھی حرام اور امام سب کو ممنوع یا قریب بہ عبث کہتے ہیں۔حالانکہ ان دونوں قولوں کے بیچ کا یہ ٹکڑا " وقال الشیخ ابو علی لا یحرم ولا یکرہ" اور اخیر سے اس کی ترجیح " بقولہ فیترجح ما قالہ ابو علی"۔کہئے جناب اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں۔

یہ سب جانے دو۔معتمد الکل فی الکل،اپنے آقا و مولی وبکل شیء اولی،گنگوہی صاحب،براہین قاطعہ طبع جدید ص ۵۱ پر جب علم غیب کی نفی پر اترتے،تو لکھتے ہیں: ''اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں''۔وہ تو یہ سفید ''سچ'' لکھ کر چلتے بنے۔اب آپ ہی لوگ مہربانی فرما کر دکھایئے کہ شیخ محقق نے کہاں روایت فرمایا ہے؟ شیخ محقق نے تو مدارج شریف میں صاف تحریر فرمایا:

''ایں جا اشکال می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ گفت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من بندہ ایم،نمی دانم آنچہ پس ایں دیوار است۔جوابش آنست ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نہ شدہ است''۔

دیکھئے حکایت کا روایت بنایا اور صاحب کتاب نے ایک قول مردود نقل کر کے اس کا رد کیا کہ ''ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ''۔گنگوہی صاحب نے ابتدا سے الفاظ نسبت،آخر سے عبارت رد اڑادی۔اور بیچ کا جملہ پکڑ کر صاحب کفایت کی طرح نسبت کردی۔انصاف سے کہئے! اس کا نام تحریف ہے یا اُس کا جو مجیب نے کیا؟

بیانات سابقہ ابین من الشمس واظہر من الامس سے ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔تو جب تک مانعین،فاتحہ مروجہ کی حرمت یا کراہت کا ثبوت نہ دیں گے،حرمت یا کراہت کا حکم محض غلط اور خبط بے ربط ہے۔

سندِ دوم جسے......صاحب نے پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی فرمایا،وہ یہ کہ فاتحہ مجموعہ امور خیر کا ہے اور مجموعہ خیر کا خیر ہی رہتا ہے۔اجلۂ اکابر علماء اسی دھوکے کی ٹٹی اور پرانے مغالطہ سے صدہا مسائل پر دلیل لائے۔

مواقف الکلام میں ہے: "وان حصول کل حرف مشروط بانقضاء الآخر فیکون له اول فلا یکون قدیما فکذ المجموع المرکب منها۔"

شرح عقائد نسفی میں حدوث جواہر واعراض سے حدوث عالم پر استدلال کیا کہ جب اجزا حادث ہیں، مجموعہ بالضرور حادث ہوگا۔ (ناقص الآخر)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از موضع بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان ۵ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور تعزیہ پر مہندی اور ملیدہ اور کھچڑہ وغیرہ چڑھانا یعنی تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ دینا اور علم یعنی نشان چڑھانا کیسا ہے اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تعزیہ داری رائج الوقت قطعا بدعت وناجائز وحرام ہے۔ ہاں روضہ اقدس حضور سید الشہداء کے صحیح نقشے بقصد تبرک، بے آمیزش منہیات، جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظمہ وروضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں، اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ فاتحہ امام ہمام ودیگر شہداء کرام واولیائے عظام وسائر اہل اسلام کھچڑہ، ملیدہ پر ہو یا کسی اور کھانے کپڑے وغیرہ پر یا تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے۔ مگر وہ فاتحہ تعزیہ کی نہ ہو کہ تعزیہ کو ثواب پہنچانے کے کوئی معنی نہیں۔ نہ تعزیہ رکھ کر ہو کہ یہ محض فضول بلکہ قرآن شریف کے ساتھ اسائت ادب ہے۔ خصوصا جب کہ تعزیہ میں پری یا براق وغیرہ کی تصویریں ہوں کہ اس میں قرآن شریف کی زیادہ بے حرمتی اور نزول رحمت سے بالکل اجنبی اور ذکر شہادت شریف نظم میں ہو یا نثر میں، جب کہ روایات صحیحہ مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واہلبیت طاہرین وصحابہ مکرمین وغیرہ محرمات سے بالکل خالی ہو، بلاشبہ جائز ومستحسن وموجب ثواب ونزول رحمت وہاب ہے اور اگر شناعات مذکورہ پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ ہے۔ نص علیه الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقة۔

اس لئے یہ مرثیے کہ رائج ہیں، مطلقا حرام ہیں۔ اور ان کا پڑھنا سننا اور سینہ کوبی وماتم ونوحہ سب حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المراثی۔" "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مرثیوں سے"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ مذہب اہل سنت میں تعزیہ بنانا اور مجلس مرثیہ خوانی وکتاب خوانی کرنا کیسا ہے؟ اور شربت سبیل وطعام نذر حسین معین کردہ کا، جیسے بعض مسلمان ایام محرم میں کیا کرتے ہیں اور تعزیہ چڑھایا ہوا کھانا، پینا کیسا؟ اور اگر کوئی مسلمان سنی مذہب ہو کر تعزیہ وعلم شدہ بناوے یا اس کی زیارت کے

واسطے جاوے یا اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھاوے یا جو لوگ کھانا وشربت وغیرہ پیش تعزیہ رکھتے ہیں، یہ ان پر فاتحہ دیوے یا دلاوے اور جو کچھ اس پر چڑھایا گیا ہے پے، اور ایام محرم مجالس تعزیہ داری میں مثل شیعہ مرثیہ خوانی وکتاب خوانی میں سرگرم رہے اور شیعہ کی مجالس میں شریک رہے اور بعد مجالس کے تبرک لے کر نوش کرے اور اپنی مجلس میں شیعوں سے مرثیہ پڑھوائے، اس پر خوشی اور دفع غم میں ہر اوقات روافض کی طرح عزاداری، نذر، منت، مجلس، مرثیہ خوانی معین کیا کرے اور جب مجلس ترتیب دے، رولانے پٹانے کی غرض سے مرد اور عورتیں فراہم کرے اور ارتکاب ان تمام امور کو ذخیرہ نکوئی اور ثواب عظیم تصور کرے۔ اور دعویٰ کہ ہم یقینی محب امام واہل بیت رسول علیہ السلام ہیں اور کسی بزرگ کے نام زد کر کے کسی مسلمان نے چھڑی وجھنڈا ونشان وغیرہ نصب کی ہو یا گور مصنوعہ قائم کیا ہو اور ان پر لوگ روپیہ پیسہ اور شیرینی، مٹھائی اور چادر وغیرہ چڑھاوے یا ان پر مرغی وبکرا وغیرہ ذبح کرے اور یہ شخص اس کھانے اور لباس کو کھائے پے اور نقدیات وغیرہ کلہم کو پاک اور طیب سمجھ کر صرف میں لائے اور اس کو اپنی ملک وجاگیر آبادی بتلائے اور وہی شخص لوگوں کو نماز پڑھاوے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں کیا حکم ہے؟ اور وہ خورد ونوش وغیرہ کیسا ہے؟ اور اگر تعزیہ داری کی خدمت یا صلہ یا جھنڈا ونشان نصب کردہ وغیرہ پر کسی نے زمین ومکان وغیرہ دیا ہو، اس زر آمدنی واشیائے مسطورہ سے نفع اٹھانا کیسا؟ فقط بینوا توجروا۔

دوسرا سوال: ایک شخص قوم کا فقیر، توانا تندرست، صاحب نصاب ہے۔ کسی اور طرح پر بھی معاش حاصل کر سکتا ہے مگر عادۃً مدام لوگوں کے گھر جا کر در بدر روٹی وغیرہ مانگتا پھرا کرتا ہے۔ اور وقت نماز وہی شخص مسجد میں پیش امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہے۔ اس ذلت گداگری کو معیوب نہیں سمجھتا ہے بلکہ کہتا ہے، یہ ہمارا پیشہ آبائی، ریاضت ودرویشی میں شمار ہے۔ ایسے فقیر کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اہل نصاب کو سوال کرنا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے؟ ونیز کسی ایسے ہٹے کٹے آدمی کو کہ زر ومال قابل نصاب نہیں رکھتا مگر اپنی معاش کسی پیشہ اور محنت ومزدوری وغیرہ سے بہم پہونچا سکتا ہے، ترک کر کے صرف ذلت دریوزہ گری میں قوت وپوشش وغیرہ رکھنا اس پر کیا امر قرار پائیگا؟ فقط

تیسرا سوال: بعد ختم وعظ، سامعین کا عالم واعظ سے مصافحہ کرنا درست یا مسنون ہے یا بدعت یا ممنوع؟ فقط

چوتھا سوال: قریب وبعید اگر قریہ وشہر میں مرض وبائی ہیضہ وطاعون کا غلبہ ہو، اس مقام پر اور لوگوں کا آمد ورفت رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور مرض مذکورہ، کسی وجہ سے ایک کا دوسرے کو لگنا، آیا صحیح ہے جیسا کہ عوام میں شہرت رکھتا ہے یا محض غلط؟ اور جس مقام پر یہ مرض لاحق ہو وہاں سے ساکنین کا بخوف موت اور بنیت دفعیہ مرض اور جگہ چلا جانا کیسا؟ اور دوسری جگہ پہونچ کر مسلمان کا مرنا کیسا سمجھا جائیگا؟ بیان کرو جزائے نیک پاؤ گے۔

الجواب

تعزیہ مروجہ زمانہ کہ مجموعہ صدہا خرافات وہزارہا واہیات ہے، قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے۔ ذکر شہادت، سراپا سعادت جب کہ روایت صحیح مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واہل بیت

طاہرین وصحابہ معظمین ومشائخ مکرمین ونوحہ ومرثیہ ممنوعہ وتکلف وتصنع غم پروری وسینہ کوبی وگریبان دری وغیر ہا محرمات سے خالی ہوں، بلاشبہ جائز ومستحسن وموجب نزول رحمت ذی المنن ہے۔اور اگر شناعات پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ۔ کما نص علیہ العلماء فی کتبھم۔ یوں ہی فاتحہ امام علیٰ جدہ الکریم وعلیہ السلام ودیگر بزرگان دین واولیاء کرام وسائر اہل اسلام شیرینی، مالیدہ، شربت پر ہو یا کسی اور کھانے اور کپڑے وغیرہ پر، تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے۔تعزیہ کا چڑھایا کھانا سے اگر یہ مراد کہ اس فاتحہ کا ثواب تعزیہ کو پہونچایا گیا ہو، تو اس میں قرآن شریف کی بے ادبی خصوصاً اس حالت میں کہ تعزیہ میں براق یا اور کسی کی شکل بنی ہو، سخت اسائت ادب ہے مگر تب بھی اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، اس کو امام بنانا گناہ ہے۔کہ ایسے شخص کے فسق میں شک کہ تعزیہ وعلم شدہ بنانا، اس کی زیارت کو جانا، اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھانا، ایام محرم میں شغل روافض مرثیہ خوانی کرنا، بلکہ اس میں سرگرم رہنا، شیعوں سے میل جول، سلام وکلام، ان سے مواکلت، مشاربت کرنا، ان کی ناپاک مجلس میں شریک ہونا، کہ تبرا سے خالی نہیں ہوتی۔ان کے یہاں کھانا کھانا، ان سے تبرک جاننا، اپنی مجالس میں ان خبثاء سے مرثیہ پڑھوانا، مجلس میں رونے پیٹنے کی غرض سے مردعورتیں فراہم کرنا، اور معاذ اللہ ان سب باتوں کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب جاننا، اور کسی بزرگ کے نام سے کسی مسلمان کا چھڑی، نشان، جھنڈا قائم کرنا، یا معاذ اللہ گور مصنوعہ قائم کرنا، کس قدر سخت تر حرام ہے۔حدیث میں ہے: "من زار قبراً بلا مقبور فھو ملعون" جو جھوٹی مصنوئی قبر کی زیارت کو جائے، وہ ملعون ہے۔اس مصنوعی قبر پر جو کچھ روپیہ، پیسہ، شرنی، مٹھائی، چادر وغیرہ چڑھائی گئیں ہوں، ان کا حکم لقطہ ہے۔یعنی ملک مالک سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ بے اجازت صراحۃً یا دلالۃً لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔صراحۃً کا یہ معنیٰ ہے کہ مالک وقت چڑھانے کے یہ کہدے کہ جو اسے لے لے وہی مالک ہے۔تو اگر لینے والے کو مالک کے اس قول پر اطلاع ہو اور وہ اسی بنا پر لے تو مالک ہو جائے گا۔

ردالمحتار کتاب اللقطہ میں شرح سیر کبیر سے ہے: "القیٰ شیأ وقال من اخذہ فھو لہ فلمن سمعہ او بلغہ ذالک القول ان یا خذہ والا لم یملکہ۔"

اور دلالت حال کی یہ صورت ہے کہ عرف وعادت واضح طور پر حکم کرے کہ یہ چھوڑنا، پھینکنا، چڑھانا، اسی غرض سے ہے کہ جو پہلے اس کا مالک ہو جائے جیسے لوگ شادی میں دولہا کے گھوڑے یا دلہن کی پالکی پر سے روپے نچھاور کرتے ہیں یا آرائش کی مٹھائیاں لٹواتے ہیں یا بعد نکاح شکر چھوہارے لٹاتے ہیں یا جیسے عورتیں مسجد کی طاق میں گلگلے وغیرہ رکھ جاتی ہیں یا جیسے لوگ کھیت کاٹ کر کچھ بالیاں لگی ہوئی چھوڑ جاتے ہیں کہ غریب لوگ انہیں چن لیتے ہیں جیسے دیہات میں سیلا بینا کہتے ہیں ان میں سیروں اناج نکلتا ہے یا جیسے پالیز والے ختم پر کچھ خربوزے چھوڑ جاتے ہیں اور لیجانے والے کو مانع نہیں آتے۔تو ان سب چیزوں کا بوجہ عرف وعادت لینا جائز اور لینے والا اس کا مالک ہے۔ وفیہ عنہ وبقررہ ان مجرد الالقاء من غیر کلام یفید ھذا الحکم کمن نشر السکر والدراھم فی العرس وغیرہ

خزانۃ المفتین میں ہے: "کذا من دخل ارض رجل للا حتشاس او لا لتقاط السنبلة ان ترکها صاحبها فصار ترکه کالا باحة۔"

عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے: "مبطخة بقیت فیها بطاطیخ فانتهبها الناس قال الفقیه ابو بکر اذا ترکها اهلها لیا خذ من شاء من ذلك فلا باس۔"

اور اگر یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو چاہے لے لے بلکہ ان چیزوں کا اس قبر پر رکھنا، رہنا منظور ہو تو اس کا لینا، اس سے نفع اٹھانا، سب ناجائز ہے۔ اس کا حکم ہندوؤں کے سانڈھ اور ان روپوں کا ہے جو وقت غسل دربار سے گنگ وغیرہ میں ڈالتے ہیں لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔

عالم گیریہ میں ہے: "لو سیب وانه قال لاحاجة لی الیها ولم یقل هی لمن اخذها فاخذها انسان لا یکون له" وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس کا لوٹانا واجب ہے۔ لان الفاسق من فعل کبیرة او اصر علیٰ صغیرة۔

صغیری میں ہے: "یکرہ تقدیم الفاسق کراهة تحریم وعند مالك لایجوز تقدیمه هو روایة عن احمد و کذا المبتدع۔"

غنیۃ میں ہے: "لو قدموا فاسقاً یاثمون۔"

ابوالسعود حاشیہ کنز جلد اول میں ہے: "علل الزیلعی الکراهة فی الفاسق بان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اهانته شرعاً فمفاده کون الکراهة تحریمیة۔"

درمختار میں ہے: "کل صلاۃ ادیت مع کراهته تجب اعادتها۔"

وہ وقف باطل ہے کہ وقف امور خیر کے لئے ہوتا ہے اور یہ قربت نہیں۔ وہ زمین ومکان ملک مالک پر باقی ہے۔ اگر اس کی اجازت سے انتفاع ہے، تو جائز ہے ورنہ حرام۔

تنویر الابصار میں ہے: "وشرطه ان یکون قربة فی ذاته"۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

(۲) ایسا شخص بھی فاسق ہے۔ اس کے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ اہل نصاب کو سوال حرام۔ اسی طرح فقیر توانا تندرست کو سوال ناجائز وممنوع ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "ان المسالة الا لاحد ثلثه رجل تحمل حمالة فحلت له المسألة حتی یصیبها ثم یمسك ورجل اصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسالة حتیٰ یصیب قواما من عیش ورجل اصابته فاقة حتی یقوم من ثلثة من ذوی الحجج من قومه لقد اصابت فلانا فاقة فحلت له المسألة حتیٰ یصیب قواما فی عیش فما سواهن من المسالة

یا قبیصة سحتٌ' یا کلها صاحبها سحتا۔"
فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنا تین شخصوں کے علاوہ کسی کے لئے حلال نہیں:
(۱) جو شخص کسی کی دیت یا غرامت کا ضامن ہو اس کے لئے سوال حلال ہے جب تک اتنا مال پالیوے پھر رک جائے۔
(۲) جو شخص کسی آفت میں مبتلا ہو کہ ہلاک ہو گیا، مال اس کا اس کے لئے بقدر سد حاجت سوال درست ہے۔
(۳) جو شخص فاقہ میں مبتلا ہو کہ تین شخص اس کی قوم سے گواہی دیں کہ فلاں شخص کو فاقہ پہونچا ہے۔ تو ان تینوں شخصوں کے لئے سوال حلال ہے اور ان کے سوا اوروں کے لئے اے قبیصہ! سوال حرام ہے۔ کھاتا ہے سائل حرام کو۔"
اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: "من سال الناس اموالهم تکثر فانما یسال الناس جهرا فلیستقل او لیتکثر" "جو شخص لوگوں سے مال زیادہ ہونے کے لئے سوال کرے یعنی مال نصاب بقدر ضرورت رکھتا ہو اور وہ سوائے اس کے نہیں کہ لوگوں سے جہنم ٹکڑا مانگتا ہے۔ ایسا ہر شخص کو اختیار ہے۔ چاہے زیادہ کرے یا کم، جتنا سوال کرے گا، اتنا ہی ٹکڑا جہنم کا اس کے لئے ہے۔
اور وہ امام احمد ہی مسند ابن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: "ما یزال الرجل یسال الناس حتیٰ یا تی یوم القیامة لیس فی وجهه مزعة لحم۔" "یعنی ہمیشہ رہتا ہے آدمی کہ سوال کرتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا نہ ہوگا۔ لوگ اس سے پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں لوگوں سے سوال کرتا تھا۔"
چوتھی حدیث میں ہے: "المسائل کدوح یکدح بها الرجل وجهه فمن شاء ابقیٰ علیٰ وجهه ومن شاء ترکه۔" "سوال کرنا زخم ہے جس سے آدمی اپنا منہ زخمی کرتا ہے۔ تو جو چاہے اپنے منہ پر باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی عن سمرة بن جندب رضی الله تعالیٰ عنه۔
پانچویں حدیث میں ہے: "من سال وعنده مایغنیه فانما یستکثر من النار۔
جو شخص سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس ایک رات دن کا کھانا ہے تو وہ اپنے لئے جہنم کی آگ زیادہ کرتا ہے۔ رواہ ابو داؤد۔
چھٹی حدیث میں ہے: من سال من غیر فقر فکانما یاکل الجمر "جو شخص بغیر حاجت کے سوال کرے پس جہنم کا انگارا کھاتا ہے۔" رواہ الامام احمد فی مسنده وابن خزیمة والضیاء عن حبش بن جنادة رضی الله تعالیٰ عنه۔
ساتویں حدیث میں ہے: "لان یاخذ احدکم حبلة فیاتی بحزمة حطب علیٰ ظهره فیبیعها فیکف الله بها وجهه خیر من ان یسال الناس اعطوه او منعوه۔" البتہ یہ کہ ایک تمہارا، رسی لے کر لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لائے اور اسے بیچ کر کھائے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگے۔ دیا یا نہ دیا۔"
اور اس کو جائز اور ریاضت درویشی سمجھنا اور بھی گناہ۔ شریعت مطہرہ میں نفس ریاضت کوئی چیز نہیں بلکہ وہ جو

موافق شریعت ہو۔ورنہ جوگیوں نے تو وہ وہ ریاضتیں کیں اور کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے کبھی نہ ہو سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) درست ومسنون ہے، نہ بدعت ومشؤن۔ کہ نفس مصافحہ احادیث کثیرہ شہیرہ، قولیہ، فعلیہ سے ثابت اور زمان برکت نشان، سید الانس والجان ﷺ، ہر قرن، ہر زمان میں رائج وموجود ومسنون ومحمود رہا۔ فقد صافحت (۱) سیدنا ومرشدنا مجمع الطريقين، مرجع الفريقين، مجدد المأة الحاضرة، مؤيد الملة الطاهرة حضرة الشيخ احمد رضا خان متع الله المسلمين بطول بقائه (۱) والسيد الشاه ابا الحسين احمد النورى نور الله مرقده الشريف با لنورى المعنوى والصورى (۲) صافحا سيدهما وسندهما وشيخهما السيدال آل رسول الاحمدى المار هروى قدس سره (۳) صافح السيد السند عمه السيد آل احمد الملقب باجهى ميان المار هروى قدس سره (٤) صافح السيد التقى السيدالشاه حمزة الحسنى البلحرامى الواسطى (٥) صافح السيدطفيل محمد الاترولوى (٦) صافح البارع الا ورع السيدمبارك فخر الدين البلحرامى (۷) صافح الشيخ الا فخم استاذه ومولاه الشيخ نور الحق (۸) صافح الشيخ المقتدى والده وشيخه واستاذه الشيخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدهلوى قدس سره (۹) وهو قد صافح الشيخ عبد الوهاب بن فتح الله البروجى (۱۰) وهو قد صافح الشيخ محمد ابن افلح اليمنى (۱۱) وهو قد صافح الشيخ عبد الرحمن بن على الديبع (۱۲) وهو قد صافح الشيخ زين الدين الشرحى (۱۳) وهو قد صافح شمس الدين ابا الخير الحزرى (١٤) وهو قد صافح الشيخ ابا المحاسن السرمدى (۱۵) وهو قد صافح الشيخ ابا الثنا محمود بن على بن بغدادى (۱٦) وهو قد صافح الشيخ عبد الصمد البغدادى (۱۷) وهو قد صافح الشيخ يو سف ابن الحافظ ابى الفرج عبد الرحمن بن على الجوزى البغدادى (۱۸) وهو قد صافح ابا الفضل محمد ابن جعفر الخزاعى (۱۹) وهو قد صافح الامام العباس احمد بن محمد سعيد المطوعى (۲۰) وهو قد صافح الشيخ ابا غانم ابن زكريا (۲۱) وهو قد صافح الشيخ محمد ابن كامل (۲۲) وهو قد صافح الشيخ ابانان العطار (۲۳) وهو قد صافح سيدنا ثابت البنانى (۲٤) وهو قد صافح سيد نا انس ابن مالك رضى الله تعالىٰ عنه قال (۲۵) "صافحت رسو ل الله ﷺ فلم ارخزا ولا قزاً الين من كف رسول الله ﷺ" والحديث رواه البخارى وابن عساكر فى تاريخه والخطيب وقد ذكره الشيخ جارالله بن فهد فى كتاب المواهب السنيه الدياجى وابن المفضل والتميمى فى مسلسلتهم۔

خود حضور اقدس ﷺ جب صحابہ کرام سے ملتے، ان سے مصافحہ فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے: "قلت لابى ذرهل كان رسول الله صلى الله عليه يصافحكم اذا لقيتموه؟ قال مالقيته قط الا صافحنى۔"

یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ سے رسول ﷺ مصافحہ فرماتے جب تم حاضر خدمت ہوتے؟ کہا جب بھی میں حاضر خدمت ہوا، حضور نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ رواہ ابو داؤد عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزۃ۔

''صحابہ کرام جب بھی آپس میں ملتے، معانقہ کرتے۔ اور جب جدا ہوتے مصافحہ کرتے۔''

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے: ''کان رسول اللہ ﷺ اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا تصافحوا۔''

بہتیری حدیثوں میں حضور ﷺ نے مصافحہ کے فضائل بیان فرمائے، مصافحہ کرنے والوں کو قبل جدا ہونے کے عفو گناہ کی خوش خبری دی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا۔'' ''نہیں ہیں کوئی دو مسلمان کہ آپس میں ملیں اور مصافحہ کریں مگر قبل جدا ہونے ان دونوں کے ان کی مغفرت فرمادی جاتی ہے''۔ رواہ الامام احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ ایضا عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ''عن النبی ﷺ اذا التقیٰ المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ واستغفراہ غفرلهما۔'' ''جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور خدا کی حمد کریں، اس سے مغفرت چاہیں، بخشدئے جاتے ہیں گناہ ان کے۔'' رواہ ابو داؤد عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: ''ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایا ھما کما تناثر ورق الشجر۔''

''جب مسلمان سے مسلمان مل کر سلام کرتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے پیڑوں کے پتے۔'' رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی شعب الایمان بسند صالح عن حذیفۃ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چوتھی حدیث میں ہے: ''ان المسلم اذا لقی اخاہ فاخذ بیدہ تحاتت عنھما ذنوبھما۔'' ''مسلمان جب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑتا (یعنی مصافحہ کرتا) ہے، ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی۔

پانچویں حدیث میں ہے: ''مامن مسلمین التقیا فاخذ احدھما بید صاحبہ الا کان حقا علیٰ اللہ عزوجل ان یحضر دعاءھما ولا یفرق بین ایدیھما حتیٰ یغفرلھما''۔ ''جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور ان کے ہاتھ جدا نہ ہونے پائیں کہ ان کے گناہ بخش دے۔'' رواہ الامام احمد برجال ثقات وابو یعلیٰ والبزار عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چھٹی حدیث میں ہے: ''لا یلقی مسلم مسلما فیرحب ویاخذ بیدہ الا تناثرت الذنوب کما تناثر

ورق الشجر "۔ "جب مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ گر جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے"۔ رواہ البزار عن روایۃ مصعب بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آٹھویں حدیث میں ہے: "قال رسول اللہ ﷺ ان المسلمین اذا التقیا فتصافحا و تسائلا انزل اللہ بینھما مأۃ رحمۃ تسعۃ وتسعین لابشھما واطلقھما وابرّھما واحسنھما مسائلۃ باخیہ"۔ "جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، حق سبحانہ تعالیٰ سو رحمت نازل فرماتا ہے، واسطے بشاش ترین اور کشادہ پیشانی سے ملنے والے اور ان دونوں میں نیکوتر اور احسن کے لئے اور ایک اس کے بھائی کے واسطے۔ رواہ الطبرانی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نویں حدیث میں ہے: "اذا التقی الرجلان المسلمان فسلم احدھما علیٰ صاحبہ فان احبھما الیٰ اللہ احسنھما بشرا فاذا تصافحا نزلت علیہ مأۃ رحمۃ للبادی منھا تسعون وللمصافح عشرۃ"۔ "جب دو مرد مسلمان ملیں اور ایک دوسرے پر سلام کریں پھر جب مصافحہ کرتے ہیں، ان پر سو رحمتیں اترتی ہیں۔ نوے ابتدا کرنے والے اور دس مصافحہ کرنے والے کے لئے۔ رواہ البزار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دسویں حدیث میں ہے: "المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینھما ذنب الا سقطہ"۔ "جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، سب جھڑ جاتا ہے۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفی روایۃ لو کانت ذنوبھما مثل زبد البحر۔ "اگرچہ ان دونوں کے گناہ سمندر کے جھاگ جیسے ہوں۔

ان تمام احادیث میں کہ فضائل مصافحہ ارشاد ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے عام و مطلق ارشاد فرمایا تو بحکم عموم واطلاق اپنے تمام افراد کو شامل ہوگا۔ حکم عام جمہور علماء کے نزدیک یہی ہے کہ اپنے سب افراد کو شامل ہو۔

اور تلویح حاشیہ توضیح میں ہے: "وعند جمھور العلماء اثبات الحکم فی جمیع ما یتناولہ من الافراد قطعا ویقینا عند مشائخ القرآن وعامۃ المتأخرین وظنا عند الجمھور الفقھاء او المتکلمین وھو مذھب الشافعی والمختار عند مشائخ سمرقند۔"

پھر ایک فرد کے ساتھ جواز، دوسرے پر کراہیۃ کا حکم، حسب تصریح مجدد ملت وہابیہ بے فائدہ و بدعت ہے۔ بحر مذہب رشیدی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی براہین قاطعہ طبع دوم ص ۳۷ میں ہے "لفظ عام کے معنی میں معنی خاص لینے کا کوئی فائدہ نہیں" اس کے ص ۱۰۱ پر ہے۔ "مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے" اور جب مطلق مصافحہ کی اجازت دی بلکہ مسنون بتایا اور اس سے کسی وقت کو مستثنیٰ نہ فرمایا تو بحکم قاعدہ لم یستثن داخلا مصافحہ بعد نماز فجر وعصر ونماز عید وختم وعظ وغیرہ سب مجاز و ماذون ومستحب ومسنون رہا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ جب احادیث میں مطلق مصافحہ آیا تھا تو پھر بعد نماز فجر یا عصر اور عید و وعظ کی کیا خصوصیت؟ ہر وقت کیا کرو اور جب نہیں کرتے بلکہ انہیں خاص وقتوں میں، تو معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے عام کو خاص اور

خاص کو مقید کردیا، نہ مانعین نے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نے کب کہا کہ ان اوقات کے سوا اور کسی وقت مصافحہ کرنا جائز نہیں۔ بخلاف وہابیہ کے کہ وہ ان وقتوں میں ناجائز بتاتے ہیں۔ تو عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرنے والے وہ ہوئے، نہ ہم۔ رہا خاص کسی وقت کی عادت کر لینا، یہ اس کو اس مصافحہ مسنونہ سے نہیں نکالتا۔ کما صرح به الشاه ولی الله الدهلوی فی المسوی شرح المؤطا عن النووی حیث قال: "قال النووی اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء واما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علیٰ هذا الوجه لکن لا باس به فان اصل المصافحة سنة و کونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال و فرطوا فیها فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلك البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها اقول هکذا ینبغی ان یقال فی المصافحة یوم العیداه" قلت فعلیٰ هذا المصافحة بعد الوعظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) طاعون سے فرار گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون کالفار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔"

اور اللہ عزوجل کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والے کی نسبت فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ"۔ "وہ بے شک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا بری بازگشت ہے۔"

اور اسی طرح جہاں طاعون ہو، وہاں سے جانا بھی نہ چاہیے کہ فرمایا حضور ﷺ نے: "اذا سمعتم با الطاعون بارض فلا تدخلوها و اذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها"۔ "جب سنو تم کسی جگہ طاعون ہونا، تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم ہو، اگر وہاں ہو تو بھاگو نہیں۔"

ہاں اگر کوئی شخص تقدیر پر صابر اور کامل الایمان ہو اور "لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا" (التوبة: ۵۱) "ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا"۔ (کنز الایمان) کی بشاشت اس کے دل میں ساری ہو کہ اگر طاعون شہر میں کسی کام کو جائے اور مبتلا ہو جائے، تو پشیمانی نہ ہو کہ ناحق آیا، بلانے لے لیا یا کسی کام کو باہر جائے تو یہ خیال نہ ہو، تو خوب ہوا کہ اس بلا سے نکل آیا، تو اسے اجازت ہے۔ وہاں سے آنے اور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ والتفصيل التام لهذه المسئلة فی فتاوی سیدنا و شیخنا المسماة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویه المجلد الرابع من کتاب الحظر والاباحة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



مسئلہ مسئولہ اعلیٰ حضرت، تاج العارفین، سیدنا شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی یکم صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طاعون کی جگہ سے دوسری جگہ یا دوسرے محلہ میں آنا اور دوسری جگہ سے طاعون زدہ مقامات میں آنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

طاعون زدہ مقامات سے بھاگنا سخت گناہ واشد کبیرہ ہے۔ اور اس میں کوئی خصوصیت شہر ومحلہ کی نہیں، بھاگنے کی نیت سے ایک قدم بھی چلنا حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوا علیه واذا وقع وانتم بارض فلا تخرجوا منها فرارا عنه۔"

"جب تم کسی زمین میں طاعون ہوتا سنو تو اس پر داخل نہ ہو۔ اور جب وہاں طاعون آئے، جہاں تم ہو تو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلو"۔ رواہ الشیخان وابوداؤد والنسائی ومالك واحمد عن عبد الرحمٰن بن عوف والبخاری ومسلم عن اسامة بن زید رضی الله تعالیٰ عنهم۔

امام اجل احمد بن حنبل اپنے مسند میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون کالفار من الزحف ومن صبر فیه کان له اجر شهید۔"

"طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا اور جو اُس میں صبر کئے بیٹھا رہے، اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

ابن سعد نیز امام احمد، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفرار من الطاعون کالفرار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں سے بھاگ جانا"۔

طبرانی معجم اوسط اور ابونعیم فوائد ابن ابی بکر بن خلاد میں انھیں سے بسند حسن راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الطاعون شهادة لامتی وخز اعدائکم من الجن غدة کغدة البعیر تخرج فی الاباط والمراق۔ من مات فیه، مات شهیدا ومن اقام فیه کان کالمرابط فی سبیل الله ومن فر منه کان کالفار من الزحف"۔

"طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے اور وہ تمہارے دشمن جنوں کا کونچا ہے۔ اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی ہے کہ بغل اور پیٹ سے نیچے نرم جگہوں میں نکلتی ہے۔ جو اس میں مرے شہید مرے۔ اور جو اس میں ٹھہرا رہے وہ راہ خدا میں سرحد کفار پر بانتظار جہاد اقامت کرنے والے کے مانند ہو۔ اور جو اس سے بھاگ جائے وہ جہاد سے بھاگ جانے والے کے مثل ہے۔"

جہاد سے بھاگنے والے کے متعلق فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ" (الانفال: ۱۶) "تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی"۔ (کنز الایمان)

اللهم احفظنا والله تعالیٰ اعلم۔



مزارات اولیا تو مزارات عالیہ ہیں، عام مسلمانوں کی قبریں مستحق اکرام وتعظیم اور ان کی توہین شرعاً سخت ممنوع

وگناہ ہے۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی ناروا اور ایسا کرنا گناہ ہے، کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔

علامہ زاہدی قنیہ میں تصریح فرماتے ہیں: ”یاثم بوطأ القبور لان سقف القبر حق المیت۔“

اور تحفہ بدائع وغیرہ میں ہے: ”ان ابا حنیفة کرہ وطء القبر۔“

علامہ سیدی عبد الغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں شرح درر سے ناقل: ”یکرہ ان یوطأ القبر لما روی عن ابن مسعود لان اطاء علیٰ جمرة احب الیّ من ان اطاء علیٰ قبر مسلم۔“

اس میں محیط سے ہے: ”یکرہ ان یطاء بالرجل“ بلکہ پاؤں رکھنا تو درکنار قبر پر سر رکھنا ٹیک لگا کر سونا یہ سب ناجائز ہے۔

حضرت سیدنا ابوقلابہ بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”انی ذھبت من الشام الیٰ البصرة فنزلت الخندق فتوضات وصلیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علیٰ قبر قمت ثم انیت فاذا صاحب القبر یشتکی ویقول لقدا ذیتنی اللیلة“ رواہ ابن ابی بکر بن ابی الدنیا۔

حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں: ”میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے شخص! تو نے رات بھر مجھے ایذا دی۔“

امام احمد حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا ”لا توذ صاحب ھذا القبر“۔

اب عقل سلیم سے فیصلہ طلب ہے کہ جب شرعاً جن پر پاؤں رکھنا حرام، سر رکھنا حرام، ٹیک لگانا حرام، کہ ان سب میں میت کو ایذا پہونچتی ہے اور مسلمانوں کو جس طرح زندگی میں ایذا دینا جائز نہیں اسی طرح بعد وفات بھی ناجائز۔ تو کس طرح ایک جگہ سے اکھیڑ کے دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہوگا؟ اور پھاوڑا کدال چلانا، قبر کو کھود ڈالنا، میت کو نکال کر اس کی تحقیر و توہین کرنا، کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسائل مرسلہ شاہزادہ علی خاں از سرپاہی ڈاکخانہ شاہی ۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کی زیارت پر چادر یا سجدے دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) میلاد شریف پڑھنا، ذکر پیدائش سرور کائنات پر کھڑا ہونا اور تاریخ دن تقرر کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سر پر سہرہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۴) میاں شیخ سدو وغیرہ کا مرغا، بکرا پالنا اور اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الـجـواب

(۱) چادر چڑھانا، شیرینی پر فاتحہ دلانا، اپنا مطلب کہہ کر ان کے وسیلہ سے مانگنا، بلاشبہ درست ہے۔ سجدہ حرام ہے۔

(۲) سب کچھ درست ہے۔ والتفصیل فی الرسالة المباركة "اذاقة الاثام لما نعي عمل المولد والقيام"

والله تعالیٰ اعلم

(۳) سہرا صرف پھولوں کا ہو تو جائز ہے لعدم المانع ولان الاصل فی الاشياء الاباحة۔ وہابیہ کا اس کو ناجائز ٹھہرانا، تشبہ بالکفار بتانا، محض جہالت وخیال خام ہے۔ جو امر فی نفسہ شرعاً مذموم نہ ہو اس میں بلا قصد مشابہ ہونا، منع نہیں ہے بلکہ اس نیت سے کرنا کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو یا اگرچہ ارادہ نہ کرے مگر وہ فعل خود شعار کفار ہو، جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں تو ناجائز ہے اور اس کی بعض صورتوں پر "من تشبه بقوم فهو منهم" بھی صادق۔ ورنہ اگر مطلقاً اشتراک، موجب ممانعت ہو تو انگرکھا، کرتہ، ٹوپی پہننا وغیرہ وغیرہ بھی حرام ہو جائیں کہ یہ سب ہندو بھی پہنتے ہیں۔ مگر جس طرح وہاں پردے کا فرق کفایت کرتا ہے، یہاں بھی شعار نہ ہونا کافی ہے۔

درمختار میں ہے: "التشبه بهم لا يكره في كل شيء بل في المذموم وفيما يقصد به التشبيه۔"

والله اعلم۔

(۴) اصل اس میں وقت ذبح خاص ذابح کی نیت وقول کا اعتبار ہے اگرچہ پہلے سے شیخ سدو میاں یا کسی کے نام سے مشہور ہو۔

ردالمحتار میں ہے: "المدار على المقصد عند ابتداء الذبح" اور یہی معنی آیہ شریفہ "وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ" (البقرۃ: ۱۷۳) "اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا"۔ (کنزالایمان) کے ہیں۔ فقط مشہور ہو جانا کسی کے نام سے موجب حرمت نہیں، ورنہ چاہئے کہ تمامی جانور حرام ہو جائیں۔ کیونکہ ہر جانور کسی نہ کسی کے نام سے ضرور مشہور ہوتا ہے۔ (مثلاً عمرو کی گائے، خالد کی بکری، زید کا مرغا وغیرہ وغیرہ)

جلالین میں ہے: "اي ذبح على غير اسمه تعالىٰ وتقدس" جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔

قال في المدارك والبيضاوي والكبير واللفظ للاخير" يعني وما ذبح على الاصنام" وما في الجلالين اعم واشد مطابقة للفظ۔

ردالمحتار میں ہے: "من ظن انه لا يحل فقد خالف القرآن والحديث والعقل فانه لاريب ان القصاب يذبح للربح ولو علم انه بنحس لايذبح فيلزم هذا الجاهل ان لا ياكل ما ذبحه القصاب وما ذبح للولائم والاعراس"

اور جب ذبیحہ حلال ہوا تو کھانا بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔" (الانعام: ۱۱۹) تمہیں کیا ہوا کہ نہ اسے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مرسلہ علی شاہ ۲۹ رجب ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان شخص جو علم سے واقف ہے، بیان کرتا ہے کہ ۱۵ یا ۱۶ سال سے میرے داڑھی نکلی ہے۔ جب سے اب تک برابر داڑھی منڈواتا اور کترواتا ہوں اور ایسا کترواتا ہوں کہ جلد سے ملی رہے یعنی بالکل معلوم نہ ہو کہ داڑھی نکلی ہے۔ اور وقت مرگ تک ایسے ہی منڈواتا اور کترواتا رہوں گا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ گناہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے یا گناہگار؟ بینوا و توجروا یوم الحساب۔

الجواب

ایسا شخص سخت گناہگار، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق نار وغضب جبار ومورد لعنت پروردگار ہے۔ اور باوصف اس علم کے کہ وہ گناہ ہے، اس کا یہ اصرار واظہار کہ تادم مرگ مرتکب رہے گا اس پر اور سخت تر ہے۔ قال تعالیٰ: "وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ"۔ (البقرۃ: ۲۰۶) "اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے۔" (کنز الایمان)

فتح القدیر، بحر الرائق، درمختار، غنیہ وغیرہا میں ہے: واللفظ للغنیۃ: "الاخذ من اللحیۃ وھو دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل المجوس الاعاجم والیھود والھنود وبعض اجناس الافرنج"۔

درمختار میں ہے: "قطعت شعر راسھا اثمت ولعنت ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال اھ" مختصراً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء"۔

اس مسئلہ میں تمام تفصیل وبیان جلیل کتاب مستطاب "لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حزی اللہ المجیب ویثیب۔ یہ سوال پہلے بھی آیا۔ اُس عبارت میں صرف اتنا تفاوت ہے کہ کلام زید میں اس فعل کا صغیرہ ہونا، ارادہ مداومت تادم مرگ کی علت نہ تھا۔ بلکہ اس کا کلام "منڈواتا رہوں گا" تک نقل کر کے سائل نے لکھا تھا: "یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ ہے"۔ ایسا وہ لفظ کہ "یہ بھی کہتا ہے" قلم سے متروک ہوا، جس نے اس جملہ کو اس ارادہ کی تعلیل کر دیا اور کلام زید کے معنی یہ ہوگئے کہ تادم مرگ ایسا ہی کرے گا، اس لئے کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں ہے، صرف صغیرہ گناہ ہے۔ اس کی مداومت چنداں محذور نہیں۔ اگر واقعی کلام زید اس طرح ہے تو اس کا حکم اور سخت تر گناہ ہوگا کہ یہ کلام صاف جانب استخفاف جارہا ہے اور گناہ کو ہلکا سمجھنا، نہایت شدید واشد ہے کہ حد کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی محمد قاسم علی کلیمی دہلوی از میران پور کٹرہ، شاہجہاں پور ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بات میں کہ کوئی شخص حنفی المذہب اپنا مذہب چھوڑ کر شافعی ہو جائے یا اور کوئی مذاہب اربعہ سے اختیار کر لیوے تو یہ بدلنا مذہب کا کیا حکم رکھتا ہے؟ فقہائے حنفیہ کے نزدیک تبدیلِ مذہب کرنے والے پر تعزیر ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر بحوالہ کتب فقہیہ جواب تحریر فرما کر اپنی مہر سے مزین فرما کر روانہ فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

ہاں ایسا شخص قابل تعزیر ہے: "فی الدر عن السراجیة قبیل السرقة: "ارتحل الی مذهب الشافعی رحمه الله تعالیٰ یعزر"۔ والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

الجواب صحیح: ہاں بلا ضرورت شرعیہ ایسے تبدیل مذہب کرنے والا ضرور مستحق تعزیر ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں کہ اگرچہ مذہب چاروں حق ہے۔ مگر یہاں حنفیت چھوڑ کر باقی تین مذہب سے کوئی مذہب اختیار کرنا، جس کے نہ یہاں علماء ہیں، نہ کتابیں، علم چھوڑ کر جہل اختیار کرنا ہے۔ یہ سب اس حالت میں ہے کہ واقعی شافعی ہوا ہو اور اگر غیر مقلد ہوا اور حیلہ کے لئے شافعیت کا نام لیتا ہے تو کھلا گمراہ ہے۔ والله تعالیٰ اعلم۔

کتبه عبده احمد رضا غفر له بمحمد المصطفی صلی الله علیه وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ غلام ربانی از پیلی بھیت محلہ غفار خاں ۱۰ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلام جو باہم مسلمانوں میں کرنا چاہیے، شرعاً مسلمانوں کو ہنود سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل اسلام کو اہل ہنود کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ہنود کو بے ضرورت ابتدا بالسلام حرام ہے۔ یہ حکم صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فسلم علی المسلم ...... بالمعروف یسلم علیه اذا لقیه ویجیبه اذا دعاه الحدیث یہود و نصاریٰ کہ شریعت مطہرہ نے ان کو مشرک سے نہیں گنا ہے، ان پر بھی ابتدا بالسلام کی ممانعت فرمائی۔ حدیث میں ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "لا تبدؤ الیهود ولا النصاری بالسلام" مگر جب وہ ابتداء بالسلام کریں تو جواب سلام میں حرج نہیں۔

بزازیہ میں ہے: "فی السیر لا باس برد السلام اهل الذمة والنهی عن البداءة الا اذا کان محتاجا فلا باس بها ایضا۔"

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: "انما یکره ان یبتدئهم بالسلام واما اذا ابتدء الکافر فلا باس بان یرد علیه لکن لا یزید علیٰ قوله وعلیك هکذا فی الخلاصة والعلمگیریه۔"

ہاں اگر کسی ضرورت سے کریں تو مضائقہ نہیں۔اور یہی قول علقمہ اورنخعی کا ہے۔

خزانہ میں ہے:"وان کان للمسلم الیہ حاجۃ لا باس بالسلام علیہ لان فیہ لیس توقیر۔"

مگر اس کا ہندوستان کے رواج کے موافق تو بضرورت بھی انہیں سلام شرعی کرنے کی حاجت نہیں،کافی ہے لالہ صاحب،بابو صاحب،منشی صاحب،وغیرذلک۔رہا ہنود کے یہاں کھانا،اس کی اصل یہ ہے کہ اگر ان کے یہاں کھانے سے عام مسلمانوں کو نفرت یا سبب بدنامی یا انگشت نمائی ہو تو شرعاً ناجائز ہے جیسے بھنگی کے یہاں کھانا۔اور اگر یہ بات نہیں،تب بھی شک نہیں کہ عام ہنود سخت ناپاکیوں میں آلودہ اور ملوث ہیں مگر شریعت آسان ہے۔جب تک کسی شئے میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو،ہمارے لئے بحکم قاعدہ کلیہ"الاصل الطہارۃ"پاکی وحلال ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:"قال محمد وبہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ واصحابہ کذا فی الظہیریۃ۔" مگر گوشت کہ وہ مطلقاً حرام ہے۔ہاں اگر حلال گوشت مسلمان کے سامنے پکا ہو کہ ایک لمحہ بھی اس سے جدا نہیں ہوا ہو تو حرج نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم از علی گڑھ ۲۵محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

روافض کے گھر کا کھانا جائز ہے یا ناجائز،کس واسطے کہ یہ لوگ بڑے متعصب ہوتے ہیں،اہل سنت وجماعت کو کھانے میں ناجائز کھلاتے ہیں؟

الجواب

اگر یقیناً معلوم ہو کہ اس کھانے میں کچھ ناپاک شے ملادی ہے جب تو ظاہر ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے قطعی۔

قال اللہ عزوجل:"وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" (الاعراف:۱۵۷) "اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا" (کنزالایمان) اگر یقیناً نہ بھی ہو معلوم بلکہ بالفرض اس کا وہم بھی نہ ہو،تب بھی روافض ودیگر مرتدین بلکہ تمامی اہل ہوا اور مبتدعین کے یہاں کھانے سے احتراز لازم کہ یہ میل جول ہے اور ان سے میل جول ممنوع ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے ہیں:"لا تجالسوھم ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تناکحوھم" ان کے پاس نہ بیٹھنا،ان کے ساتھ نہ کھانا پینا،نہ شادی بیاہ کرنا۔رواہ العقیلی واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جواہر پور تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ الحمد شریف کے اندر بے قاعدہ پڑھنے کی وجہ یعنی ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے حرف کے لفظوں سے ملا کر پڑھنے کی وجہ اور یا کسی بے قاعدگی سے شیطان کا نام آجاتا ہے یا ہوجاتا ہے یا نہیں اور کن مواضع میں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ جو عوام میں رائج ہے کہ ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے لفظ کے حرفوں میں ملا کر پڑھنے سے مثلاً ذُلِـلُ حِـزْبُ کَیـوْ کَنَـعُ کَنَسُ تَعْلَی بِعَلِی کَـیُ شیطان کا نام آ جاتا ہے، محض غلط اور اختراعات باطلہ سے ہے۔ علما نے ان سکتات کو برا جانا، اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

فتاوی رضویہ میں غنیۃ سے ہے: "قال فی فتاوی الحجۃ" اذا بلغ فی الفاتحۃ "ایاك نعبد و ایاك نستعین" لا ینبغی ان یقف علیٰ قولہ ایاك ثم یقول نعبد وانما الاولیٰ والاصح ان یصل ایاك نعبد و ایاك نستعین اہ" فلا اعتبار بمن یفعل ذلك السکت من الجہال المتفقہین بغیر علم اہ"۔

اس میں علامہ علی قاری کی منح الفکریہ سے ہے: "اقول ما اشتہر علیٰ لسان الجہلاء من القراء ان فی سورۃ الفاتحۃ للشیطان کذا من الاسماء فی مثل ہذہ التراکیب من البناء فخطاء فاحش و اطلاق قبیح ثم سکتہم عن نحو دال الحمد و کاف ایاك و امثالہا غلط صریح۔" واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مرسلہ محمد سلیمان محلہ مہولی، باسدیو پور ضلع مونگیر ۱۶ ربیع الاخر ۱۳۴۶ھ

جناب مولانا دام مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضروری گذارش یہ ہے کہ (۱) اہل صرف کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے۔ چنانچہ آپ بھی اپنے رسالہ ص ۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں: "ثلاثی مزید مطلق بے ہمزہ وصل کے پانچ باب ہیں اور اس کے باب اول کا ہمزہ قطعی ہے، وصلی نہیں۔ اس لئے حالت وصل میں نہیں گرتا۔ باب اول افعال۔ پھر لکھتے ہیں" علامت اس کی فا کلمہ کے قبل ہمزہ قطعی ہونا ہے۔" قطعیت ہمزہ کا مطلب تو یہی ہے کہ حالت وصل میں اس کا قائم رہنا واجب اور ضروری ہے۔ پھر ص ۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں: "قاعدہ ہمزہ منفردہ متحرک ماقبل صحیح ساکن غیر نون انفعال و یائے تصغیر ہو تو حرکت اس کی نقل کر کے ماقبل کو دے کر اس کو گرا دینا جائز ہے۔ ایک کلمہ میں ہو تو جیسے لیسئل یا دو کلمہ میں جیسے قد فلح کہ اصل میں قد افلح تھا اور یسأل تھا" انتخاب ملخصاً۔ افلح باب افعال کا ماضی ہے مگر اس قاعدے کی رو سے قد کے لانے کے بعد اس کے ہمزہ کا گرا دینا جائز ہے تو پھر قطعیت ہمزہ کا کیا مطلب ہے؟ اور قد فلح قد افلح میں کیا فرق رہا؟ اس صورت میں ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو و بیکار ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد جگہوں میں آیا ہے۔ ہر جگہ باثبات ہمزہ ہے، باسقاط ہمزہ کہیں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کی پیش کردہ مثال کی رو سے قرآن شریف میں قد افلح کی جگہ قد فلح پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی قراءت قراء سبعہ میں سے کسی سے مروی ہے یا نہیں؟ اگر قد فلح پڑھنا جائز ہے تو پھر اس قاعدے کی رو سے قرآن مجید میں جس جگہ اثبات ہمزہ ہے وہاں اسقاط ہمزہ جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً سل بنی اسرائیل کی جگہ اسئل بنی اسرائیل، فاسئلوا اہل الذکر فسلوا اہل الذکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں جائز ہے تو کیوں؟ مہربانی فرما کر جواب مع دلائل تحریر کر کے ذیل

کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔ جواب کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجتا ہوں۔ والسلام
مکرر گذارش ہے کہ جواب پرنسپل صاحب و دیگر مدرسین صاحبان سے دستخط کرالیں تو بہتر ہے۔

الــجــواب

(۱) ہمزہ وصل وہ ہے کہ وجہ کلام میں اس کا گرانا ضروری ہو، باقی رکھنا خطا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں مطلقاً ہر جگہ باتفاق جمیع قراء تمامی ہمزۂ وصل گرا دیئے جاتے ہیں۔ بخلاف ہمزۂ قطعی کے کہ وہ درجہ کی وجہ سے کلام سے نہ گرے گا بلکہ باقی رکھا جائے گا۔ رہا قاعدۂ تخفیف ہمزہ کا گرنا تو وہ کچھ اس قسم کے ہمزہ پر موقوف نہیں بلکہ اصلی، ہمزہ بھی اس قاعدے سے گر جائے گا۔ جیسے یسأل کہ ہمزہ عین کلمہ ہے اور یقرء کے آخر کا ہمزہ زائد نہیں۔ پس اسی قاعدہ سے یقر ہو گا لم ارکہ اصل اس قاعدے سے لـمــر ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ علامات مضارع ہے غرض اس قاعدہ کی رو سے ہر طرح کا ہمزہ اصلی زائد، قطعی زائد سب گر جائے گا اور وجہ کلام میں ہمزہ وصلی گر جائے گا، ہمزہ قطعی نہ گرے گا کہ ہمزہ وصلی زائد محقق ہے۔ صرف بقدر ابتداء سکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے تو جب کوئی کلمۂ اولیٰ میں آئے گا، یہ ہمزہ گر جائے گا۔ قد فلح اور قد جتنب میں فرق ظاہر ہے۔ اول یہ کہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور قد جتنب پڑھنا واجب ہے۔ قد افلح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں ہماری قراءت میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے قد افلح ہی پڑھنا اولیٰ ہے اور قد اجتنب پڑھنا غلط ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قد فلح کا ہمزہ اس قاعدے سے گرا ہے، نہ فقط اول میں لفظ کے آنے سے۔ بخلاف قد جتنب کے کہ اگر یہ قاعدہ سرے سے نہ ہوتا جب بھی فقط درج کلام اور اول اس کے کسی لفظ کا آ جانا ہی اس کے گرا دینے کو کافی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو اور بیکار نہیں ہے۔

(۲) بے شبہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح کی قراءت قراء کی مروی اور منقول ہے۔

تیسیر علامہ ابو عمرو عثمان حرانی متوفی ۴۴۴ھ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۰ میں فرماتے ہیں:

"اعلم ان کان یلقی حرکته المهمزة علی الساکن بتحرك بحر کتها و تسقط من اللفظ الخ" پھر اس کی تین قسم کر کے اول و دوم کے بعد تیسری قسم کو بیان کرتے ہیں۔" والثالث ان یکون سائر حروف المعجم نحو قوله تعالیٰ من امن الخ۔"

امام شاطبی شاطبیہ مطبوعہ مصر ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

وحرك لورش كل ساكن اخر صحيح بشكل الهمز واحذفه مسهلا

نیز اسی مجموعہ قراءت میں رسالہ طیبہ حافظ محمد ابی جزری ص ۱۱۰ میں فرماتے ہیں:

وانقل الی الآخر غیر حرف مد لورش الا کتابیه اسد

اس قاعدہ عامہ سے استدلال اگرچہ اثبات مدعیٰ میں تام ہے مگر خاص اسی قد فلح کی تصریح بھی مفسرین نے فرمادی۔

تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی جلد ۵ ص ۲۸۰ سورہ مومنون میں ہے: ''وقرء ورش عن نافع قد فلح باستبقاء حركة الهمزة على الدال وحذف فيها لفظالالتقاء الساكنين كما قال ابو البقاء وهي الهمزة الثالثة بعد نقل حركتهما والدال الساكنة بحذف الاصل لانه لا يعتد بحركتها العارضة۔''

اور بلاشبہ اسی قاعدہ کی رو سے، جس جگہ یہ قاعدہ پایا جاتا ہو اس جگہ ہمزہ کو گرا دینا جائز ہے اگرچہ مروی اثبات ہو۔

تیسیر ص ۲۷ میں ہے: ''ابن كثير والكسائي وسلوا الله من فضله وسل الذين اذا كان امرا مواجها وكان السين والواو والفاء بغير همزة حيث وقع الوجوه في اتمام القرأت العشرة۔''

حافظ شیخ محمد ص ۱۶۷ میں ہے: ''ونقل خلف واسال وفاسئل وسلوا وفاسئلوا كالكسائي۔''

معلوم ہوا کہ واسئلوا کو وسلوا اور فاسئلو کو فسلو پڑھنا صرف قاعدے کی رو سے جائز ہی نہیں ہے بلکہ عبد اللہ ابن کثیر دارمی مکی اور علی بن حمزہ نحوی کسائی کوفی اور خلف ابن ہشام بزاز سے مروی ومنقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الفرائض ۱۲

مسئلہ از شہر مرسلہ بعض اصحاب اہلسنت بواسطہ مولانا حسن رضا خاں ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا۔ اس کے ایک وارث نے اس کی تجہیز و تکفین وفاتحہ سوم وچہلم کے مصارف اپنے مال سے کئے۔ متروکہ ہندہ سے یہ کل مصارف مجرا دیے جائیں گے یا نہیں یا بعض؟ اور بعض کون کون سے؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

صرف مصارف تجہیز وتکفین اگر مطابق سنت کے ادا کیا ہو یعنی جس قدر صرف کفن دفن میں ہوا، بشرطیکہ اس میں قدر سنت پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو، اور اگر پانچ کپڑوں یا کفن مثل سے زیادتی کی تو یہ بھی مجرا نہ ہوگا۔ بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا، جو اس نے بطور خود کیا۔

عقود الدریہ میں ہے: خانیہ اور اس میں عیون سے ہے: ”اذا کفن الوارث المیت من مال نفسہ والاجنبی لا“۔

وراس میں فتاویٰ القرویہ اور اس میں جمع الفتاوی سے ہے: ”ان کفنہ باکثر من کفن المثل لا یرجع لان احد الورثۃ لا یملکہ وھل لہ ان یرجع فی الترکۃ بقدر کفن المثل قالوا لا یرجع لان اختیارہ ذلک دلیل التبرع اھ“۔

اور کفن ودفن کے علاوہ فاتحہ سوم وچہلم وغیرہا کے مصارف مجرا نہ ہوں گے۔

طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے: ”التجھیز لا یدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذلک لیس من الامر اللازمۃ فالفاعل لذلک ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا لو کان اجنبیا“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ ...... ۲۶ رجب المرجب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ میں کہ یہ جواب اور تصحیح صحیح ہیں یا غلط؟ بر تقدیر ثانی صحیح جواب کیا ہے؟ (نقل سوال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی بیماری کی حالت میں ڈھائی مہینہ پیشتر مرنے سے کہا کہ مکان میں نے اپنے پسر زید کو دیا، چاہے مجھ سے لکھوالو۔ اس صورت میں ترکہ ہندہ کا درمیان ایک لڑکی زینب اور پسر زید کے کتنے سہام پر منقسم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس صورت میں گو ہندہ نے کل مکان پسر کو ہبہ کر دیا مگر مرض کی وجہ سے ہبہ فی الثلث ہوگا اور دوثلث درمیان

بیٹا بیٹی کے حسب قاعدہ فرائض تقسیم ہوگا ھکذا نعلم من الفقه والله تعالیٰ اعلم۔ عبدالوہاب البہاری عفااللہ عنہ الباری
الجواب صحیح بشرطیکہ قبضہ موہوب لہ کا یا اس کے متولی کا حالت حیات ہندہ پایا گیا ہو۔
محمد یٰسین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ سرائے خادم بریلی۔

الجواب

جواب اور تصحیح دونوں غلط ہیں۔ اولاً صورت مسئولہ میں (کہ اپنے وارث کو ہبہ کیا۔) بوجہ مرض ہبہ فی الثلث نافذ ماننا، تمامی نصوص شرعیہ فقہیہ کو پس پشت ڈال کر اجتہاد کی ٹھاننا ہے۔ دعویٰ حنفیت اور نہ صرف حنفیت بلکہ سرگروہ احناف کرام بن کر اس طرح تصریحات علماء احناف کرام سے ڈیڑھ اینٹ کی چننا، فاضل بہاری سے سخت تعجب خیز اور حیرت انگیز امر ہے۔ عبارات کتب تو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ ہبہ بے اجازت مغیرہ دیگر ورثہ محض باطل و بے اثر ہے۔ کیونکہ مرض الموت میں ہبہ، حکم وصیت میں ہے۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود، کنز الدقائق کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۴۳۷ میں فرماتے ہیں: "تحریره في مرض موته وقوله بانه وهبته وصية." اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے، لغو ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصہ میں اصلا نافذ نہیں ہوسکتی۔

علامہ سراج الدین اوشی فتاویٰ سراجیہ مطبوعہ مصطفائی کانپور ص ۴۲۴ میں فرماتے ہیں: "الوصية للوارث تنفذ باجازة الورثة بعد الموت۔"

اگر فتاویٰ ومطولات پر نظر نہ تھی تو وقت افتاء حواشی درسیات ہی ملاحظہ فرمائے ہوتے کہ اس میں صاف تصریح فرماتے ہیں: "الوصية للاجانب بالزائد على الثلث وللاقارب مطلقا بدون الاجازة اه بقدر الحاجة" (السراجی مطبع النظامی ص ۳ ھکذا فی حاشیۃ الشریفی المطبوع فی شوکۃ الاسلام لکھنؤ ص ۹)۔

ثانیاً آپ کا دوثلث درمیان بیٹا بیٹی کے تقسیم کرانا، بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ بلکہ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مقدم کل مکان ہندہ کا بموجب "للذكر مثل حظ الانثيين" تین سہام پر منقسم ہوکر، دو سہم پسر اور ایک دختر کو ملے گا۔

ثالثاً مجیب صاحب کا "ھکذا بعلم من الفقه" تحریر فرمادینا، عجب دلاوری وبکف چراغے، ہے۔ اجتہاد بے بنیاد اور فقہ کی طرف اسناد؟ حضرت مجیب صاحب! یہ ٹھو شریف نہیں کہ چونے پر عدم جواز تیمم کا فتویٰ دے کر ساختہ حدیث کے دامن میں چھپ بیٹھے۔ جب کسی نے لقمہ دیا تو فوراً فرمایا! ہاں: وہ حکم فقہ کا ہے اور میں نے حدیث کی رو سے کہا ہے اور پھر حنفی کے حنفی بلکہ سرگروہ احناف کرام۔

رابعاً مصحح صاحب نے اگرچہ حکم شرعی یاد فرما کر بشرطیکہ الخ بڑھا کر مجیب صاحب کی اصلاح چاہی ولکن صدق القائل ع لن يصلح العطار ما افسده الدهر

خامساً قبضہ متولی کی بھی ایک ہی کہی۔ مولانا! نابالغ کے لئے ولی ہوتا ہے اور متولی وقف پر۔ اللھم احفظنا من الغباوۃ و الغوایۃ۔

بالجملہ کل ترکہ ہندہ تین حصہ ہو کر ایک زینب اور دو حصے زید کو ملیں گے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱- زید نے انتقال کیا۔ دو لڑکا ایک لڑکی اور ایک بیوی وارث چھوڑا۔ ہر ایک وارث کو شرعاً کتنا کتنا حصہ متروکہ چیزوں میں ملے گا؟

۲- زید کی متروکہ اشیاء میں مکان بھی ہے تو کیا مع اس کی زمین کے اس مکان میں لڑکی کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟ اور بصورت شق اول کیوں؟

۳- زید کے وارثوں میں جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی ہے۔ تو کیا اس حاصل کردہ زمین میں لڑکی اور بیوی کو بھی حصہ ملے گا یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۴- زید کے انتقال کے بعد وارثوں نے مکان بنایا۔ اس میں کچھ اسباب مثلاً دھرن، کڑی وغیرہ زید کے بڑے لڑکے کے سسرال کی ہے۔ تو کیا ان اسبابوں میں اور وارثوں کا بھی حصہ ہوگا؟

۵- نمبر ا میں جو ورثاء مذکور ہیں۔ قبل اس کے کہ جائداد متروکہ زید آپس میں تقسیم کی جائے، زید کا بڑا لڑکا نوکری کرتا ہے اور چھوٹا کاشتکاری، بڑے لڑکے نے اپنی نوکری کے ذریعہ سے کچھ زمین حاصل کی تو کیا اس زمین میں کل وارثوں کو حصہ ملے گا یا کسی کو نہیں یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۶- اہلیہ زید نے قبل تقسیم جائداد، اپنی لڑکی سے کچھ روپیہ قرض لے کر شرکت میں خرچ کیا۔ تقسیم جائداد کے وقت زید کے چھوٹے لڑکے نے اپنی والدہ کے کہنے سے اپنے حصہ رسدی قرض کا دو آدمی کے مقابل میں اقرار کر کے اس دین کے بدلے میں اپنی ہمشیرہ کو کچھ زمین ہی زبانی بلا دستاویز دے دیا تھا۔ اب کچھ روز کے بعد زید کا چھوٹا لڑکا اس دین سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وقت مصلحتاً دین کو لازم کر لیا تھا۔ کیا شرعاً وہ لازم کردہ دین چھوٹے لڑکے پر واجب الادا ہے یا نہیں؟ فقط۔ بینوا و توجروا۔

المستفتی سید ابوالقاسم دربھنگوی ۲۱ شعبان، ۲۴ ستمبر ۱۹۴۰ء

الجواب

۱- کل ترکہ زید کا چالیس حصہ ہو کر ثمن یعنی پانچ حصے بیوی اور سات حصے بیٹی اور چودہ چودہ حصے دونوں بیٹے کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- زید کے ترکہ میں جو پھورائی رتی ہوگا، مکان، دوکان، اثاث البیت وغیرہ سب کا سب، ورثاء کو بحصہ رسدی سے

گا۔لڑکی کا حصہ بھی واجب ہے۔قال تعالیٰ:"لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ"(النساء : ۱۱) "بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے"۔(کنزالایمان) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ جواب مطابق نمبر ۲ ہے۔جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی اور زید کی ملک ہے۔وہ اس کے مرنے کے بعد تمام ورثاء وحصہ مقررہ کے مطابق ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

۴۔ زید کے انتقال کے بعد جس وارث کو جو چیز بذریعہ خریداری یا ہبہ،سسرال سے یا کسی جگہ سے حاصل ہو،وہ خاص اس کی ملک ہوگی۔وہ زید کے ترکہ میں دیگر ورثاء کو نہ ملے گی۔واللہ تعالیٰ اعلم

۵۔ بڑے لڑکے نے نوکری کے ذریعہ سے جو زمین حاصل کی اور وہ اس کے نام سے ہے،وہ اس کی ملک ہے۔اس میں کسی دوسرے کو کچھ نہ ملے گا۔اس لئے کہ ترکہ زید کی ملک میں تقسیم ہوگا،نہ اس کے بیٹے کی کمائی اور اس کی حاصل کردہ شئے میں۔واللہ تعالیٰ اعلم

۶۔ جو روپیہ اہلیہ زید نے اپنی لڑکی سے قرض لیا اور جس کے حصے رسدی کا زید کے چھوٹے لڑکے نے اقرار کیا تو بموجب قائدہ مقررہ"المرء یوخذ باقرارہ"وہ دَین اس کے ذمہ واجب ہے۔اس کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے،انکار بے سود ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ازروئے شرع متین اس مسئلہ میں کہ حکیم نظام الدین صاحب نے،جس کو عرصہ بارہ سال ہوا انتقال کیا اور چھوڑا چار لڑکے ایک لڑکی،ایک بیوی کو۔

۲۔ حکیم نظام الدین صاحب نے اپنے حین حیات میں متعدد شادیاں کیں۔ایک بیوی سے ایک لڑکی صدیقہ،ایک بیوی سے ایک لڑکا نصیر الدین،ایک بیوی سے دو لڑکے معین الدین ونعیم الدین اور ایک بیوی سے ایک لڑکا محمد اسحاق اور ایک بیوی مسماۃ منیرن۔حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے وقت بڑے لڑکے نصیر الدین کی عمر تقریباً چوبیس برس تھی اور شادی باپ کی زندگی میں ہو چکی تھی۔باپ کی جگہ پر پیشہ طبابت کرنے لگے۔معین الدین کی عمر بیس سال تھی اور شادی ہو چکی تھی۔اور دو لڑکے نابالغ تھے۔نعیم الدین جس کی عمر بارہ سال تھی اور محمد اسحاق جس کی عمر چھ سال تھی۔صدیقہ کی عمر تیس سال،شادی شدہ تھی۔

۳۔ ازروئے شرع کس کو کتنا ترکہ ملے گا۔بحساب انگریزی آنہ پائی کے لکھا جائے تاکہ تقسیم میں آسانی ہو۔

۴۔ حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تمام جائداد بڑے لڑکے حکیم نصیر الدین کے حصے میں آئی۔اور برابر مطب کی آمدنی سے جو باپ کی راج گدی تھی،فائدہ اٹھا رہے ہیں۔دریافت طلب یہ بات ہے کہ باپ کی گدی اجمال میں شمار کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ فائدہ اور نقصان اسی گدی سے حاصل ہوتا رہا ہے۔یعنی گدی سے جواب تک فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ رقم بھی اجمال میں شامل کردی جائے گی یا نہیں؟

۵- اگر چند شخص مل کر اپنی رائے اور تخمینہ سے بغیر لحاظ شریعت، متوفی کا متروکہ، تقسیم کر دیں تو ایسے اشخاص عنداللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ اور ایسی تقسیم کو ماننا چاہئے کہ نہیں؟ فقط بینوا بالکتاب و توجروا یوم الحساب

الجواب

حسب ضابطہ فرائض بعد تقدیم ماںقدم، کل ترکہ حکیم نظام الدین کا ۷۲ حصے ہو کر ۹ حصے مسماۃ بی بی منیرن زوجہ متوفی اور ۱۴-۱۴-۱۴-۱۴- چاروں لڑکے نصیر الدین، معین الدین، نعیم الدین، محمد اسحاق اور ۷ حصے دختر مسماۃ صدیقہ کو ملیں گے۔ ترکہ میں بڑے چھوٹے، شادی شدہ، کنوارے کی کوئی تفریق نہیں، نہ اولاد میں ایک بیوی یا چند بیویوں سے ہونے میں کچھ فرق ہے۔ سب اولاد ہونے میں برابر ہیں، ترکہ میں بھی برابر ہوں گے۔ جو جائداد یا اشیاء، ملک حکیم نظام الدین کی ہے، سب ترکہ میں تقسیم ہوں گے، چاہے کسی کے قبضہ میں ہو۔ اگر کوئی شخص خلاف شریعت متوفی کا ترکہ تقسیم کرے گا، وہ باطل و بے اثر ہوگا۔ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" (الانعام: ۵۷/ یوسف: ۴۰/ یوسف: ۶۷) "حکم نہیں مگر اللہ کا"۔ (کنز الایمان) ایسے لوگ عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ ایسی تقسیم کو ماننا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر سب ورثہ بخو و مصالحت کر لیں اور کوئی شخص کم یا زیادہ لینے پر آپس میں بلا دباؤ و اکراہ کے راضی ہوں، تو اس میں مضائقہ نہیں۔ لیکن خلاف شرع کسی کا حصہ کم دینا یا متروکہ مورث میں سے کسی چیز کا، کسی وارث کا دبا لینا اور قبضہ ناجائز کر لینا، صحیح نہیں۔ تخریج مسئلہ کی حسب قاعدہ فرائض اس طرح ہوئی۔ رہا آنہ پائی کے حساب سے مسائل کا مطالبہ کرنا، یہ بے سود اور بے نتیجہ محض ہے۔ اگر ترکہ صرف ایک روپیہ ہوتا تو ایک بات تھی ورنہ پھر پائیوں کی کسرات کو پائی بنانا اور پائیوں سے آنہ کرنا اور ان آنوں کو روپیہ کر کے تقسیم کرنا یہ خود ایک مشکل کام ہوگا۔ لیکن حسب خواہش سائل آنہ پائی بنا کر بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینیر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

حکیم نظام الدین

مسئلہ، ت ۷۲

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
مسماۃ بی بی منیرن	نصیر الدین	معین الدین	نعیم الدین	محمد اسحٰق	مسماۃ بی بی صدیقہ
۹/۹	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷
۲/	۳/۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۲،۶/۱

یعنی روپیہ میں سے ۲/ حق زوجہ مسماۃ بی بی منیرن کا ہوا اور چاروں لڑکے میں ہر ایک ۳/ا پائی ۱/۳ یعنی انگریزی پائی کی تہائی اور مسماۃ بی بی صدیقہ دختر کا اس کا نصف ۶/۱ پائی اور انگریزی پائی کا دو تہائی۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع ابو سعید پور، مجید پور، اعظم گڑھ مرسلہ مولوی عبدالکریم خان حنفی ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب حنفی نے انتقال کیا اور ان کے

ورثاء شیعہ مذہب ہیں اور بعض اہلسنت وجماعت۔ پس متروکہ متوفی موصوف الذکر سے شریعت اہلسنت وجماعت کو ہی دی جائے یا غیر ملت کو بھی؟ بینواتوجروا۔

الجواب

زید کے ورثاء شیعی المذہب اگر حضرات شیخین خواہ ان میں سے ایک کی بھی شان میں گستاخی کرتے ہوں، اگر چہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام وخلیفہ برحق نہ جانتے ہوں یا قرآن شریف میں تحریف وتبدیل کے قائل ہوں یا حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ وائمہ اطہار رضی اللہ عنہم اناء اللیل واناء النہار کو حضرات انبیاء کرام سابقین علیہم الصلوٰۃ من رب العالمین سے افضل بتاتے ہوں یا روافض کے مجتہدان حال (جنہوں نے اپنے فتووں میں ان کفریات کا اقرار کرلیا ہے) کے پیرو ہوں یا لااقل انہیں دینی عالم وپیشوا جانتے ہوں تو وہ کتب معتمدہ فقہیہ کی تصریحات اور عامہ اہل ترجیح وفتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہیں۔

درمختار، طحطاوی، خلاصہ، خزانۃ المفتیین، فتح القدیر، وجیز امام کردری، جوہرہ نیرہ، تبیین، بدائع، اتحاف الابصار والبصائر، فتاویٰ القرویہ، واقعات المفتیین، برجندی، فتاویٰ ظہیریہ، مجمع الانہر، شرح کنز ملامسکین، نظم الفرائد، تیسیر المقاصد، بحر الرائق، حاشیہ علامہ شلبی علی التبیین میں ہے: ”فی الروافض من فضل علیا علی الثلثة فمبتدع وان انکر خلافة الصدیق او عمر رضی الله عنهما فهو کافر۔“

”رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفاء رضی اللہ عنہم سے افضل کہے، گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔“

امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں بہت سی یقینی اجماعی کفریات بیان کر کے فرماتے ہیں: ”وکذلک من انکر القرآن او حرفا منه او غیر شیئا منه او زاد فیه۔“

”یعنی اور اسی طرح وہ بھی قطعاً اجماعی کافر ہے جو قرآن شریف یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اس میں کچھ بدلے، قرآن میں اس موجود سے کچھ زیادہ بتاوے“۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

ازدفتر بیدا اہل السنت والجماعت بتاریخ ۱۰ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ کم ماہ بنگلور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری جماعت اہل السنت والجماعت، حنفی المشرب میں زمانہ قدیم سے فاتحہ مروجہ کا رواج چلا آرہا ہے۔ مندرجہ ذیل نمازوں کے بعد دعاؤں میں فاتحہ اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ امام دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے بلند آواز میں الفاتحہ کہتا ہے اور امام کے ساتھ مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ ایک بار، سورۂ اخلاص تین بار پڑھا کرتے ہیں۔ پھر امام اور مقتدی درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کے بعد دعا ختم کرتے ہیں۔ جن نمازوں میں فاتحہ مروجہ پڑھی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) فجر کی نماز کے بعد دعا میں (۲) نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا میں (۳) خطبۂ نکاح کے بعد دعا میں (۴) نماز جنازہ کے بعد دعا میں (۵) قبرستان میں موتی کی تدفین کے بعد دعا میں۔

تقریباً چار ماہ ہوئے، مسجد کی امامت کے لئے ایک امام صاحب کا تقرر ہوا۔ امام موصوف نے فاتحہ مروجہ کے پڑھنے سے یکسر انکار کر دیا۔ وہ نہ نماز فجر کے بعد دعا میں فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، نہ بعد نماز جمعہ سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد دعاء ثانی میں، نہ خطبۂ نکاح کے بعد دعا میں، نہ نماز جنازہ کے بعد دعا میں، نہ موتی کی تدفین کے بعد دعا میں۔

ہم اہلسنت و جماعت، حنفی المشرب ہیں۔ اس لئے آپ سے ہماری مخلصانہ گذارش ہے کہ فاتحہ مروجہ کے مذکورہ بالا طریقہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق دلائل کے ساتھ روشنی ڈالیں تا کہ حق وصواب ظاہر ہو جائے اور سب لوگ صحیح راہ اختیار کریں۔ بینوا وتوجروا

المستفتی غلام دستگیر خان، صدر جمعیت بید اہل السنت والجماعت جنوبی ہند

الجواب

فاتحہ مروجہ مذکورہ فی السوال بلاشبہ جائز ہے۔ اور اس کی اصل احادیث شہیرہ کثیرہ صحیحہ سے ثابت۔ اور اس کے جواز واستحسان پر بہت سی تصریحات علماء کرام ومفسرین عظام ومحدثین فخام وصوفیائے ذوی الاحترام سے قائم ہیں۔ جس میں کلام نہ کرے گا مگر وہابی بے شعور یا منکر مغرور۔ "مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ" (النور: ۴۰) "اور جسے اللہ نور نہ دے، اس کے لیے کہیں نور نہیں"۔ (کنز الایمان)

سورہ فاتحہ کی فضیلت، احادیث میں اس قدر وارد جس سے ادنیٰ اہل علم بھی ناواقف نہیں ہو سکتا۔ اس کو افضل القرآن فرمایا، اس کی قراءت دو ثلث قرآن کے برابر قرار دی، "لا مثل لها فی القرآن" اس کی شان میں فرمایا۔

مولانا عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں: "این سورہ را نامہا بسیار ست۔ از انجملہ قرآن عظیم زیرا کہ این سورہ در جمیع سور اعظم وافضل ست در ثواب"۔

اسی میں ہے: "عبید بن حمید در مسند خود از ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت می کند کہ فاتحۃ الکتاب برابر ثلث قرآن ست در ثواب ودر روایات بسیار کہ نزد حاکم ...... الکتاب۔ در شعب الایمان نیز آنہا را تصحیح نمودہ لفظ افضل القرآن درحق این سورہ وارد شدہ وابو نعیم ودیلمی از ابو الدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحۃ الکتاب کفایت می کند از آنچہ ہیچ چیز کفایت نمی کند واگر فاتحۃ الکتاب را در یک پلہ ترازو بنہند وتمام قرآن در پلہ دیگر۔ فاتحۃ الکتاب ہفت چند قرآن آید الخ"۔

اور سورۂ اخلاص کی فضیلت سے تو مسلمان کا بچہ بچہ واقف "قل هو الله احد تعدل ثلث القران" سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اسی لئے فاتحہ مروجہ میں تین مرتبہ پڑھنا معمول کہ قرآن کا ثواب حاصل ہو۔ رواه الامام مالك والامام احمد فی مسنده والبخاری وابوداؤد والترمذی عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ورواه

البخاری عن قتادہ بن النعمان ورواہ مسلم عن ابی الدرداء ورواہ الترمذی وابن ماجه عن ابی هریرة ورواہ النسائی عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجه عن ابی مسعود الانصاری ورواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، عن معاذ ورواہ الامام احمد عن ام کلثوم بنت عقبة ورواہ البزار عن جابر ورواہ ابو عبیدة عن ابن عباس رضی الله عنهم وفی روایة "من قرء قل هو الله احد فکانما قرء ثلث القران"۔ رواہ الامام احمد والنسائی عن ابی اوفی روایته "من قرء قل هو الله احد ثلث مرات فکانما قرٔ القران اجمع" رواہ العقیلی عن رجاء بن حیوة رضی الله عنهما۔

اور درود شریف کی برکت کا کیا کہنا۔اس سے محروم سوائے بدنصیب ازلی کے کون ہوگا؟ کہ وہ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"۔ (الاحزاب: ۵۶) "اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔ (کنزالایمان) کی تعمیل حکم ہے۔ درود شریف کی فضیلت میں اتنی حدیثیں وارد کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو مجلدات ہوجائیں۔ غرض فاتحہ مروجہ میں تین چیز پڑھی جاتی ہے۔اور تینوں کا ثواب ابر باراں سے زیادہ وسیع اور آفتاب سے زیادہ روشن۔ رہا ان اوقات خاص میں فاتحہ وقل و درود شریف پڑھنا، یہ کوئی بات پوچھنے کی نہیں۔اس لئے کہ جوامر شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے بلا قید زمان ومکان واشخاص وارد ہو، اس کو جو شخص جس وقت کرے گا اور جس مکان میں بجالائے گا، سب اسی امر مشروع کا ایک فرد قرار پائے گا جب تک کہ خاص اس کی ممانعت وارد نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں: "اعلم ان المصافحة سنة مستحبة عند کل لقاء وما اعتادہ الناس بعد صلاۃ الصبح والعصر لا اصل له فی الشرع علیٰ هذا الوجه ولکن لا باس به فان اصل المصافحة سنة وکونهم محافظین علیها فی بعض الاوقات ومفرطین علیها فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلک البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها۔"

اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ "الحجة الفائحه بطیب التعیین والفاتحة" اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ "عمدة الفاتحة فی ادلة جواز العرس والفاتحة" اور فقیر غفرلہ کا رسالہ "مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس" میں درج ہے۔من شاء التفصیل فلیراجع الیها والله اعلم ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء

کتبه الفقیر ظفر الدین القادری عفی عنه بمحمد المصطفی النبی الامی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔۱۲ ربیع الثانی ۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۶۰ء

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے...... بنک گھر میں جمع تھی۔اس نے اپنے حقیقی بھائی وارث شرعی کو محروم کرنے کے لئے ایک غیر شخص کے نام ہبہ نامہ عوض حق الخدمۃ کا لکھا کر اس کے رجسٹری کرادی۔ ہنوز وہ دستاویز

ہبہ نامہ اس موہوب لہ کو واپس نہیں ملی اور نہ روپیہ بنک گھر سے اس کو وصول ہوئے۔ اب بعد لکھانے اور رجسٹری کرانے کے زید کو خیال آیا کہ میں نے ورثائے شرعی کو محروم کر کے ایک غیر شخص کے نام روپیہ ہبہ کر دیا۔ اس واسطے اب وہ اس کو ہبہ کو ناجائز رکھتا ہے اور اس کو فسخ کر کے روپیہ خود وصول کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ فسخ ہبہ جائز ہے یا نہیں اور وہ اپنے روپیہ کے واپس لینے کا مختار ہے یا نہیں؟ اور زید چونکہ دو ماہ سے سخت علیل ہے۔ اس وجہ سے یہ ہبہ نامہ غیر شخص کے نام لکھایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میرے مرنے کے، میرے وارث شرعی مالک ہو جائیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔ تو اگرچہ ہبہ نامہ لکھ کر اس کی رجسٹری کرادی لیکن جب روپیہ بنک گھر سے وصول نہ ہوئے تو یہ ہبہ محض ناتمام و بے اثر رہا۔

درمختار میں ہے: ''وتتم الهبة بالقبض الكامل۔''

اسے ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے۔ اور اسے ایسا ہی کرنا چاہیے، کہ بلاوجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سخت شنیع ہے۔

حدیث میں ہے: "من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة" والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

(یہ چار فتاویٰ فائنل پرنٹ نکلنے کے بعد دستیاب ہوئے۔ اس لیے موضوعات کا خیال کئے بغیر انھیں ضمیمے کے طور پر شامل کرلیا گیا۔ احقر اس سلسلے میں محب گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی زید کرمہ کا ممنون ہے۔ ۱۲ اساحل)

مسئلہ از بہار شریف محلہ خانقاہ مسئلہ مولوی محمد سعید ۱۳ ارذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

مشفق مخلصی جناب مولوی ظفر الدین صاحب مدمجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد التماس خدمت ہے چند مسائل یہاں لوگوں میں درپیش ہیں۔ ان کو آپ مہربانی کر کے مع سوال اس کا جواب مع عبارات کثیرہ اور حوالہ کتب کے لکھ کر اور جناب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے دستخط اور مہر سے مزین فرما کر بہت جلد ضرور ارسال فرمائیے۔ خداوند تعالیٰ اجر جزیل عطا کرے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ (۱) فرائض خمسہ اور نماز عیدین وجمعہ ونوافل میں بعد قرأت فاتحہ کتاب کے ایک ہی رکعت میں ضم سورہ میں ایک ہی سورہ کو دوبار یا تین بار درمیان میں رک جانے کی وجہ سے یا بغیر رک جانے کے عمداً یا سہواً پڑھنے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور بر تقدیر سہواً سجدۂ سہو لازم کہ نہیں؟ اگر لازم ہوا اور نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟ (۳) اور ان سبھوں میں تکرار سورہ خاص، موجب تاخیر رکن کا ہوا کہ نہیں؟ اگر اس سے تاخیر رکن ہوئی تو ترک واجب ہوا یا نہیں؟ (۴) اور لزوم سجدۂ سہو میں سب نمازوں کا حکم مساوی ہے یا عیدین اور جمعہ کے لیے کوئی حکم مخصوص ہے؟ (۵) اور ان سب نمازوں میں سورہ فاتحہ مکرر عمداً یا سہواً پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ (۶) اور سب نمازوں میں سورۂ فاتحہ کا تکرار اور ضم سورہ کا تکرار دونوں برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مخلص الاخوان واحب الخلان مکرمی اکرمکم اللہ تعالیٰ علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا سوال کثیر الاذیال چند مسائل کو شامل اور متعدد صورتوں کو مشتمل۔ بعد قرأت فاتحہ ایک ہی رکعت میں سورت دو یا چند بار رک جانے کی وجہ سے پڑھی یا بے رکے بر تقدیر ثانی عمداً یا سہواً فان التکرار لا حل الحصر انما یکون عمدا تو یہ تین صورتیں ہیں۔ پھر ان میں ہر ایک فرائض میں ہوگی جن میں جمعہ بھی شامل یا واجبات میں کہ وتر وعیدین کو مشتمل یا سنن مؤکدہ میں کہ تراویح وغیرہ کو متناول یا نفل مطلق میں، یہ چار ہوئیں اور بلحاظ انقسام بہ منفرد وامام ولا ثالث لهما لان المقتدی لا حظ له فی القراءة وازانجا کہ جمعہ وعیدین میں انفراد نا متصور، یہ چار بحق امام چھ کی طرف منحل ہوں گی خمسہ جمعہ عیدین وتر سنن نوافل اور بحق منفرد چار ہی رہیں گی اور مجموعہ تیس صورتیں ہوں گی کما لا یخفی ان سب کا حکم مجمل یہ ہے کہ صور مذکورہ میں سہواً کچھ نہیں اور عمداً غیر فرائض میں منفرد کو مطلقاً جائز۔ ہاں اس کے سبب یہ رکعت اپنی پہلی سے طول فاحش پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی اور امام کو مطلقاً ناجائز جبکہ مقتدیوں پر ثقیل کرے رہے۔ فرائض ان میں نفس کراہت علی الاطلاق ہے اور تطویل ہو تو دوہری کراہت اور ثقیل ہو تو امام کے حق میں معصیت۔

عالمگیریہ میں فرمایا: اذا کرر آیة واحدة مراراً فان کان فی التطوع الذی یصلی وحده فذلك غیر مکروه و ان کان فی الصلاة المفروضة فهو مکروه فی حالة الاختیار واما فی حالة العذر والنسیان فلا باس به هکذا فی المحیط.

باقی احکام کے نقول آئندہ آتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان میں کسی صورت میں سجدۂ سہو نہیں۔ فرائض میں عمداً ہوا تو صرف کراہت ہے اور عمد میں سجدۂ سہو نہیں اور سہو پر صاف فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور ترک واجب ہوتا تو حرج ضرور تھا، نماز میں قصور تھا جس کے جبر وتلافی کو سجدہ لازم تھا۔ ضم سورہ میں تکرار سورہ موجب تاخیر رکن نہیں کہ سورت بہ تکرار، سورت ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور صورت۔ اور قرآن عظیم جتنا پڑھا جائے قرآن ہی ہے، نہ کہ فصل بالاجنبی جو مستلزم تاخیر رکوع ہو ولہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر بعد فاتحہ چند سورتوں کو جمع کر کے پڑھے یا سورت کے بعد پھر سورہ فاتحہ پڑھے تب بھی کچھ واجب نہیں کہ قرأت اولیٰ کے متصل ہی رکوع ضرور نہیں کما سیاتی تصریحہ من العلامۃ الشامی قدس سرہ السامی تمام نمازوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے مگر مشائخ کرام نے جمعہ وعیدین میں (کہ عادۃً ان کی جماعت بڑی ہوتی بمجمع عام خواص وعوام ہوتا ہے) فتنہ وتشویش بے علماں کے خیال سے بحالت سجدۂ سہو ساقط جانا۔

عالمگیریہ میں مضمرات اور نیز محیط سے ہے: السھو فی الجمعۃ والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد الا ان مشایخنا قالوا لا یسجد للسھو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی فتنۃ۔

سورۂ فاتحہ مکرر ہونے کی بھی متعدد صورتیں ہیں کہ تکرار صرف قبل سورت کئی بار پڑھنے سے ہوئی یا صرف بعد یا یوں کہ قبل وبعد دونوں جگہ تلاوت کی اور بہرحال سہواً یا عمداً یہ چھ صورتیں ہیں۔ پھر تکرار کسی رکعت غیر لازمۃ القراءۃ میں ہوگی کہ فرض غیر الفجر کی ماعدا الاولین ہے یا لازمۃ القراءۃ میں کہ مذکور کے سوا جملہ رکعات فرائض و واجبات وسنن ونوافل ہیں پھر بلحاظ انقسام بہ منفرد وامام اس تقسیم اخیر کی قسم اول بارہ اور اخیر ازانجا کہ حق امام میں نمازیں چھ اور حق منفرد میں چار ہیں کما تقدم ساٹھ جملہ بہتر صورتیں ہوں گی کما لایخفی علی متعلم ذھین فضلا عن فاضل مثلکم فطین ان بارہ میں تکرار مطلقاً موجب سجدۂ سہو نہیں۔

شرح منیہ میں ہے: وقید بالاولین لا ان الاقتصار علی مرۃ فی الاخرین لیس بواجب حتی لا یلزمہ سجود السھو بتکرار الفاتحہ فیھما سھوا۔

ہاں قصداً ہو تو تکرار دو صورت اخیرہ جن میں بعد سورت قرأت فاتحہ ہے مطلقاً ممنوع کہ عکس ترتیب ہے اور صورت اولیٰ امام کے لیے مکروہ تحریمی جب کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو۔

ردالمحتار میں ہے: ولو تعمدہ لا یکرہ مالم یودالی التطویل علی الجماعۃ او اطالۃ الرکعۃ علی ماقبلھا۔

درمختار میں ہے: ولو تعمدہ لایکرہ مالم یودالی التطویل علی الجماعۃ او اطالۃ الرکعۃ علی ماقبلھا۔

درمختار میں ہے: اطالۃ الثانیۃ علی الاولی یکرہ تنزیھا اجماعاً۔

ردالمحتار میں ہے: فی شرح المنیۃ الاصح کراھۃ اطالۃ الثانیۃ علی الاولی فی النفل ایضا۔

اور ان ساٹھ میں اگر عمداً ہو تو مطلقاً ناجائز وگناہ مگر دو صورت اخیر میں کہ تکرار فاتحہ قبل سورت نہیں، صرف ممانعت ہے لترک واجب القراءۃ نماز کی حاجت نہیں لعدم ترک واجب الصلاۃ اور صورت اولیٰ میں کہ تکرار قبل سورت ہے اعادہ بھی واجب لترک الواجب وھو ضم السورۃ اور اگر سہواً ہو تو صورت اولیٰ میں سجدہ آئے گا کما مر اور دو صورت اخیرہ میں کچھ نہیں لعدم ترک شی من الواجبات۔

ذخیرہ وغیرہ میں ہے: فلو قرء ھافی رکعة من الاولیین مرتین وجب سجود السھولتاخیر الواجب وھو السورة و کذالو قراء اکثر ھاثم اعادھا کما فی الظھیریة.

عالمگیریہ میں ہے: ولو کررھا فی الاولیین یجب علیه سجود السھو بخلاف مالوا عادھا بعد السورة او کررھافی الاخریین کذا فی التبیین.

ردالمحتار میں ہے:اما لو قرء ھا قبل السورة مرة وبعد ھا مرة فلا یجب کما فی الخانیة واختارہ فی المحیط والظھیریة والخلاصة وصححه الزاھدی لعدم لزوم التاخیر لان الرکوع لیس واجبا باثر السورة فانه لوجمع بین سور بعد الفاتحة لا یجب علیه شئ کذا فی البحر.

اسی میں قبیل امامت ہے: انھم نصوا ان القراءة علی الترتیب من واجبات القراءة فلو عکسه خارج الصلاة یکرہ فکیف لا یکرہ فی النفل.

اس کے بیان واجبات میں ہے: انھم قالوا یجب الترتیب فی سور القران فلو قرأہ منکوسا اثم لکن لایلزمه سجود السھو لان ذلک من واجبات القرأة لامن واجبات الصلاة کما فی البحر.

یہیں سے ظاہر ہوا کہ تکرار فاتحہ وتکرار سورت کا حکم مختلف ہے وقد مضی التفصیل علیه التعویل ھذا ماعند ھذا لعبد الذلیل والعلم بالحق عند ربنا العلی الجلیل وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد واله اجمعین بالتکریم والتجبیل۔والله تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ڈھاکہ مشرقی بنگال مرسلہ مولانا حافظ احسن الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد وفات حضرت علیہ السلام جو شام چلے گئے تھے وہاں سے پھر واپس تشریف لائے یا نہیں اور مدینہ منورہ میں شاہزادوں کے حکم سے اذان دی یا نہیں اور وہیں مدفون ہوئے یا نہیں اور قصیدہ حضرت بلال کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں مگر اکثر کا قول ہے کہ شام میں انتقال فرمایا اور حلب میں مدفون ہوئے۔

اصابہ میں ہے:ثم خرج بلال بعد النبی ﷺ مجاھدا الی ان مات بالشام پھر بعد وصال اقدس علیہ السلام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لیے شام گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اسی میں ہے: قال البخاری مات بالشام فی زمن عمر امام بخاری نے کہا کہ حضرت بلال نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں شام میں انتقال فرمایا۔

اسد الغابہ میں ہے:وذھب الی الشام فسکن فیه حتی مات پھر حضرت بلال شام چلے گئے یہاں تک کہ وہیں انتقال فرمایا۔

تقریب،تہذیب امام ابن حجر میں ہے:مات بالشام۔ شام میں انتقال فرمایا۔

اصابہ میں ہے: وفي المعرفة لابن مندة انه دفن بحلب.

اسد الغابہ میں ہے: وقال علي بن عبد الرحمن مات بلال بحلب ودفن على باب الاربعين علی بن عبد الرحمن نے کہا کہ بلال نے حلب میں انتقال فرمایا اور باب الاربعین میں مدفون ہوئے۔

اسی میں ایک قول کاتب واقدی کا نقل کیا کہ دمشق میں انتقال فرمایا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے اور ایک روایت میں ہے: بعد شام جانے کے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے فرمایا اے بلال! کیا تجھے اس کا وقت نہیں آیا کہ تو ہماری زیارت کرے۔ پس یہ غمگین ہو کر جاگے اور مدینہ طیبہ کے قصد سے سوار ہوئے اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور روتے اور لوٹتے تھے کہ صاحبزادگان حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے حضرت بلال دونوں صاحبوں کو چومتے اور گلے لگاتے پس دونوں نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج صبح کی اذان تم دو پس مسجد کی چھت پر چڑھے اور فرمایا اللہ اکبر گونج اٹھا مدینہ اور جب کہا اشهد ان لا اله الا الله زیادہ ہوا گونجنا اس کا پھر جب کہا اشهد ان محمدا رسول الله پردے والی عورتیں اپنے پردوں سے نکل آئیں ذکرها في اسد الغابة۔ اور قصیدۂ حضرت بلال میری نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از دوست پور ضلع سلطانپور مرسلہ حاجی عبد اللہ خانصاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد منہدم تھی۔ اس کو ایک شخص نے اس طور پر درست کرا کے چھت پٹوائی جو کہ شہید ہونے والی ہے، بالکل غیر مستحکم۔ راجوں کا بیان ہے کہ یہ بہت جلد شہید ہو جائے گی۔ اسی لئے اہل محلہ چاہتے ہیں کہ چھت کو گرا کر دیواروں پر کھپریل ڈلوادیں تا کہ دیواریں بھی محفوظ رہیں اور سایہ بھی ہو جائے۔ آیا ان کو یہ کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

وقف کی تعمیر اسی طرح چاہیے جس طرح اصل میں تھی كما نص عليه في الاشباه وفتح القدير وغيرهما تو اگر اہل محلہ استطاعت رکھتے ہیں کہ کمزور چھت کو مستحکم کردیں یا اسے اتار کر مضبوط الحکم چھت بنوادیں تو چھت ہی بنوائیں اور اگر استطاعت نہیں اور چھت کے گر جانے کا ظن غالب ہے تو جائز ہے کہ اس کے بدلے کھپریل ڈلوادیں پھر جب استطاعت ہو اس وقت بنوائیں والله يعلم المفسد من المصلح.

مضمرات پھر ہندیہ پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے: مسجد مبني اراد رجل ان ينقضه ويبنيه احكم ليس له ذلك لانه لا ولاية له اه.

ردالمحتار پھر تاتارخانیہ میں ہے: الا ان يخاف ان ينهدم ان لم يهدم ۔ والله تعالىٰ اعلم

مسئلہ از اٹاوہ مرسلہ مولانا مولوی عبد المصطفےٰ وصی علی صاحب

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک زوج و زوجہ میں کسی امر خانگی پر ضد بڑھ گئی۔ زوج نے کہا دیکھو اگر تم میرا کہنا نہ مانوں گی تو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں۔ اس پر زوجہ نے سخت کلامی کی۔ زوج نے کہا تم پر طلاق ہے۔ جب دونوں کا غصہ فرو ہو چکا تو سخت پشیمان ہوئے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ تین طلاقیں مانی جائیں گی یا صرف پچھلی ایک طلاق مانی جائے گی کیونکہ اول دوبار میں محض طلاق کا قصد اور آمادگی پائی جاتی

ہے، نہ صریح طلاق۔ البتہ تیسری بار میں طلاق صریح ہے۔ پس یہ طلاق رجعی ہوئی یا نہیں اور شوہر پھر رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ طلاق بائن ہے تو کس قسم کی ہے؟ آیا شوہر زوجہ سے پھر نکاح کرسکتا ہے یا حتی تنکح زوجا غیرہ کی حد میں آگئی؟

(۲) حیوان قربانی کا پوست وکلہ و پارچہ وامعاو غیرہ فروخت کرکے قیمت اس کی نذر تعمیر مسجد کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قربانی کا جانور ایسے فروخت کرنے والے سے خرید کرسکتا ہے کہ فروشندہ جانور مذکور خریدار کا مقروض ہے۔ زر قرضہ میں قیمت حیوان قربانی کی خریدار محسوب کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) قصاب کو قبل ذبح قربانی کے صاف کرنے اور بنانے کی اجرت معین کرلینی چاہیے یا بعد قربانی کرنے کے بطور خود قصاب مذکور کو اس کی اجرت دی جائے صور تہائے مذکورہ میں مفصل طور پر ارشاد فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجــــواب

(۱) صرف ایک طلاق رجعی ہوئی کہ دونوں پہلے قول اس کے تعلیق تطلیق ہیں نہ تعلیق طلاق اور ان سے عرفا ارادہ عزم ظاہر ہے اور دونوں بار دیکھو کا لفظ معنی تخویف کی طرف ناظر ہے ولا یثبت الطلاق بالشك ہاں! اس سے بہ نیت ایقاع طلاق یہ کہے تو طلاق مغلظ ہوگئی۔ اب بے حلالہ حلال نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کرسکتے ہیں اگر مسجد کے لیے بیع کیا ہو اور اپنے لئے بیچا پھر ارادہ مسجد میں دینے کا کرلیا تو نہیں دے سکتا بلکہ فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے لانه حصل بوجه خبیث.

عالمگیریہ میں ہے: ویتصدق بروثها اه واذا كان هذا بالروث فالتصدق بالاطراف وغیرها اولیٰ اور ظاہر ہے کہ اس تصدق سے مراد صدقہ واجبہ نہیں بلکہ نافلہ ہے جو جمیع قربات کو شامل كما حققته فی رسالتی اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیة الی المساجد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ہاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) قبل ذبح یا بعد ذبح کے اختیار ہے، البتہ قبل بنانے کے تقرر کرلینا چاہیے۔

عالمگیریہ کتاب الاجارہ شرائط انعقاد اجارہ میں ہے: ومنها ان تكون الاجرة معلومة.

اجرت دینے میں اس کا ضرور خیال رہے کہ اجرت اپنے پاس سے دے۔ اضحیہ کے گوشت یا پوست سے ادائے اجرت صحیح نہیں۔

ہدایہ میں ہے: ولا یعطی اجرجزار من الاضحیه لقوله ﷺ لعلی رضی الله عنه تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط اجر الجزار منها شیئا. اضحیہ کی جھول اور مہار کو صدقہ کردے اور اس سے کچھ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔ رواہ الائمة الستة الا الترمذی عنه رضی الله تعالیٰ عنه۔ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

کتابیات

مآخذ و مراجع

تفسیر

نمبر	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	سن وفات
۱	افضل القرآن	شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۲	البحر المحیط	شیخ اثیر الدین ابو حیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۳	تفسیر ابن ابی حاتم	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۴	التفسیر لابن جریر طبری (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ
۵	التفسیر لابن کثیر	علامہ اسمٰعیل بن عمر دمشقی	۷۷۴ھ
۶	تفسیر ابن مردویہ	احمد بن موسیٰ ابن مردویہ	۴۱۰ھ
۷	التفسیر لابی السعود (ارشاد السلیم)	علامہ ابو السعود محمد بن محمد العمادی الحنفی	۹۸۲ھ
۸	التفسیرات الاحمدیۃ	احمد بن ابو سعید معروف بہ ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۹	تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۱۰	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۰۰۴-۹۱۱ھ
۱۱	تفسیر جمل علی الجلالین	سلیمان ابن عمر عجیلی معروف بہ جمل	۱۲۰۴ھ
۱۲	التفسیر الحسینی	شیخ یحییٰ بخاری گجراتی بن محمود ابن محمد الحسینی	
۱۳	التفسیر للخازن (لباب التاویل فی معانی التنزیل)	علاء الدین علی بن محمد الخازن	۷۴۱ھ
۱۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسمٰعیل حقی	
۱۵	تفسیر الصاوی علی الجلالین	شیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی	
۱۶	تفسیر الفتوحات الربانیہ	عبد العزیز الحکیم	

۱۷	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
۱۸	التفسیر الکشاف	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ
۱۹	التفسیر للنیشاپوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشاپوری	۷۴۸ھ
۲۰	تفسیر النہر المارمن البحر	شیخ اثیر الدین ابوحیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۲۱	التفسیر للواحدی	امام علی بن احمد بن محمد ابوالحسن الواحدی نیشاپوری	۴۶۸ھ
۲۲	التفسیر الیمنی		
۲۳	تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس	ابو طاہر محمد ابن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۲۴	جامع احکام القرآن	قاضی ابو عبد اللہ محمد بن احمد ابوبکر بن عربی قرطبی مالکی	۶۷۱ھ
۲۵	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۲۶	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ قونوی	
۲۷	الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبد الرحمن سیوطی	۹۱۱ھ
۲۸	روح المعانی	سید محمود بن عبد اللہ آلوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ
۲۹	فتح البیان فی مقاصد القرآن	صدیق حسن خان بھوپالی	۱۳۰۷ھ
۳۰	فتح الرحمان لطالب آیات القرآن	فیض اللہ علمی زادہ	
۳۱	مدارک التنزیل	ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۳۲	معالم التنزیل	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ

حدیث

۱	اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	۱۲۰۵ھ
۲	احیاء علوم الدین	امام ابوحامد محمد ابن محمد غزالی	۵۰۵ھ
۳	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۵	الاستیعاب	ابوعمر یوسف ابن عبد البر قرطبی	۴۶۳ھ
۶	اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ

۷	الافراد	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸ھ
۸	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود ابو عبیدہ بن حسن بغدادی معروف بہ ابن النجار	۶۴۳ھ
۹	التاریخ	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۱۰	التاریخ للبغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۱۱	تاریخ دمشق	علامہ علی بن الحسن معروف بہ ابن عساکر دمشقی	۵۷۱ھ
۱۲	التاریخ	عبدالجبار الخولانی	
۱۳	التذکرۃ للقرطبی	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱ھ
۱۴	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶ھ
۱۵	التعلیق المجد حاشیہ الموطا امام محمد	ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی	۱۳۲۳ھ
۱۶	جامع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۷	جامع الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ
۱۸	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۱۹	الجامع الصغیر فی الحدیث	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۲۰	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۲۱	الدرالنظیم فی مولد النبی الکریم	علامہ سیف الدین ابوجعفر بن عمر الحمیری الحنفی	
۲۲	الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ
۲۳	دلائل النبوۃ	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۲۴	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
۲۵	سنن ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۲۶	سنن بیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۲۷	سنن دار قطنی	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵ھ
۲۸	سنن دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵ھ
۲۹	سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
۳۰	شرح ابن ماجہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ

۳۱	شرح جامع ترمذی	محمد ابو الطیب سندھی	۱۱۰۹ھ
۳۲	شرح جامع صغیر	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۳۳	شرح الشفا	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۳۴	شرح المسلم	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ
۳۵	شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۳۶	شرح المواہب اللدنیہ	علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۳۷	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۳۸	الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ	قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ مالکی	۵۴۴ھ
۳۹	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی	۷۵۶ھ
۴۰	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴ھ
۴۱	صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴۲	صحیح المسلم	امام مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱ھ
۴۳	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد	۲۳۰ھ
۴۴	طبقات اصفہانیین		
۴۵	طیبی شرح مشکوٰۃ	شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی	۷۴۳ھ
۴۶	عقود الجواہر المنیفہ فی روایۃ الامام ابی حنیفہ	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	۱۲۰۵ھ
۴۷	عون المعبود علیٰ سنن ابی داؤد	ابو الطیب شمس الحق بن شیخ امیر علی عظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
۴۸	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۴۹	فتح المغیث	امام محمد ابن عبد الرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ
۵۰	فوائد ابن ابی بکر بن خلاد	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۵۱	القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ/مترجم خرم علی بلہوری	۱۱۷۶ھ
۵۲	الکامل	ابو احمد عبداللہ ابن عدی	۳۶۵ھ
۵۳	کتاب الآثار	امام محمد ابن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۵۴	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن ابی دنیا القرشی	۲۸۱ھ

۵۵	کتاب الصحابہ	ابوموسیٰ المدینی	
۵۶	کتاب العلل	ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۵۷	کتاب الفتن	نعیم ابن حماد	
۵۸	کتاب القبور	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۵۹	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵ھ
۶۰	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر صدیقی	۹۸۱ھ
۶۱	مرقات شرح مشکوٰۃ	ملاعلی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۶۲	مسند امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۶۳	مسند امام اعظم	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰ھ
۶۴	مسند ابن ابی شیبہ	ابوبکر بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ
۶۵	مسند ابویعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
۶۶	مسند ابوداؤد طیالسی	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴ھ
۶۷	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲ھ
۶۸	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸ھ
۶۹	المستدرک	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵ھ
۷۰	المسویٰ شرح الموطا	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۷۱	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲ھ
۷۲	مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵ھ
۷۳	مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱ھ
۷۴	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۵	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۷	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۷۸	الموضوعات الکبیر	ملاعلی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ

۷۹	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹ھ
۸۰	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ
۸۱	نسیم الریاض	شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۸۲	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	امام ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵ھ
۸۳	وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ	علی بن عبد اللہ سمہودی	

عقائد، اصول، فقہ

۱	الابانہ	الشجری	
۲	اتحاف الابصار والبصائر		
۳	اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	
۵	اسعاف المبطا برجال الموطا	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۶	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم	۹۷۰ھ
۷	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰ھ
۸	الجام الصاد عن سنن الضاد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹	امداد المسلمین		
۱۰	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرطوسی	۷۵۸ھ
۱۱	ایذان الاجر فی اذان القبر	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۲	الایضاح		
۱۳	الباعث علیٰ انکار البدع والحوادث	امام حافظ ابو محمد عبد الرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ
۱۴	البحر الرائق شرح کنز الدقائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم (ابن نجیم)	۹۷۰ھ
۱۵	بدائع الصنائع	علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷ھ
۱۶	براہین قاطعہ	خلیل احمد انبیٹھوی	۱۳۴۶ھ
۱۷	برکات الامداد لاہل الاستمداد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ

۱۸	البنایہ شرح ہدایہ	امام بدرالدین ابومحمد عینی	۸۵۵ھ
۱۹	تبیین الحقائق	امام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ
۲۰	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ
۲۱	تحذیر الناس	مولوی قاسم نانوتوی	۱۲۹۷ھ
۲۲	تذکرۃ الموتی والقبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۲۳	ترغیب الصلوٰۃ		
۲۴	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۵	تصحیح المسائل	علامہ فضل رسول بدایونی	۱۲۸۹ھ
۲۶	تعالیق قاسم بن قطلو بغا	علامہ قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۷	تعلیم المتعلم	امام برہان الاسلام زرنوجی تلمیذ صاحب ہدایہ	
۲۸	تفہیم المسائل		
۲۹	تقویۃ الایمان	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۳۰	تکملۃ الرازی		
۳۱	تنبیہ الولاۃ		
۳۲	تنقیح الفتاوی الحامدیہ	علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۳۳	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ ابن احمد تمرتاشی	۱۰۰۴ھ
۳۴	توضیح تلویح	علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۳۵	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱ھ
۳۶	تیسیر المقاصد		
۳۷	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲ھ
۳۸	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل معروف بہ ابن قاضی	۸۲۳ھ
۳۹	جامع المضمرات		
۴۰	جدالممتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۱	جواب استفتائے رویت ہلال	امیر شریعت اول، پھلواری شریف، پٹنہ	

۴۲	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	
۴۳	الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی الیمنی	۸۰۰ھ
۴۴	حاجز البحرین الواقی عن الجمع بین الصلاتین	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۵	حاشیۃ الدر المختار	علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی	۱۰۶۷ھ
۴۶	حاشیۂ درر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶ھ
۴۷	حاشیہ شرح عقائد	علامہ حسن شہید	
۴۸	حاشیہ شرح عقائد	علامہ احمد بن موسیٰ خیالی	۸۶۲ھ
۴۹	حاشیۃ الشریفی للسراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶ھ
۵۰	حاشیۃ العلامہ الشلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱ھ
۵۱	حاشیۂ کنز الدقائق	قاضی القضاۃ ابوالسعود بن محمد عمادی حنفی	۹۸۲ھ
۵۲	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن نوح القابسی	۶۰۰ھ
۵۳	الجنۃ القائحۃ بطیب التعیین والفاتحۃ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵۴	الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ	علامہ عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳ھ
۵۵	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵۶	حسن التوسل	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۹۷۳ھ
۵۷	حلیۃ المجلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹ھ
۵۸	خزانۃ المفتیین	حسین بن محمد السمعانی السیقانی	۷۴۰ھ کے بعد
۵۹	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۶۰	درر الحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵ھ
۶۱	الدر المختار علی تنویر الابصار	علامہ علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸ھ
۶۲	الدر المنتقی شرح الملتقی		
۶۳	ذخیرۃ العقبیٰ	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵ھ
۶۴	رد المحتار علی الدر المختار	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۶۵	روح المسائل فی الفروع	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ

۶۶	زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۶۷	زیادات امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۶۸	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	
۶۹	السراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی
۷۰	سل الحسام الھندیۃ		
۷۱	سلک تحقیق الحقیقۃ	مطبوعہ گلزار حسینی بمبئی	
۷۲	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن البیری	۱۰۹۹ھ
۷۳	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱ھ
۷۴	شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ
۷۵	شرح العقائد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۷۶	شرح العقائد	علامہ جلالی	
۷۷	شرح عباب		
۷۸	شرح عقود رسم المفتی	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۷۹	شرح الفقہ الاکبر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۸۰	شرح القدوری	علامہ محمود زاہدی	
۸۱	شرح حاشیۃ الکنز	ملا مسکین معین الدین الہروی	۹۵۴ھ
۸۲	شرح اللباب		
۸۳	شرح المجمع		
۸۴	شرح مختصر وقایہ	محمود بن الیاس رومی (۸۵۱ھ میں مکمل کی)	
۸۵	شرح مختصر وقایہ	عبد العلی برجندی (۹۳۲ھ میں مکمل ہوئی)	
۸۶	شرح المقاصد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۸۷	شرح مسلم الثبوت	علامہ عبد الحق خیرآبادی	۱۳۱۶ھ
۸۸	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود	۷۴۷ھ
۸۹	شرح وہبانیہ	علامہ محمد بن محمد ابن شحنہ	۸۹۰ھ

۹۰	شرعۃ الاسلام	امام رکن الاسلام محمد ابن ابوبکر	۵۷۳ھ
۹۱	شرنبلالیہ	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۹۲	صراط مستقیم	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۹۳	صغیری شرح منیۃ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶ھ
۹۴	الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
۹۵	طحطاوی علی الدرر	سید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۳۰۲ھ
۹۶	طحطاوی علی المراقی	سید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۳۰۲ھ
۹۷	طریقہ محمدیہ ترجمہ دررویہ		
۹۸	العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹۹	عقود الدریۃ	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۰۰	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابو الحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی	۱۳۰۴ھ
۱۰۱	عمدۃ الفاتحۃ فی ادلۃ جواز العرس والفاتحۃ	مولانا سلامت اللہ رامپوری	
۱۰۲	العنایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶ھ
۱۰۳	عینی شرح کنز	علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۱۰۴	غرر الاحکام	قاضی محمد ابن فراموز ملا خسرو	۸۸۵ھ
۱۰۵	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸ھ
۱۰۶	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
۱۰۷	فتاویٰ اسعدیہ	سید اسعد بن ابی بکر حسینی مدنی	۱۱۱۶ھ
۱۰۸	فتاویٰ آہو		
۱۰۹	فتاویٰ بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷ھ
۱۱۰	فتاویٰ تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدھلوی	۷۸۶ھ
۱۱۱	فتاویٰ الحجۃ		
۱۱۲	فتاویٰ حدیثیہ	احمد بن محمد بن حجر الہیتمی	۹۷۳ھ
۱۱۳	فتاویٰ خلاصہ	طاہر ابن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲ھ

۱۱۴	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	علامہ خیر الدین ابن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱ھ
۱۱۵	فتاویٰ رحمانیہ		
۱۱۶	فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
۱۱۷	تفسیر السراج المنیر	محمد الخطیب الشربینی	۹۷۷ھ
۱۱۸	فتاویٰ سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵ھ
۱۱۹	فتاویٰ عزیزیہ	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۲۰	فتاویٰ شیخ الاسلام البلقینی		
۱۲۱	فتاویٰ صوفیہ		
۱۲۲	فتاویٰ ظہیریہ	ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد	۶۱۹ھ
۱۲۳	فتاویٰ عالمگیریہ	جمعیت علمائے اورنگ زیب	
۱۲۴	فتاویٰ مولانا عثمان حسن دمیاطی	مولانا عثمان حسن دمیاطی	
۱۲۵	فتاویٰ علامہ قاری الهدایۃ	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶ھ
۱۲۶	فتاویٰ غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۲۷	فتاویٰ قاضی خان	امام حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲ھ
۱۲۸	فتاویٰ الکبریٰ لصدر الشہید		
۱۲۹	الفتاویٰ القرویۃ		
۱۳۰	الفتاویٰ الولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰ھ
۱۳۱	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد (بہ ابن الہمام)	۸۶۱ھ
۱۳۲	فتح اللہ المعین	سید محمد ابو السعود الحنفی	
۱۳۳	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶ھ
۱۳۴	فواتح الرحموت	بحر العلوم عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵ھ
۱۳۵	فوائد متفرقہ		
۱۳۶	فیصلہ ہفت مسئلہ	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	۱۳۱۷ھ
۱۳۷	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸ھ

۱۳۸	القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم	علامہ شمس الدین بن القطان	
۱۳۹	القہستانی		
۱۴۰	الکافی شرح الوافی	ابوالبرکات عبداللہ بن محمد النسفی	۷۱۰ھ
۱۴۱	کشف الغمۃ عن جمیع الامہ	امام عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳ھ
۱۴۲	کشف الاصول	امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی	۴۸۲ھ
۱۴۳	کنز الدقائق	امام عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰ھ
۱۴۴	لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۴۵	مائۃ مسائل	مولوی اسحاق دہلوی	۱۲۶۲ھ
۱۴۶	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۴۷	مبسوط سرخسی	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳ھ
۱۴۸	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان معروف بہ داماد آفندی	۱۰۷۸ھ
۱۴۹	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۵۰	مجمع الروایات		
۱۵۱	مجمع الفتاویٰ		
۱۵۲	المحاکمۃ السلمیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۵۳	المحیط	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶ھ
۱۵۴	المحیط للسرخسی / المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱ھ
۱۵۵	المختار		
۱۵۶	مختار الفتاویٰ		
۱۵۷	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۵۸	المدخل	ابوعبداللہ محمد ابن محمد ابن امیر الحاج العبدری	۷۳۷ھ
۱۵۹	مراقی الفلاح بامداد الفتاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۶۰	مسائل اربعین	مولوی اسحاق	۱۲۶۲ھ
۱۶۱	مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق	ابوالقاسم بن بکر لیثی سمرقندی	

۱۶۲	المستطرف		
۱۶۳	المسلک المتقسط شرح منسک التوسط	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۶۴	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹ھ
۱۶۵	مصباح الدجیٰ	امام حسان بن محمد صغانی ہندی	۶۵۰ھ
۱۶۶	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹ھ
۱۶۷	مغنی المستفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۶۸	ملتقط (فی فتاویٰ ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶ھ
۱۶۹	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶ھ
۱۷۰	مناسک الفارسی		
۱۷۱	منحۃ الخالق	سید محمد امین بن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۷۲	المنح الفکریۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۷۳	المنسک المتوسط	رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی	۹۶۲ھ
۱۷۴	المنیۃ/منیۃ المصلی	سید محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵ھ
۱۷۵	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۱۷۶	المواہب	علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی	
۱۷۷	نسخۃ الخلائق		
۱۷۸	النظم	زندویستی	
۱۷۹	نظم الفرائد	عبد الرحیم شیخ زادہ	
۱۸۰	النقایۃ مختصر الوقایۃ	امام عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵ھ
۱۸۱	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۸۲	نور الشمعۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۳	النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۴	الوافی	عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۱۸۵	واقعات المفتین		

۱۸۶	الوجیز للکردری	بدرالدین محمد بن محمود الکردری خواہرزادہ	۶۵۱ھ
۱۸۷	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳ھ
۱۸۸	الوقف والابتدا	ابوجعفر نحاس	۳۳۸ھ
۱۸۹	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ

سیرت، تصوف وغیرہ

۱	الابریز فی علم سیدنا عبد العزیز		
۲	احسن الوعا لآداب الدعا	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۳	ازاقۃ الآثام لمانعی عمل المولد والقیام	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۴	الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵	بہجۃ الاسرار شریف	یوسف بن جویر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳ھ
۶	التیسیر	علامہ ابوعمرو عثمان حرانی	۴۴۴ھ
۷	جامع الاصول فی الاولیاء وانواعہم	ضیاء الدین احمد مصطفیٰ کمشخانوی مجددی	
۸	الجوہر المنظم فی زیارۃ قبر النبی المکرم	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۹۷۳ھ
۹	رسالہ طیبہ	حافظ محمد ابی جزری	
۱۰	ذیل المدعا لاحسن الوعا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۱	سبع سنابل شریف	میر عبد الواحد بلگرامی	۱۰۱۷ھ
۱۲	شاطبیہ	علامہ شاطبی	۵۹۰ھ
۱۳	عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر	سید جعفر برزنجی شافعی	
۱۴	فوائد الفواد شریف	محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا مرتبہ حضرت امیر علاء سنجری	۷۲۵ھ ۱۳۳۶ء
۱۵	شرح البردۃ	شیخ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۷ھ
۱۶	شرح البردۃ	علامہ خالد الازہری	
۱۷	شرح البردۃ	ملاعلی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ

۱۸	شرح عین العلم	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۹	قصیدہ بردہ شریف	امام ابو عبد اللہ محمد بن سعید بن حسن بوصیری	۶۹۶ھ
۲۰	قصیدہ دالیہ	سیدی ابو الحسین حمدونی شاذلی	
۲۱	قصیدہ غوثیہ	محبوب سبحانی محی الدین ابو محمد سید عبد القادر جیلانی	۵۶۱ھ
۲۲	قوت القلوب	امام ابو طالب مکی	۳۳۷ھ
۲۳	القول النجی علی مولد البرزنجی	مفتی مالکیہ شیخ محمد بن احمد	
۲۴	کشف القناع عن اصول السماع	مولانا فخر الدین زراوی خلیفہ محبوب الٰہی	
۲۵	کنز العلوم واللغۃ		
۲۶	الکوکب الانور علی عقد الجوہر	جعفر بن اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷ھ
۲۷	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱ھ
۲۸	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۲۹	مکتوبات مجدد الف ثانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ
۳۰	ملفوظات	سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت	
۳۱	ملفوظات عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۳۲	ملفوظات	مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	۷۸۲ھ
۳۳	النفحۃ العنبریہ لاثبات القیام فی مولد خیر البریۃ	امام مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۳۴	نفحات الانس	علامہ عبد الرحمٰن جامی	۸۹۸ھ

☆☆☆☆☆

[ملک العلماء کے دست مبارک سے تحریر شدہ ایک فتوے کا عکس]

(ج) یہ حدیث صحیحین میں حضرت کی نظر سے نہیں گزری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داود وابن ماجہ میں حضرت
عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند ضعیف مروی ہے نیز ترمذی شریف میں ابو امامہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن ان لفظوں سے مروی ہے ثلثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم العبد الآبق حتى يرجع وامرأة
باتت وزوجها عليها ساخط وامام قوم وهم له كارهون امام ترمذی نے فرمایا حسن غریب نیز طبرانی نے
معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا ايما رجل ام قوما وهم له كارهون
لم تجز صلاته نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لفظوں سے مروی ہے من ام
قوما وهم له كارهون فان صلاته لا تتجاوز ترقوته نیز جمع الجوامع و کنز العمال میں بروایت ابو سعید حضرت
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا ہے [illegible] رجل [illegible] ان هذا [illegible] وهم له كارهون [illegible]
[illegible] نیز اس حدیث کو مصنف عبد الرزاق نے علی بن ابی طالب اور اسود بن ہلال
سے منقطعاً روایت کیا ہے پس حدیث ابی داود اگرچہ ضعیف ہے مگر ایسے تعدد طرق سے [illegible]
حسن لغیرہ کی حدیث ہوگی گرچہ بظاہر تحریم ونفی قبول نماز پر دال ہے مگر علما نے بعض [illegible] پر محمول
کر کے کراہت کی طرف گئے ہیں اور بعض نے تہدید پر محمول کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے مگر یہ کراہت اسی
وقت میں ہے جب کراہت ونفرت کسی امر دینی یا سبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصومت یا نفسانیت
کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ اب خلیل خود ہی مذموم ہے کما فی الدر المختار شرح جامع
[illegible] نقل کر کے لکھا [illegible] کمی [illegible] الا ان [illegible] اسحق بالامامة
[illegible] تقدم [illegible] امام بننا اور نماز پڑھانا مکروہ [illegible] مراد ہے واللہ تعالیٰ اعلم

کلمات رضا

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی
کا مکتوب گرامی بنام ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور

”مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، فقیر کے یہاں اعز طلباء سے ہیں اور بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدارس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

- سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں
- عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں
- مفتی ہیں
- مصنف ہیں
- واعظ ہیں
- مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں
- علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں

امام ابن حجر مکی نے ”زواجر“ میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔“

(حیات ملک العلماء ص ۳)

الجمع الرضوی ۸۲/ سوداگران بریلی شریف (یوپی)

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور (پاکستان)